

إِنَّا لِلّٰهِ وَمَلِيكَتُهُ لِيَصْلُوْنَ عَلَى نَبِيِّ الْاِيْمَةِ الْاَزْهَرِ اَمَامًا
قَدَمَ قَرْنٍ عَلِيٍّ وَنَسَبٍ مَوْلَانَا

حیاتِ سرِ کائنات

حصہ سوم

تالیف

ملا واحدی

مکتبہ دینیات آصف علی رضوی

لاہور

قیمت

دنیا کا سب سے بڑا انسان

۱۹۱۱ء میں بیروت کے مسیحی اخبار الوطن نے مسیحیوں کے سامنے یسواں پیش کیا تھا کہ ”دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟“ اس کے جواب میں ایک مسیحی عالم داور مجاہد نے لکھا: ”دنیا کا سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے دس برس کے مختصر زمانے میں ایک نئے مذہب، ایک نئے فلسفے، ایک نئی شریعت اور ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی۔ جنگ کا قانون بدل دیا اور ایک نئی قوم پیدا کی، اور ایک نئی طویل العمر سلطنت قائم کر دی، ان تمام کاموں کے باوجود وہ امی اور ناتوان نہ تھا۔ وہ کون؟ محمد بن عبداللہ قریشی، عرب اور اسلام کا پیغمبر اس پیغمبر نے اپنی عظیم انسان تحریک کی ہر ضرورت کو خود پورا کر دیا اور اپنی قوم اور اپنے پیروؤں کے لئے اور اس سلطنت کے لئے جسے اُس نے قائم کیا تھا، ترقی اور دیوار کے اسباب پیدا کر دیئے۔ اس طرح کہ قرآن اور احادیث میں، وہ تمام ہدایات موجود ہیں جن کی ضرورت مسلمانوں کو دینی یا دنیاوی معاملات میں پیش آسکتی ہے۔

حج کا سالانہ اجتماع فرض قرار دیا تاکہ اہل استطاعت مسلمان ایک مرکز پر جمع ہو کر اپنے دینی و قومی معاملات میں باہم مشورے کر سکیں۔

ذکر الہ فرض کر کے قوم کے غریب، باطلے کی ضروریات پوری کیں۔

قرآن کی زبان کو دنیا کی عالم گیر اور دائمی زبان بنادیا تاکہ وہ مسلمان اقوام کے باہمی تدارک کا ذریعہ بنے۔

قوم کے ہر ذمہ داری کو یہ موقع یہ کہہ کر دیا کہ ایک مسلمان ہو کہو۔ دور۔ مسلمان

پر وہن تشیہ کی وجہ سے بزرگ اس میں ہو سکتی ہے۔ اس طرح اس پر حق تعالیٰ نے حج و عمرہ کی
 بزرگی اور حج کو عین قوم کا ایک نمونہ قرار دیا ہے۔

مسئلہ ہونے کی ایک طرف سے اس اصول پر عمل کیا کہ عرب کو حج پر اور حج کو
 عرب پر فخر نہیں ہے۔

حاجم یہ دلائل ہوتا ہے کہ اس کے آسان کر دینا مسلمانوں کے لئے اس کی
 ملکوں میں عین ہے۔ اور اس میں اس حد تک سے زندگی گزارنے کی ذمہ داری یہ کہہ کر دے گی
 کہ تمام مخلوق اللہ کے درود سے۔ اللہ سب سے زیادہ محبوب و دوست ہے جس کی
 ولادت کو سب سے زیادہ نامزد ہے۔ بچے کے۔

خدا کی طرف سے ہر ذرا ہی صدمہ ہوتا ہے اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہی۔
 اس نے نکاح و وراثت کے قوانین مقرر کئے۔ عورت کا مرتبہ بلند کیا۔ اور اس کا
 فیصلہ کرنے سے روک دیا۔

بیت امالی کا نظام قائم کر کے قومی دولت کو بے کار جانے سے بچایا۔ علم کی
 اشاعت اس کی کوششوں کا برا حصہ رہی۔ اس نے حکمت کو مبین کا گوشہ قرار دیا
 کہا، اسی سبب سے مسلمانوں نے اپنی ترقی کے دوز میں ہر دروازے سے علم حاصل کیا
 کیا ان کا سامان کا انسان دنیا کی سب سے بڑی ہستی نہیں تھا؟

سیرۃ النبی ص

یہ کتاب حق تعالیٰ کی طرف سے ہے کی طرف اشارہ ہے۔ (۱۰۰۰۰۰)

فہرست مضامین

۲۳۵	نان پاپا اور اسلام	۱۵	۵	۱	دیباچہ
۲۴۲	اولاد اور اسلام	۱۶	۱۲	۲	اللہ کا اسلامی تصور
۲۵۱	میاں بیوی اور اسلام	۱۷	۴۴	۳	ایمان و عمل
۲۵۹	عام رشتہ دار اور اسلام	۱۸	۹۳	۴	نماز
۲۶۲	ہم سلسلے اور اسلام	۱۹	۱۰۵	۵	زکوٰۃ
۲۷۰	یتیم اور اسلام	۲۰	۱۲۴	۶	روزہ
۲۷۷	بیوہ اور اسلام	۲۱	۱۳۳	۷	حج
۲۷۹	عام حاجت مند اور اسلام	۲۲	۱۵۲	۸	جہاد
۲۸۳	بیمار اور اسلام	۲۳	۱۵۵	۹	تقویٰ
۲۸۶	غلام اور اسلام	۲۴	۱۶۷	۱۰	اخلاص
۲۸۹	اسلامی برادری اور اسلام	۲۵	۱۷۳	۱۱	توبہ
۲۹۹	انسانی برادری اور اسلام	۲۶	۱۸۰	۱۲	توبہ
۳۰۲	غیر مسلم اور اسلام	۲۷	۱۹۰	۱۳	شہادت
۳۳۷	سرور کائنات کا دربار	۳۸	۱۹۸	۱۴	اسلام اور اخلاق حسنہ

(مطبوعہ جمعیۃ پریس بلیاران و ہٹی)

دیباچہ

الحمد للہ کہ حیات سرور و کائنات کے دونوں حصے میری توقع سے زیادہ پسند آئے گئے۔ اللہ بھی قبول فرمائے تو بیڑا پار ہو جائے۔ اگرچہ میں اپنے آپ کو کسی بات کا مستحق نہیں سمجھتا۔ اصل مستحق وہ دنیا جن کی تصنیفات سے میں نے استفادہ کیا ہے تاہم اللہ بڑے بڑے نیاز ہے۔ اس کی یہی عنایت کیا کم ہے کہ خوار کتنا بھی معمولی سہی مگر اچھا کام مجھ سے لے رہا ہے بس اسی خیال میں اللہ سے اس لنگے بیٹھا ہوں۔

پچھلے دو نور حصوں کی تیاری کے وقت سیرۃ النبیؐ، مصنف: علامہ شبلی نعمانیؒ کے علاوہ اچھا اور کتا میں بھی پیش نظر تھیں لیکن اس تیسرے حصے کو بہت زیادہ پسند آیا۔ عید چہارم و پنجم کا خلاصہ کہنا پسند ہے۔ ہاں ایک مضمون ”اسلام اور غیر ملکی مکتبہ“

لے پستری کی کاغذ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حیات سرور و کائنات حق اولیٰ جنہوں نے اشتہار پڑھ کر خریدی تھی، جب انہیں حیات سرور دیکھا، حتمہ دوم کے پچھنے کی اشکات میں پورے ہو گئے۔ کافر یہ دیکھ کر تو سوچتا ہے کہ سائنس نے حتمہ دوم منسوخ کیا۔ یہ سیرۃ پڑھنے کے لئے لکھی گئی اور سائنس پر غلبہ ہو گا تو خدا کے ساتھ ہو گا۔ خدائے تعالیٰ! آمین! اللہ واکم! اللہ علیٰ کمالہ!

محمد عظیم اللہ: احب کھلواروی کی کتاب ”اسلام اور غیر مسلم“ سے مدد لی۔
 واقعات کا جہاں تک تعلق ہے، محدثانہ بنیاد پر انتہائی ہی کاغذی ہے، اردو
 زبان میں مستند اسلامی تاریخ نویسی شہلی و سلیمان کے سے بڑھ کر کوئی نہیں پایا ہوا
 اور آج اسلام، تاریخ کی سندرل سکتی ہے، شہلی و سلیمان کے جانشینوں ہی
 سے مل سکتی ہے۔ کبھی پوچھنا پڑ جاتا ہے کہ کچھ صرف رفقاء دار المصنفین کی
 طرف اٹھتی ہے۔ علامہ سید سلیمان کی رحلت کے بعد سے حضرت مولانا عبدالماجد
 دریا بادی دار المصنفین کے صدر ہیں۔ مولانا ازراہ اخلاص ہمیشہ ہر سوال کا جواب
 دیتے ہیں یا دلدادہ دیتے ہیں۔ حیات سرور کائنات حصہ اول و حصہ دوم کے سلسلہ
 میں ایسی ضروری اکثر پیش آئیں۔

دلی کے ماہنامہ تحریک نے حیات سرور کائنات ہمارے لیویر مالک عالم شہزاد
 ایم اے سے لکھوایا تھا۔ مالک رام صاحب عربی جانتے ہیں اور منہ روئے نامیں ماہر
 اسلامیات مانے جاتے ہیں۔ مالک رام صاحب نے تحریر فرمایا:

”کتاب میں بعض باتیں ایسی ہیں جو خفیک نہیں ہیں مثلاً
 (۱) خالد (بی بی آمنہ) حضور کو احمد کہہ کر پکارتی تھیں (۲:۱۱) صحیح
 حدیث سے ثابت نہیں کہ آپ کا علم ”احمد“ تھا۔ جو حدیث اس سلسلے
 میں پیش کی جاتی ہے (اور جس کا پہلا لکھنا مولف نے بھی نہ کیا)
 اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ اگر ہم ”احمد“ کو علم تسلیم کر لیں
 تو ”ناقب“ اور ”ماجی“ بھی علم ہونا چاہئیں۔ دراصل ”محمد“
 علم تھا، اور باقی سب صفاتی نام ہیں۔ چنانچہ قرآن میں بھی آپ
 کو نام صرف ”محمد“ ہی دیا گیا ہے۔

(۲) چارہ فرس کی دریافت کو حسرت اسماعیل کی پیاس اور اڑیاہ

رگڑنے کا نتیجہ قرار دیا ہے (۱۰: ۱۰)۔ یہ واقعہ اور مسنفوں نے بھی لکھا ہے لیکن جب حضرت برہمہ، اسمعیل اور اُن کی والدہ باجرو کو ترک کر دی، غیر ذوق زرع میں پھوڑ گئے، تو اس وقت حضرت اسمعیل کی عمر تیرہ چودہ برس نہ تھی۔ کیا اس عمر میں بچے ایڑیاں رگڑا کرتے ہیں؟

(۱۱) حضرت خدیجہؓ - حضرت علیؓ - حضرت ابوبکرؓ اور حضرت زیدؓ پہلے دن مسلمان ہو گئے (۱۱: ۱)۔ حضرت ابوبکرؓ کی حزن کی یہ بات ضرور غلط ہے۔ جب آپؐ نے نبوت کا دعوے کیا ہے تو وہ مکہ میں تھے ہی نہیں۔ مجھے کھڑیک سایا دہن نہیں۔ لیکن وہ ان ایام میں غالباً مین گئے ہوئے تھے۔

اسی طرح کی اور مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

(۱۲) کتاب کا دوسرا حصہ کچھ رسول کریمؐ کی زندگی سے متعلق ہے اور کچھ اسلام کی بعض تعلیمات کی وضاحت ہے مثلاً اسلام اور عورت - اسلام اور فرقہ بندی ختم نبوت وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان مضامین کا سیرۃ النبیؐ سے دور کیا بھی تعلق نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک سیرۃ عمری سے تعلق ہے وہ پہلی جلد میں مکمل ہو گئی اور اب جو کچھ بھی لکھا جائے گا وہ اسلامی تعلیمات، شریعت، علم کلام کے مسائل ہوں گے۔ مؤلف نے اس حصہ کے شروع میں لکھا ہے کہ وہ آئندہ بھی اس موضوع پر لکھنا چاہتے ہیں۔ وہ شوق سے لکھیں، لیکن اس کا عنوان "حیات سرور کائنات مسیحی بچائے کچھ اور رکھیں" (مالک لاءم)۔

یہ ریویو مولانا دریا بادی کی خدمت میں بھیج دیا گیا اور مولانا مجیب اللہ صاحب

ندوی دارالمصنفین نے اعتراضوں کا جواب فراہم کر دیا، اور میں اس قابل ہوں کہ مالک رام صاحب اور ماہ نامہ تحریک کے ناظرین کی غلط فہمی رفع کر دوں۔

جس سے بہتر رج ذیل کیا جاتا ہے، تاکہ حیات سرور کائنات کے قارئین یہ جہتیں نے مالک رام صاحب کا رویہ پڑھا ہو، وہ جواب بھی پڑھ لیں۔

میں نے گویا بال مثل صاحب ایڈیٹر تحریک کو لکھا:

مکرمی: تسلیات عرض ہے۔

مالک رام صاحب نے آپ کے رسالہ تحریک بابت جنوری ۱۹۵۷ء کی کتاب "حیات سرور کائنات" پر تبصرہ کیا تھا۔

تبصرے میں کچھ ایسی باتیں تھیں جن کی وجہ سے مجھے حضرت مولانا محمد امجد صاحب دریا بادی کو لکھنا پڑا کہ دارالمصنفین اعظم گڑھ سے الف، بال، تولد کا جواب دلوادیں۔ چنانچہ مولانا مجیب اللہ صاحب ندوہ دارالمصنفین کا جواب آ گیا ہے۔

جواب بہت مفصل اور طویل ہے۔ میں مالک رام صاحب کے لئے اس کا خلاصہ اپنے الفاظ میں ارسال کر رہا ہوں۔ آپ اگر اسے غور سے نہیں شائع بھی فرمادیں تو اچھا ہے جینہوں نے تبصرہ پڑھا ہے اللہ تعالیٰ جواب پڑھ لینا چاہئے۔

سب سے پہلے مالک رام صاحب کی ترجمہ قرآن مجید کی آیت "بِالْحَقِّ أَتَتْكَ آيَاتُ رَبِّكَ إِسْرَارًا" کی طرز و بلاغیاتی ہے قرآن مجید کے بعضہ کی طرح احمد کا بطور علم ذکر کیا ہے۔ احمد سہارے پیشوا محمد

صاحب الشہ علیہ وسلم کا وہ نام ہے جو متعدد انبیاء کی زبانوں پر ملتا ہے۔ اگرچہ تحقیق طلب ہے کہ چاہے فرض حنوت اسمعیل عدیہ السلام کے

ایڑیاں رگڑنے سے نکلنا تو یہ بالکل بھی صحیح نہیں ہے کہ حضرت
 اسمعیلؑ دود و غیر ذی زرع پہنچتے وقت تیرن چہرہ برس کے تھے
 تولد کے باب پیدائش، روایت ۱۶ تا ۱۷ میں ہے :
 ”ابراہیمؑ نے صبح سویرے اُمّ کُردی اور
 پانی کی ایک مشکہ باجرہ کے کمانہ سے پر
 داری اور اس دُک کے کوبھی“

بالکل یہی بیان حضرت ابن عباسؓ کا (بخاری کتاب الانبیاء) میں ہے
 ”حضرت ابراہیمؑ عبدیہ السلام باجرہ اور انہ کے شیر خوار بچے اسمعیلؑ
 کو لے کر چلے اور جہاں آج خانہ کعبہ ہے اُس جگہ ایک بڑے درخت
 کے نیچے زفرم کے موبعدہ مقام کے قریب چھڑ کر چلے گئے“
 کمانہ سے پتیرہ چہرہ برس کا لڑکا نہیں پیدا ہوا۔

پہاؤ زفرم کے متعلق ایک روایت اور ضرور ہے کہ پانی کی تلاش میں
 حضرت باجرہ کے ادھر ادھر دوڑنے پر حضرت جبریلؑ تشریف
 لائے اور انہوں نے ایڑی ماری اور پانی اُبلنے لگا۔ مگر امام طبری
 نے حضرت اسمعیلؑ کے اڑیاں رگڑنے کو سوتا بچھوٹے، ذریعہ بتایا
 ہے اور حضرت اسمعیلؑ، شیر خوار مدینہ قریب تمام مکہ غیبی اسلام
 نے تسلیم کیا ہے۔

قرآن کے بعض آیات کے خلاف : ”یہ بات“ ہے شامیؒ سے
 سے یوں مضائقہ کہ چاہنا تو ہے کہ مکہ پہنچنے کے وقت حضرت اسمعیلؑ بچہ
 تھے۔ ”باقی کے واقعہ اور تعمیر خانہ کعبہ کے وقت جو مشیخہ۔“

(۳) کچھ تذکرہ نویسوں کا خیال یہ ہے کہ جب مشہور صلی اللہ علیہ وسلم کی

کہ تسلیم کیا ہے۔ یہ نہیں؟ وہ مسیحا ان کا صدقہ ہے۔ زبان اور بیان زور اسٹریٹن
 کی جس قدر تعریف ہوئی ہے اس کے لئے میں تبصرہ نگاروں کا نمونہ ہوں جو حیرت
 افزائی سے لکھنے کی قدرت غریبی سے مر نہ خفیت یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول
 کے نام اور ذکر کو مشن کرتے رہنے کے لئے مجھے تو کچھ نہیں ہے۔

واحدی

اللہ کا اسلامی تصور

یوں تو دلی کی بے پڑھی لکھی عورتیں تک بلا کرتی تھیں کہ وہ اللہ کو دیکھا نہیں۔
عقل سے پہچاننا، لیکن انسان وحی کی روشنی اور مرد کے بغیر اللہ کا تصور کرتا ہے تو۔
اسے اللہ میں انسانی حسن اور عجاہت کا ایک انتہائی مکمل مجسمہ نظر آتا ہے اس
تصور کی اللہ نے صرف تین لفظ کہہ کر تردید اور نفی فرمادی ہے لَیْسَ بِشَیْءٍ
کوئی شے اس کی مثال نہیں۔

مہتار دیکھنا اور سننا آنکھوں اور کانوں کا محتاج ہے اور آنکھیں روشنی
کی اور کان ہوا کے محتاج ہیں۔ اللہ کا دیکھنا اور سننا اندھی ہو جانے والی آنکھوں
اور بہرے ہو جانے والے کانوں کا محتاج نہیں ہے۔

مہتار دیکھنا اور سننا ناقص اور عارضی ہے۔ اللہ کا دیکھنا اور سننا
نقص اور عارضیت سے پاک ہے۔ مہتار دیکھنا اور سننا نقلی ہے۔ اللہ کا
دیکھنا اور سننا اصلی اور حقیقی۔

مہم کو یہ کام اللہ کے عطا کردہ اعضاء سے بے نیاز ہو کر نہیں کر سکتے اور
وہ عہدہ بالآخر پائے لے لئے جاتے ہیں۔ اللہ اعضاء سے بے نیاز ہے۔ اللہ اعضا
کا خالق ہے۔ اعضا کا ضرورت مند نہیں ہے۔ اِنَّمَا اَمْرٌکَ اِذَا اَدَّیٰ

شَيْئًا أَنْ يَقُولَ كَذِبًا كُنْ ذَبِي لَوْ ۝ اس کا معنی یہ ہے کہ جب کسی کا وجود میں آتا ہے تو اسے حکم دیتے ہیں کہ جو جائے سو وہ ہو جاتی ہے۔

جس طرح تمام اشیا پر پھپھانی جاتی ہیں، اللہ اس طرح نہیں پھپھانا جاتا۔ اللہ کی ذات کے متعلق تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

بَاعَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ پھپھانے کا جو حق ہے اسے اللہ ہم پھپھانی ذات کو اتنا نہیں پہچان سکے۔ اللہ کی ذات پہچانی کیسے جاتی۔ اللہ کسی شے کے مماثل نہیں ہے۔ پھر حضور کیونکر فرما دیتے کہ اللہ ایسا ہے لیکن شے حقیقی اللہ ہی ہے۔ دوسری اشیا کی حقیقت اس کے مقابلے میں سچ ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بقول ہے: اَلْعَبْرَةُ نَعِيْنُ دَسْمَلِكِ الْاَكْبَرِ اِدْرَاكُ۔ اللہ کی ذات کا ادراک نہ کر سکتا اللہ کی ذات کا ادراک ہے اکبر الہ آبادی نے شاید اسی قول کو یوں منظم کیا تھا۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تری پہچان کیوں ہے
شیخ سعدی شیرازیؒ کا شعر ہے ۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ ایم ششیدم و خواندہ ایم
اے وہ ذات پاک جو خیال، قیاس اور وہم سے بالا ہے اور

۱۔ اس سلسلہ میں حضرت اکبرؑ ایک شعر زیادہ رکھنے کے لائق ہے فرماتے ہیں:

مدا کے باب میں یہ غور کیا ہے
خدا کیا ہے، خدا ہے، اور کیا ہے

ہماری جملہ گفت و شنید اور ہمارے کل علم و عرفان سے ماورا رہے
 اللہ ہر شے سے زیادہ ہمارے قریب ہے اس لئے کہلے سخن اقرب
 اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ - ہم رگ جان سے کبھی زیادہ انسان کے قریب ہیں
 اللہ ہمارے اتنے قریب ہے کہ دکھائی نہیں دیتا جیسے آٹھ اپنے آپ
 کو اور بہت زیادہ قریب کی شے کو نہیں دیکھتی۔ دیکھنے کے لئے ستھڑا سا فاصلہ چاہتی
 ہے ویسے ہی بوجہ وہ آنکھوں سے اللہ کی ذات کا دیکھنا محال ہے۔ آفتاب پر بھی چلتی
 ہی سی نظر پڑ سکتی ہے۔ پھر آفتاب سے عظیم تر آقا بول کے خالق پر نظر ٹھہرنی کہاں
 ممکن ہے۔ البتہ جس طرح آفتاب کی روشنی سے آفتاب کا پتہ چلتا ہے اور آفتاب
 کے اور ہمارے درمیان حجاب آجائے تو آفتاب کا وجود اوجھل ہو جاتا ہے، اسی
 طرح اللہ کے اور ہمارے درمیان سے حجابات ہیں تو اللہ کے پر تو اور اللہ کی نشانی
 اور اللہ کے اوصاف دکھائی دے سکتے ہیں۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۝ رَفِیْ
 اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ
 ماننے والوں (اور کج بختی نہ کرنے والوں) کے لئے زمین میں (اللہ کے
 وجود اور اللہ کی قدرت کی) بے شمار علامات ہیں۔ اور (علامات تو)
 تمہارے (اپنے) اندر موجود ہیں۔ کیا وہ تمہیں سمجھائی نہیں دیتیں۔
 اپنی اصلیت اور انجام کو سوچنے اور اپنے گرد و پیش کی ایسی چیزوں کو جو
 انسان کی ساختہ نہیں ہیں، آنکھیں کھول کر دیکھنے سے اللہ کی شان سمجھیں
 آسکتی ہے اور اسلام نے اسی غور و فکر کے ذریعے اللہ کا عرفان کرایا ہے۔
 اپنی پیدائش پر غور کرنے سے اللہ کا وجود اور انشاء ثانی (موت کے بعد
 کی پیدائش) دونوں سمجھ میں آجاتے ہیں۔ وَكَفَرًا عَلِمْتُمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا وَحْدًا

فَلَوْلَا تَذَكُّرُونَ ۝ تم اپنی پیدائش سے واقف ہو کر اسی پر دوسری پیدائش کو کیوں نہیں قیاس کر لیتے۔

مولیٰ سی بات ہے۔ جس نے ایک دفعہ سپید کر دیا اُسے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

نقائش نقش ثانی بہتر کسدر اول

دوسری پیدائش کے وقت بنے بنائے انسان میں فقط روح پہنچتی ہوگی۔ یا اجزاء کو جمع کر کے روح پھونک دی جائے گی۔ پہلی پیدائش کے وقت تو کچھ بھی نہ تھا۔

انسان اپنے آپ کو کچھ کچھ خیال کئے بیٹھا رہے تو اسے اللہ عز و جل بھی نہیں مل سکتا، جیسے جیسے ہم اپنی حقیقت اور حیثیت کا احساس کرتے ہیں۔ ویسے ویسے ہمارے اور اللہ کے درمیان سے پردے جلتے ہیں اور اللہ کی نیک ایک مخلوق، اللہ اور اللہ کی شان کا پتہ دیتی نظر آتی ہے۔ یہ شیخ سعدی کہہ لکھتے ہیں۔

برگِ درختانِ سبز در نظرِ معشایار

ہر ورقے دفترِ لیتِ معرفتِ کریمکار

مجدد سہ مہدی پکارتے ہیں : ”ہم از اوست“ اور محمدی الدین ابن عربی چلاتے ہیں : ”ہم اوست“۔

یہ انجم و شمس و قمر کافی تھے ابراہیم کو (اکبر الہ آبادی)

یہ یہ تصور اور عقیدہ ہر شخص کے بس کہ نہیں ہے۔ یہ ایک کیفیت ہے جو کسی کسی پر درود بھیجی کبھی رطاری ہو جاتی ہے۔

خوشا انکار عارف و اپنے عرفان پر منحصر ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
نے صاف دعائے کبریا ہے: **مَدْرُفَ زَنْدَا فَكُنْ عَزَّ وَكَلَّ**
جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا، اس نے اپنے آپ کو پہچان لیا۔ یعنی جس نے
اپنے آپ کو نہیں پہچانا اس نے اپنے رب کو نہیں پہچانا۔

انسان باقی مخلوقات سے یقیناً افضل اور فائق ہے، جمادات، نباتات
اور حیوانات انسان کی برابر ہی نہیں کر سکتے اور انسان اپنی قدر جاننے اور جمادات
نباتات اور حیوانات کو خادم بنائے رکھے۔ آقا نے ہمارے اور خالق کی ہدایت کے مطابق ان سے
فدہ منے تو انسان کا مرتبہ مخلوقاتِ راضی کیا معنی مخلوقاتِ سادی سے اعلیٰ ہے۔
انسان کے اشرف المخلوقات ہونے میں قطعی شبہ نہیں لیکن اس اشرفیت کا عدم احسان
بھی بُرا ہے اور عار سے بڑھا ہوا احساس بھی بُرا ہے۔ عدم احساس دریاؤں اور
درختوں اور جانوروں کی پوجا کر دیتا ہے اور عد سے بڑھا ہوا احساس اللہ سے
سکڑی اور بغاوت کے رستے پر ڈال دیتا ہے۔ دیکھئے اللہ کیا کہہ رہا ہے: **إِنَّا خَلَقْنَا مِنْ نُّطْفَةٍ إِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّتَبَيَّنٌ** ہم نے انسان کو ایک قطرے سے پیدا کیا ہے
(پیدا ہو کر) اب وہ (ہم سے) کھلم کھلا آمادہ خصومت ہے، اور اللہ اپنے
پیغمبر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہہ اٹلتا ہے: **قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي**
شَيْئًا وَلَا ظَنًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَا سْتَكْبَرْتُ
مَعَ الْخَيْرِ إِنِّي أَنَا إِذْ زُيِّرْتُ وَكُتِبَتْ لَهُمْ سُلُوكُهُمْ ۵

اے رسول! کہہ دو مجھ اپنے آپ کو بھی نفع و نقصان پہنچانے کا قدرتِ اعلیٰ نہیں ہے
جو اللہ چاہتا ہے وہی ہو کر رہتا ہے۔ میں اگر غیب کا حال جانتا ہوتا تو اپنے لئے بڑا کریں
ماں بار لگتا اور دکھ دینی میرے نزدیک نہ پہنچنے پاتا۔ میں تو فقط (لوگوں کو) شریک
آخرت سے الگ دیکھنے والا اور اہل ایمان کو توبہ و آخرت کی خوش خبری دینے والا ہوں۔

وہ چیزیں برائیاں اور کی سائنہ نہیں ہیں، آج کو غیر مسلم اہل اسلام سے زیادہ دیکھتے ہیں اور غیر مسلم ان ناگہر ایکوں میں زیادہ اترتے ہیں اور سناؤں کے رگڑ ریشہ کا بھی غیر مسلموں کو سناؤں سے زیادہ علم ہے لیکن غیر مسلموں کا زیادہ دیکھا و عموماً مختلفہ جہت ہے انہیں یہ سب چیزیں دیکھ کر اپنی بے تحقیقی اور کم حقیقتی کا احساس نہیں آتا اور اللہ کی طرف ان کا وہمان نہیں جاتا۔

قریباً چالیس برس قبل کی بات ہے، میرے بھائی زاد بھائی قاضی سرفراز حسین مرحوم اسلام پور پکچر دینے انگلستان اور جاپان گئے تھے۔ واپس پہنچ کر انہوں نے جاپان کے کسی پروفیسر کا قصہ سنایا تھا قاضی صاحب اس پروفیسر سے اللہ کے وجود کے بارے میں گفتگو کرتے گئے۔ پروفیسر نے سادگی و محسوسیت کے ساتھ کہا: ابھی میں نے اس مسئلہ کو سوچا انہیں ہے بعض اور کام کر رہا ہوں وہ نمٹ جائیں تو سوچوں گا ان کاموں سے پانچ سال کے اندر اندر فراغت و فرصت ملنے کی توقع ہے۔

دنا بھرتی باتیں سوچنا اور نہ سوچنا تو یہی کہ میں کس نے بنایا ہے یا سوچنا تو بیک جانے کی ذہنیت لے کر سوچنا۔ مَشَکَلَهُمْ مِّثْلُ الَّذِیْ اَسْتَوْقَلُوا قُلُوبًا وَ قُلُوبُهُمْ مُّصَاعِفَةٌ مَّا حَوَّلَهُ ذَکَیْبُ اللّٰهِ یَسُوْرُهُمْ وَ تَرٰکِبُهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَا یُبْصِرُوْنَ اِنْ کِیْ مَآلِ اُنْ کِیْ سِیْ ہے جنہوں نے (اندھیری رات میں راستہ دیکھنے کی غرض سے) آگ سلگائی (اور جب آگ لگنے) ان کے چاروں جانب روشنی کر دی تو اللہ نے ان کی روشنی سلب کر لی اور انہیں (ایسے) اندھیرے گھپ میں چھوڑ دیا کہ انہیں (خاک) نہیں دکھائی دیتا۔

عَلٰی ہٰذَا فَرِحَ اَکْثَرُکُمْ اَخْلَکَ قُبُصُورُنْ کَاغَالِیْ رَسَا بَہِیْ کَافِیْ ہُنِیْ
ہے۔ کامیاب وہ ہوتے ہیں جو کتاب اللہ کو اس طریقے سے پڑھتے ہیں جس طریقے

لہ ہے اختیار خود کو مختار تم سمجھ لو لیکن ہوئے یقیناً بے اختیار پیدا

سے اُسے پڑھنا چاہیے۔ یَتْلُوْكَ حَقِّ قَلَامٍ وَتِهْ اُوْلٰئِكَ يُوْصَلُوْنَ
 یعنی مضامین قرآن پر غور کرتے ہیں۔ کاسن جاپانی پر ویسے کی قسم کے لوگ قرآن
 پڑھتے تھے تاہم مطاق نہ پڑھنے سے خالی پڑھنا اور رٹنا بھی ٹھیک ہے۔ اس سے اچھی
 ذہنیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی ذہنیت کے حضرات اگر یہ سوعیں گے کہ ہم کبھی لائے
 تھے اور ایک دن ہیں مرنے سے موجودہ زندگی مستقل زندگی نہیں ہے تو وہ اللہ
 کو اور اللہ کی قدرت کو قطعی سمجھ جائیں گے۔ اپنی اسل سے بے خبر اور موت سے
 غافل رہنا عقابان ربانی میں عظیم ترین رکاوٹ ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام لاؤ اور تھے۔ آخر عمر میں فکر دامن گیر ہوئی کہ وارث
 نہیں چھوڑ رہا ہوں۔ اللہ نے فرمایا۔ وارث ہم سے لو۔ یا زکریا اِنَّا نَبَشِّرُكَ
 بِغُلَامٍ اَمْسَمَہُ نَحْنُ یہ حضرت زکریا (ازراہ تعجب) بولے: میں ابھی
 بڑھے پھونس اور میری آنکھ میری کے ہاں بیٹا ہو جائے گا۔ اللہ نے منہ دیا
 بڑھے پھونس مرد اور بائیں عورت کے ہاں بیٹا پیدا کرنا کون سی افویہ بات ہے۔
 قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلٰیٰ ہٰٓہُنَّ رَءُودٌ خَلَقَ مِنْ
 قَبْلُ وَكَمْ ذٰلِكَ شَیْئًا ۝ کہا۔ ہاں (بیٹا ہوگا۔ نیز) تمہارے رب
 نے فرمایا۔ یہ میرے لئے (بالکل سہل) ہے۔ اسے زکریا: اس سے پہلے
 میں تمہیں (بجائے) پیدا کر چکا ہوں، پیدا ہونے سے قبل، تم لائے تھے
 میں نے لائے تو شے بنا دیا اور تم جیسی شے بنا دیا۔

غرضیکہ اللہ وہ ہے جو زندگی بخشتا ہے اور زندگی واپس لیتا ہے
 هُوَ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ۔ اپنے پیدا ہونے اور مرنے میں ہمیں
 مطلق دخل نہیں ہے۔

اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

اور اس دماغ ہی پر کون سا قابو ہے جس کا گنبد سرشیاں کرایا کرتا ہے۔ ذرا سی
گھیری دماغ کو مستقل کر دیتی ہے۔ نہ دماغ پر قابو ہے نہ دل پر اور نہ کسی اور
عضد پر جو عضو کام کر رہا ہے، اللہ کی ہر بات درست رہ رہا ہے

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ عُسْلَةٍ مِّنْ طِينٍ ۝
ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نَافَاةً فِي قُرَارٍ مَّكِينٍ ۝ كَذَّ حَسَنَتْ
النُّطْقَةَ عَلَاقَةً فَخَلَقْنَا أَلْفَافَةً مَّصْنَعَهُ فَخَلَقْنَا
الْمُضْغَةَ عِظًا فَلَسَّوْنَا أَلْعَظَةَ كَمَا قَدَرْنَا أَنشَأْنَاهُ
خَلْقًا آخَرَ ۝ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝
ثُمَّ رَأَيْنَاهُ إِذْ لَمْ يَكُنْ لَكَ لَمْ يَكُنْ ۝ هَ شَهِدْنَا لَكَ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَبَعْتُونَا ۝

ارشاد ہوتا ہے: ہم نے (خود و اولین نوع) انسان (یعنی آدم) کو (مذیت ہی)
عمدہ مٹی سے بنایا اور پھر ہم نے ان (کی شکل) کو نشے کے ذریعہ سے
پیدا کیا جو ایک (مختونہ و مضبوط جگہ ٹھہرتا ہے) اور پھر ہم نے اس (نصفے
کو) اسی مختونہ و مضبوط جگہ میں نہیں بسترے (اور) ہم نے
خون اب تک گوشت کا نو تھرا کر دیا (اور) پھر ہم نے نو تھڑے کو ٹھریاں میں
تبریں کیا (اور) پھر ہم نے ان ٹھریوں کو گوشت (کا لباس) پہنا دیا (اور کھل
جڑا دیا، اور) پھر ہم نے اس کو کھلے ٹھریاں میں ریح پہنک کر اسے لپٹا اور
طرح کا جنم دے دیا۔ (انٹھے، خون بستہ اور نو تھڑے وغیرہ سے) بالکل مختلف
عنوت بخش دی، پس (سوچو کہ) اللہ کتنا با عظمت (اور) کتنا اچھا خالق ہے،
(اور اسی کے حکمت) پھر تم (کبھی نہ کبھی) غرور یا ضرور مر (جلی) جاؤ گے (اور)
صنم ہستی نے نابود ہو جاؤ گے (اور) نابود ہونے کے بعد قیامت کے دن پھر

زندہ بنائے جائے گے (اور تم سے تمہارے اعمال کا حساب لیا جائے گا)۔

بَنَّا لَهَا النَّاسَ وَآلَ كُنْتُمْ فِي رَبِّكُمْ مِنْ
ابْعَثْ قُلُوبَ خَلْقْتُمْ مِنْ قُرَابِ نَحْنُ مِنْ
نَطَقَ نَحْنُ مِنْ عَلَقَةٍ نَحْنُ مِنْ مَنَسَخَةٍ
مَنْسُخَةٍ وَكُنَّ مِنْ مَنَسَخَةٍ لَنَبِيٍّ كَسِرَ وَلَقَدْ
فِي الْآرَامِ مَذَاقُ الشَّاعِرِ لَوْ أَنَّ جِبِلَّ مَسْمُومٍ لَغَوَى
كَهْرُكُمْ طَفَلًا ثُمَّ لِنَبْعَثْهُ أُنْثَى كَسَمَةٍ وَ
مَسْمُومٍ مِّنْ أَتَوْا فِي مِثْلِهِ مِّنْ يُرَدُّ إِلَى
أَرْكَبِ الْعُمَرُ كَيْفَ لَا يُعْلَمُ مِنْ آفَعَلِ عِلْمٍ شَيْئًا

تو لو اگر تم کو قیامت کا یقین نہیں آتا اور تم دوبارہ زندہ ہونے کی بات اس کے
شہد میں ہو تو یہ بتا رہی نادانی ہے۔ فلاہی حالت پر نظر ڈالو کہ نہیں کس طرح
وجود ملا ہے ہم نے نہیں مٹی سے پیدا کیا ہے (یعنی زمین کو حکم دیا کہ تیرے اندر
جتنے بیج پورے گئے ہیں ان کی اتنی مقدار نکال دے اور اتنی مقدار کے پھل نکال دے
اور مانج اگلا دے پھل۔ ترکاریاں اور اراج مٹھا ہی غذا بنیں اور غذاؤں سے
خون بنا اور خون سے لطفہ پھر لطفہ سے (خون بستہ کی ایک بوٹ) پھر اس خون
کی بوٹ سے گوشت کی کبھی مکمل ہوئی جس سے اعضا پورے پورے بن سکیں
اور کبھی ایک غیر مکمل ہوئی (اسے پھر اُس) مکمل ہوئی سے اور نامکمل ہوئی سے
(مسلمہ تواند متناسل جاری کیا اور یہ طریقہ تو اور متناسل ہم نے اس غرض
سے رکھا ہے تاکہ ہم تمہارے سامنے اپنی قدرت کا ایک کرشمہ ظاہر کریں
(اور تمہیں بتادیں کہ تمہاری اصلیت وحقیقت کیا ہے) اور ہم (جس صنف
گوشت کو چاہتے ہیں نامکمل گرا دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں (ایک

موت و وقت تک (تو رو اوس کے بیٹھنے میں ٹھیک رہے سکتے ہیں۔ پر قرآن مجید (۱۰ پیٹہ سے) لکھتے ہیں پھر (تو اسے جسم کی تربیت و تبحر کی کرتے ہیں تاکہ تم جس پر عذاب نازل ہو۔ اور تم میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو جسم کی عمریں مرتب کرتے ہیں، اور بعض ایسے بھی کہ انہیں (ناکارانہ) اور عمر تک پہنچایا جائے تاکہ وہ سمجھنے کے بعد کچھ نہ سمجھیں (جیسے بے شعور زبانیں اس کے لئے فیصلہ کی بے شعور دنیا سے رخصت ہوں)۔

تربیت اور نگرانی کو گرفتار یہ ہے کہ ہر طرح پیدا کرنے سے پہلے
 ماں کے پیٹ میں سارے جھے کرائے جاتے ہیں، اسی طرح پیدا ہونے کے بعد
 ماں کی چھاتیوں کے نزدیک دوشے جاری ہو جاتے ہیں۔

اللہ کے بندے اللہ کے بندوں کے ساتھ اللہ کے احکام کے مطابق سلوک کریں تو اللہ کے خزانے میں نہ آسائیں بدن کے سامان کی کو ہے اور نہ سب سامان روح کے سامان کی۔ رزق مقرر ہے آسانی سے مل سکتا ہے جس آسانی سے مدبر متکلف ہر امیہ و غریب کو ملتا ہے۔ بچے درود پڑھتے ہیں اور درود پڑھنا کائنات کا آئینہ ہے۔ جہنم و جنت زندگی سی آئی سے مل سکتی ہیں۔ فی اللہ ما کفر من ذلک منہ وما لک وعدہ کذب۔ شرط منکر و معر ہے کہ اللہ کے احکام اور قوانین کی بندگی کی جائے اور راشن اللہ کے ہاتھ میں رکھا جائے زمیندار اور کارخانہ دار تجار اور وہیل اقتدار لوٹ نہ چکیں۔

خَلَقَنِي مِنْ نَفْسٍ وَجِدَنِي فِيْ اَرْحَامٍ
رَّحِيْمَةٍ ۝ اَنْزِلْنِيْ اَنْزِلًا مُّسْلِمًا
وَاَنْزِلْنِيْ اَنْزِلًا مُّسْلِمًا ۝ اَنْزِلْنِيْ اَنْزِلًا مُّسْلِمًا
مِنْ اَنْزِلٍ مُّسْلِمٍ ۝ اَنْزِلْنِيْ اَنْزِلًا مُّسْلِمًا

رَبِّكُمْ ذَهَ اُولَٰئِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَآتٰى
تَضَرُّعًا ۝

اللہ نے تم (سب انسانوں) کو ایک انسان (یعنی آدم) سے پیدا کیا ہے۔ اسی انسان سے اس کا جوڑا نکالا اور تمہارے لئے درختوں کے درود پر اکٹھا نہیں کی) آٹھ نر مادہ چوپائے (اونٹ گائے، بکری، بکری بھی) پیدا کر دئے تاکہ ماں کا درود چھٹنے کے بعد وہ چوپائے تمہیں درود دے اور دوسری آسائش بہم پہنچائیں) اللہ (ایسا خالق ہے کہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر تین اندھیوں (ماں کے جوفِ بدنِ یمن اور چھٹی) کے اندر پیدا کرتا ہے۔ یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار اسی کی (دونوں جہان میں) حکومت ہے۔ (او۔) اس کے سوا کوئی معبود (مظاہر) نہیں ہے (اس سے مومنہ موڑ کر) کدھر جاتے ہو۔

اپنی پیدائش اور اپنے ہوش سنبھالنے تک کا زمانہ کوئی انسان نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن اور سینکڑوں کی پیدائش اور ہوش سنبھالنے کا زمانہ ہر شخص دیکھتا ہے اور ان سے کہا کرتا ہے کہ یہ بات بھی کرنی نہ آتی تھی تمہیں

یہ ہمارے سامنے کی بات ہے

آج اینٹھتے اور اتراتے پھرتے ہو کل تن بدن کی خبر نہیں تھی۔ جانور کا بچہ سمجھ دار ہوتا ہے تم اتنے بھی سمجھ دار نہ تھے۔ مگر سب کچھ دوسروں سے کہا جاتا ہے۔ اپنی بابت خیال نہیں آتا کہ ہم خود کبھی ایسے تھے کہ رحمت و رحیم اللہ اگر ماں باپ کے دل میں محبت نہ ڈال دیتا تو چلیں اٹھ لے جاتیں۔ آدمیوں میں نہ بٹھاتا تو جانوروں سے بدتر رہ جاتے۔ صورتِ شمس، عقل و

مِنَ الْجِبَالِ مِيُوتًا ۖ وَمِنَ الشَّجَرِ وَ مِنَّمَا
يُخْرِشُونَ ۚ ثُمَّ كَلَّمِي مِنْ كُلِّ السَّمَوَاتِ
فَاسْتَكْمَلِي سُبْحَانَ رَبِّكَ ذُلَّاطٌ يُخْرِجُ مِنْ م
بُطُونِهَا شَرَابًا مُتَخَلِّفًا أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ
لِلنَّاسِ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝

اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کو حکم دیا کہ تو پہاڑوں اور درختوں اور چھتوں
میں گھر بنائے (اور) پھر (اسے بتایا کہ) تو (ہمارے پیدا کئے ہوئے) سارے
سموروں میں سے (خوب) کھا (پی) اور اپنے رب کی راہ میں نہایت عاجزی سے
چل پھر۔ (یعنی بارگاہِ ایزدی میں سرنیا زخم رکھ) اس شہد کی مکھی کے پیٹ
میں سے گونا گوں رنگ کی پینے کی شے برآمد ہوتی ہے۔ جو لوگوں کے واسطے
شفا ہے۔ بے شبہ (یہ ایسی شے ہے کہ) اس میں سیچنے والوں کے لئے
ہماری قدرت کی نشانی موجود ہے۔

وَأَتْلُوعَلَيْهِمْ نَبَاَ إِبْرَاهِيمَ ۝ اور (اے محمد! جو مسلک
ابراہیمی پر تکیہ کرتے ہوئے کے دعوے کرتے رہتے ہیں) تم انہیں ابراہیم کا
قصہ سنا دو تاکہ وہ جانیں کہ ہمارے بندے ابراہیم کا مسلک تھا کیا) اِذْ
قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ۝ جب ابراہیم نے اپنے باپ
اور اپنی قوم سے کہا کہ تم (یہ) کس کی عبادت کیا کرتے ہو قَالُوا الْعَبَادَةُ
أَصْنَامًا ۖ فَنُظِّلْنَا أَنفُسًا خَلْقَيْنِ ۝ انہوں نے جواب دیا ہم توں کو لوہے جتے ہیں
اور ان ہی پر (اسرا گئے) بیٹھے ہیں۔ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُم اِذْ تَدْعُونَ
ابراہیم نے کہا۔ بھلا کسی ضرورت کے وقت جب تم انہیں پکارتے ہو ان سے
مدد مانگتے ہو تو یہ تمہاری استدعا کو سنتے ہیں اَوْ يَنْفَعُكُمْ اَوْ يَضُرُّكُمْ ۝

یا تمہیں (کچھ) نفع و عزت پہنچاتے ہیں۔ قَالُوا بَلْ نَأْتِيَانَا كَا كَذَلِكَ
يَقُولُونَ ۝ انہوں نے کہا (ابا) ہم نے اپنے باپ و دادا کو اسی طرح کرتے
دیکھا ہے (وہ ان کی بوجا کیا کرتے تھے) قَالَ اَفَرَأَيْتُمْ مَا كَسَبْتُمْ
تَعْبُدُونَ ۝ اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ كُفَرًا ۝ اَلَا قَدْ كُنْتُمْ اٰبَرٰهِيْمَ
کہا۔ اچھا تم نے (کبھی) ان چیزوں کو نہیں تم اور تمہارے بزرگان سلف
پرست تھے ہیں انھوں نے بھی دیکھا ہے وَانْتُمْ هَلْ تَدْعُوْنِیْ اِلَّا اِلٰهَ الْاَوَّلِیْنَ ۝
اَلَّذِیْ خَلَقَیْ فَهُوَ یَهْدِیْ ۝ وَالَّذِیْ هُوَ یُعِیْضُ وَیَسْقِنُ
وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْ ۝ یہ تو میرے حق میں اور ایک میرے
حق میں کیا تم سب بچا یوں کے حق میں (صریح دشمن ہیں) ان کی پوجا سے تم
تباہ ہو رہے ہو اپنی عاقبت خراب کر رہے ہو) یہ ہمارے دوست نہیں
دوست ہمارا صرف رب العالین ہے جس نے مجھے (اور تمہیں) اور کل کائنات
کے پیدا کیا ہے۔ وہی میری رہنمائی کرتا ہے وہی ہے جو مجھے کھانا پینا دیتا ہے
اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفا عطا فرماتا ہے وَالَّذِیْ یُحْیِیْ
ثُمَّ یُمِیْتُ ۝ اور وہی ہے جو مجھے موت دے گا (اور پھر) قیامت
کے دن) زندہ کر دے گا۔ وَالَّذِیْ اَطْرَعُ اَنْ یَّخْفُوْا یَخْطِیْتَنِیْ
فَعَلَّمَنِ الذِّیْنَ ۝ اور میں سے مجھے توقع (رکھنی چاہئے) اور توقع ہے کہ
(مجھ سے) زہم و کرم سے) بروز قیامت میری ہر غرض کو موافق کر دے گا
(اور انہیں ابراہیمؑ و غرور کی گفتگو بھی سناتے)

اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّیْ اَلَّذِیْ یُحْیِیْ و
یُمِیْتُ ۝ قَالَ اَنَا اُخِیْ وَ اَمِیْتُ ۝ فَتَالِ
اِبْرٰهِيْمُ کَیْفَ اَللّٰہُ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنْ مَّشْرِیْ

قَالَ يَا مَعْشَرَ الْمُتَعَبِينَ نَبِّئُوا الَّذِينَ كَفَرُوا
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

جب ابراہیمؑ نے (مردوں سے) کہا کہ میرا رب وہ ہے جو (سب کو) زندگی اور موت دیتا ہے تو غرور و جلا (یہ میں بھی کرتا ہوں) میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں مجھے قدرت حاصل ہے کہ اگر کسی کو پھانسی مارنے والی ہو تو اس کی جان بخشی کر دوں اور جسے چاہوں پھانسی پر چڑھا دوں۔ مردوں کے اس غرور و جلا پر جواب پر ابراہیمؑ نے (دوسری بات پیش کی اور) کہا۔ اللہ (بغضاً) مشرق سے سورج نکالتا ہے (تم فلا ایک دن) اُسے مغرب سے نکال کر دکھاؤ۔ یہ سن کر وہ کافر بھی چپکا ہو گیا۔ (لیکن ایمان پھر بھی نہ لایا) اور اللہ (ایسے ہٹ دھرم اور) نا انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔

الَّذِينَ تَرَوْنَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ
عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا ط

زاد ان کیا تم کو (دنیا کی کسی شے میں اس کی قدرت کا جلوہ) نظر نہیں آتا۔ (کبھی تم اس بات پر غور کرتے ہو) کہ ارض و سموات میں جو کچھ بھی ہے اللہ نے سب کو تمہارا بنا رکھا ہے اولاً اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں بعد از اتم تم پر نازل کر دی ہیں (مثلاً تمہارے اعضاء اور اعضا کا باہم تناسب اور کھلنے پھیلنے کی ان گنت چیزیں اور قوت فہم و ادراک وغیرہ۔ پھر ابر کا آنا، ہر اک چلنا۔ آفتاب

لہٰذا یہ ایسا جواب تھا جیسے آج کل کوئی کہے کہ میں مفرود طریقے کی بجائے مادہ تولید کو کچکارے کے ذریعے عورت کے رحم میں پہنچا کر انسان بنا سکتا ہوں۔

و اسباب کی بدبختانی۔ ان کا طلوع ہونا اور غروب ہونا، تاروں کی چمک
جنگلوں کی خشکی تری، دریاؤں کی روانی و طغیانی، پہاڑوں کی بلند و
کلیق و وحش و طیور کی حیات و موت، کیڑے مکوڑے، سمندر، بحیرہ، غرضیکہ کائنات
کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو تمہاری خدمت گزاری کے لئے حاضر نہ ہو اور دنیا میں
کوئی نقیب ایسا روزنا نہیں ہوتا جو تمہارے جسم یا تمہاری روح کو نقص نہ پہنچاتا
ہو۔ بہت سی چیزیں تمہارے جسم کی زندگی اور تازگی کا باعث ہیں اور بہت سی
تمہاری روح کو بالیدگی بخشتی ہیں اور بہت سی تبدیلیاں تمہیں عبرت کا سبق
دیتی ہیں اور عقل سکھاتی ہیں)

أَدْمُ تَرَى أَنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ
وَيُخْرِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ دَخْلًا يَخْرُجُ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى وَ
أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ

(اے انسان! کیا تو نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ (کبھی) رات کو دن میں داخل کر دیتا
ہے (اور کبھی) دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے (کبھی دن کو رات سے بڑا بنا دیتا
ہے اور کبھی رات کو دن سے بڑا بنا دیتا ہے) اور نہ یہ (دیکھا کہ) اس نے
آفتاب و اسباب کو (ایسا) مسخر کر لیا ہے (کہ ہر ایک (بڑا برابرا) دورہ گھاتا
رہتا ہے۔ اور (نہ) یہ (جانتا) کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کی اللہ کو پوری خبر ہے۔
ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ
مِنْ دُونِهِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ
الْكَبِيرُ

یہ تمام استقامات اس ار کی دلیل ہیں کہ اللہ ہی معبودِ برحق ہے اور (نیز) اس بات

کی (دلیل) کہ شرک کرنے والے اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہیں وہ باطل ہیں، اور
(نیز) اس بات کی (دلیل) کہ اللہ ہی کی ذات بزرگ اور برتر ہے۔

اَنْتُمْ تَرَانِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ
اَللّٰهُ يَخْبُرُكُمْ مِنْ اٰيَاتِهِ اِنْ فِيْكُمْ
لَا اٰيٰتٍ يَكُنْ صٰبِرًا شٰكِرًا

(اے انسان!) کیا تو نے یہ نہیں دیکھا کہ کشتی دریا میں چلتی ہے (اور) اللہ کی
ہر بات سے (ڈرتی نہیں)، حالانکہ اور چتریں ڈوب جاتی ہیں اور اللہ کشتی کو چاہے
لے لے ہو کھینچتا ہے محض اس غرض سے کہ وہ تم (دنیا والوں) کو اپنی قدرت کا سہ
کی کچھ نشانیاں دکھائے (اریب اس میں) (اللہ کی قدرت و حکمت کی بڑی بڑی،
نشانیاں ہر اس شخص کے لئے (موجود) ہیں جو (حق پسند اور مخلص اور) صابر و شکر ہے۔

وَ اِذَا غَشِيَهمْ صَوْبٌ كَاظِمٌ رَّعَوْا اللّٰهَ فَخَسِبُوْا
اِلَیَّ الدَّيْبِ ثُمَّ قُلْنَا كَجَہْمٍ اِلَیَّ اَنْتَ فَمِنْہُمْ مُّقْتَصِدٌ
وَمَا یَجِدُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا كُفْرًا یَّکْفُرُوْنَ

(صابر بنا کر رہے۔ اور) ان (دو دلوں اور عیاروں کی طرح نہیں ہتکے) جب کشتی
میں بیٹھ چکے ہوں اور پانی کی (موج سا کبانوں کے مثل) ان کے سر پر چڑھ جائے
(اور) انہیں اپنی جانوں کے لئے چڑھائیں تو (اُس وقت تو بدو کے واسطے) اللہ کی بات
اُنہی کے (مطیع) (و منقاد) بن کر چکائے گی۔ لیکن جب اللہ نہیں (پانی سے) بچا کر
نشتی کی طرف لے آئے تو بعض (تو) (خیر) راہ راست پر آجائیں اور (باقی
سب کے سب) اسی بغاوت و کفر میں لگ جائیں۔ اہل بات یہ ہے کہ قرآن کے
حبوٹوں (اور احسانات کی) ناشکری کرنے والوں کے خلاف کوئی ہی ہماری (قدرت و
حکمت کی) نشانیوں کا انکار نہیں کر سکتا (اور ہماری اطاعت اور فرماں برداری سے

مخوف نہیں ہو سکتے۔

قُلْ مَنْ يَنْجِيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ
تَدْعُوْنَهُ لَنْفُذًا وَخَفِيَّةً كَثِيْرًا اَنْجَا
مِنْ هٰذَا لَنْكُوْنَنَّ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ ۝ قُلْ
اَللّٰهُ يَجْعَلُ مِنْهَا دَعْمًا لِّكُلِّ كُوْبٍ ثُمَّ
اَنْتُمْ لَشَٰكِرُوْنَ ۝

اے محمد! لوگوں سے (پوچھو) تو کہ (جب تم) بری اور بحرِ مِصَاب (میں) نہیں
بلتے ہو تو ان کے تھیں کون نجات دیتا ہے جسے دل ہی دل میں گڑگڑاتا، محسوس کرتا
پکارت ہو اور کہتے ہو کہ اتنے نہیں اس مصیبت سے بچایا تو تم ضرور اس
کا شکر ادا کری گے۔ (انہیں بتاؤ کہ) اس مصیبت سے اور (دس کے علاوہ)
ہر مصیبت سے اللہ نہیں بچا سکتا (مصیبت کے وقت اللہ ہی کو تم پہنچتے
ہو مگر زیادہ سے شکر گزاری کا وعدہ کر کے پھر تم (ناشکر گزار رہتے ہو اور اپنی
نجات کو دوسرے اسباب پر محمول کرتے ہو اور) شکر کے درجے بڑھتے ہو۔
يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ
وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ الَّذِي
جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۝ مَنْ
أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ
مِنَ الشَّجَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ
أَنْدَادًا ۝ اَنْتُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اے لوگو! عقل کا راستہ اختیار کرو اور اے عقل کے راستے پر اُسے ہوں!
تم بھی پھر سوچو عبادت کا سزاوار وہی ہونا چاہیے یا نہیں جو بالے والا اور خالق

ہے۔ لہذا اپنے پالنے والے کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور ان کو بھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں (اس عبادت گزار کی سے تم صراطِ مستقیم پاؤ گے اور) عجب ہمیں (کہ عذاب سے) بچ جاؤ (اللہ وہ ہے جس نے ہمیں اور تمہارے آباء اجداد کو معرفت پیدا کی نہیں کیا بلکہ تمہارے زور و تہا سے آباد اجداد کے لئے (زمین و آسمان پیدا کر کے) زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنا دیا۔ اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس کے فیض سے تمہارے کھلنے کے واسطے پھلوں کو پیدا فرمایا (دیکھو ایسے خالق - قادر اور رازق: اللہ کا کسی کو شریک (اور ہم پہ) مت بناؤ (اسی مٹی باتیں تو تم سمجھ سکتے ہو۔

أَتَمَّنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ
لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ
ذَاتِ بُوْجَجٍ مَّا كَانَ كَلِمَةً أَنْ تَعْلَمُوا
شَجَرَ هَاطِءٍ إِلَهُ مَعَ اللَّهِ بَلْ هُمْ
قَوْمٌ يَعْبُدُونَ ۝

(سوچو تو آسمان اور زمین کو آخر کس نے پیدا کیا ہے اور آسمان سے تمہارے واسطے پانی (کس نے) اتارا ہے (تمہاری زندگی کے سامان جیہہ کرنے کے لئے) میںہ کون برساتا ہے۔ کیا ہمارے مادہ کوئی اور تمہارے خیال میں ہے: پھر اُس (پانی) سے ہم نے پاموت (اور خوش نما) باغ اُگائے۔ اور تمہاری خود تم میں یہ طاقت نہیں تھی کہ (بارخ تو بارش، ان درختوں) کے درختوں میں کا ایک درخت، بلکہ درخت کی ایک پتی، کو پیدا کر دیتے (تو تائی) اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود (شریک) ہے (جو ایسی قدرت رکھتا ہو کہ گزشتہ

ہے لیکن کافرانہ ذہنیت رکھنے والے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے بلکہ یہ (تو) وہ لوگ ہیں کہ سمجھ بھی لیتے ہیں تو راہ حق سے پھر جاتے ہیں اور کج روی اختیار کرتے ہیں۔ انہیں کج روی کی عادت پڑ گئی ہے۔

أَمِنَ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَافًا
أَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا تَرَاسِي وَجَعَلَ بَيْنَ
الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْكَافِرِينَ لَا يَعْصُونَ

بھلازمیں کو (رہنے سہنے کے قابل اور تمہارا ٹھکانا کس نے بنادیا اور (کس نے) اُس کے درمیان (جگہ جگہ، ندیاں، نہریں بہائیں۔ اور (کس نے) اُس کے (رہنے سہنے کو روکنے کے لئے) (اس پر) اٹل پہاڑ طوطے کروئے اور (کس نے) دو دریاؤں (اور دو سمندروں، کے درمیان پردہ (قائم) کر دیا (کہ وہ ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے۔ کہیں آبادی کی خاطر دو دریاؤں اور دو سمندروں کے درمیان دو رنگ خشکی چلی گئی ہے۔ کہیں دو ٹپٹے اور کھاری پانی پاس پاس موجود ہیں اور ٹپٹے کا کھاری پر اور کھاری کا ٹپٹے پر اثر نہیں ہونے دیا جاتا۔ بتاؤ) کیا انہر کے ساتھ کوئی (اور) موجود ہے (جو یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ ہرگز نہیں) لیکن ان (کافرانہ ذہنیت رکھنے والے) لوگوں میں اکثر (ایسے جاہل ہیں کہ اس قدر واضح حقیقتوں کو بھی) نہیں جانتے (اور جاننے کی طرف توجہ بھی نہیں آتے)۔

أَمِنَ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَا ۚ وَيَشْفِ
الشَّوْءَ ۚ رِيَّجْعَكُمْ خَلْفَاءَ أَرْضِ طَعَالِهِ
مَعَ اللَّهِ قَبِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ۝

(اے) کون ہے جو مضطر (اور بے قرار) کی فریاد سنتا ہے اور (اس کی) مصیبت

کو فتح کر دیتا ہے جب وہ منظرِ بے قرار) اس سے فریاد کرتا ہے اور کون
 جتے ہیں (تم) (انسانوں) کو زمین میں (اپنی) تائب بنالیے (کہ زمین کے
 ملک بنے بیٹھے ہو۔ بولو۔ بولو کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے
 نے یہ کلمہ اور احکامات کئے ہیں۔ ہرگز نہیں) تم نصیحت (قر) کم (ہی) قبول
 کرتے ہو۔

أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتٍ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَوَهَّنِ
 يَسْمِعُ الرِّيحَ أَشْرًا بَيْنَ يَدَيْ سَرَّحْنَاهُ
 وَاللَّهُ مَعَ اللَّهِ فَاعْلَمِ اللَّهُ عَمَّا يُشِيرُ كَوْنُ

اچھا کون ہے جو خشکی اور تری کی تاریکیوں میں (ستاروں اور دیگر طریقہ سے)
 تمہیں راستہ دکھاتا ہے اور (گھٹائیں لسنے والی ٹھنڈی ٹھنڈی) ہواؤں کو دھوم
 بھارتا (خود) (جاں نزا) دینے کے لئے اپنے (باران) رحمت کے لگ
 آگے کون بھجتلے۔ (کہیں) ہے اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے
 لوگ جیسے جیسے مشرک کرتے ہیں اللہ (کی شان) اس سے بہت
 (بلند اور) بالا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ السَّعْيَ وَلَا يُصَادَ
 وَالْأَفْئِدَةُ ط

اور اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے کائنات اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ
 حق بات کو کانوں سے سنو، آنکھوں سے دیکھو اور دل سے یقین کرو۔
 كَيْفَ تُلْكَفُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أََمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ
 لَكُمْ مَوْتٌ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ
 هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا

نَبَاً اسْتَوَلَىٰ اِلَى السَّمَاءِ فَنسُوْهُنَّ
 سَبْعَ سَمَوٰتٍ وَهَوَّ بِكُلِّ كَلَمٍ مَّا يَدْعُو
 تَعْيِيْرُ الشُّرَكَاءِ اِنْكَارُ كَرِهَتْ اُولٰٓئِكَ اَسْمَاءُ
 بَشَرِيَّةٌ بِمَنْ هُمْ مُتَّبِعُونَ (اور غیبی امت کے حق میں
 کرے گا اور پھر اور وہ نذر وہوں کے بعد صاب شیطانی کے
 اس کے پاس والیس پانچ ہو گا۔) اول سے آخر تک اس کے قہقہے میں ہوں
 اور اس کے محتج ہیں اور پھر نافرمانی اور سرکشی ہر کس قدر عجیب بات ہے

اِنَّ فَا خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ
 اَنۡبَا وَاَفْهَامُ رَزَقْنٰكَ اَلۡلٰہِ تَجَرَّیۡ فَا اَنۡجَزَ
 رَہۡ یَسۡجۡ اَلۡلٰہِ وَمَا اَنۡزَلَ اَللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ
 مَنۡ دُرِّہٖۤ اَنۡزَلَہٗ فَا حَبَا بِذَرِّ الْاَلۡہِ اَنۡزَلَہٗ فَا حَبَا
 رَہۡ یَسۡجۡ رَہۡ یَسۡجۡ فَا حَبَا بِذَرِّ الْاَلۡہِ اَنۡزَلَہٗ
 اَلۡلٰہِ رَہۡ یَسۡجۡ فَا حَبَا بِذَرِّ الْاَلۡہِ اَنۡزَلَہٗ
 اَلۡلٰہِ رَہۡ یَسۡجۡ فَا حَبَا بِذَرِّ الْاَلۡہِ اَنۡزَلَہٗ

دھڑکے اور اونچے آوازوں سے (بجھتی ہوئی) زمین کی پہاڑیں سر اور
 اور زمین کے گہنے سے پراور ان پہاڑوں پر جو لوگوں کے لئے گہنے سے
 کے لئے مندر میں چلتے ہیں کہ یہ تو ان سے ہے۔ پنے معبود کو پہاڑیں سے جھلیم
 انہوں نے انہوں نے اور انہوں نے انہوں نے انہوں نے انہوں نے انہوں نے انہوں نے
 بخور بن گئے ہیں۔ انہوں نے انہوں نے انہوں نے انہوں نے انہوں نے انہوں نے انہوں نے
 سے رات میں کے گہنے سے بخور ہے اور کیوں کر کہیں انہوں نے انہوں نے انہوں نے انہوں نے
 سے بخور ہے انہوں نے انہوں نے انہوں نے انہوں نے انہوں نے انہوں نے انہوں نے

جہاز کو پانی پر تیرنا کس نے سکھایا۔ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں، سب تو نہیں تیر سکتیں۔ پھر کسی کا تیسرنا اور کسی کا نہ تیرنا کیا بتاتا ہے کیا لکھری نے تیرنا تم سے سیکھ لے؟ اچھا دیکھو اس پانی میں (کچھ نظر آتا ہے) جو اللہ آسمان سے برساتا ہے (اور) پھر جس سے سوکھی ہوئی زمین کو نشاداب کر دیتا ہے اور اس پر ہر نوع کے جانوروں کو پھیلا دیتا ہے (شاید کچھ نظر آجائے اور شاید کچھ عقل کام دے جائے) اور (ہاں) ہواؤں کے (نش) بدلتے ہیں (اللہ کو تلاش کرنے) اور بادلوں میں (بھی) کوزمین و آسمان کے درمیان (کیسے پابند) مسخر ہیں۔ (یہ تمام چیزیں) اہل عقل (اور اہل بصیرت) کے واسطے (اللہ واحد کی قدرت کے) نشانات ہیں (بارش لانے والا۔ ہواؤں کو ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر پھرنے والا اور بادلوں کو معلق اور بادلوں کی پرواز کو قابو میں رکھنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے)۔

وَأَكْذَىٰ كُذِّبَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ يَنْزِلُ فَالْسُنْءُ نَاقِطٌ ۖ يَلْدُغُ مِمَّنَّاءٍ كَذَلِكَ نُفَجِّرُ الْحَيَّاتِ ۝ (اللہ ایسا (صالغ بے مثال) ہے کہ اس نے ایک انداز کے ساتھ (یعنی اندھا دھند نہیں، جتنی ضرورت تھی اتنا، آسمان سے پانی اُتارا (ہاں) ہم نے آسمان سے پانی اُتارا (اور) اُس سے مردہ بستی میں جان ڈالی (خشک زمینوں کو سیراب کر کے سبز اور کھیتیاں آگیاں)۔ زمین بھی مردہ سے زندہ ہوئی اور اس کے باشندے فاقوں سے مرجلتے، ان میں بھی زندگی پیدا ہوئی۔ جس طرح یہ مردہ زمین از سر نو زندہ کی گئی ہے، اسی طرح تم (قیامت کے دن) مردوں سے زندہ کر کے، نکالے جاؤ گے۔

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وہی مال کے بیٹوں میں جیسی چاہتا ہے تمہاری صورتیں

گھڑ دیتے (حتیٰ کسی کو نرا کسی کو مادہ بنا دیتا ہے۔ یا درکھی اس کے سوا کوئی معیہ نہیں۔ وہ (بڑا زبردست اور) دانا ہے۔

وَمِنْ لَّحْنٍ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَكَ لَمَّا تَذَكَّرُونَ ۚ وَ مِنْ هَرَجِيزٍ كَوْحَرٍ سَفَرٌ لَّكَ اَكْرَعُ، بنا ہے تاکہ تم سمجھو۔ (آسمان کے مقابل زمین، آفتاب کے مقابل ماہتاب، نر کے مقابل مادہ، کیا ہماری قدرت کا کرشمہ نہیں ہیں۔ ان جہڑوں ہی کے ذریعے دنیا آباد ہے)

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدًا ۚ اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری جنس سے تمہارے لئے بیویاں بنائیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے۔ (بیویاں نہ ہوتیں تو دنیا کیسے بستی)

بَلَلَّ مَلَكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَيِّبُ مَا يَشَاءُ طَيِّبٌ لِّنِّسَاءِ اِنَّا نَاثِرٌ نَّحْبُ لِمَنْ يَّشَاءُ الذُّكُوْرَ ۚ اَوْ يَزُوْجُهُمْ ذُكُوْرًا وَّاُنَاثًا وَ يُجَعِّلُ مَنْ يَّشَاءُ حَقِيْمًا اِنَّهٗ عَزِيْزٌ ۙ ۝۵ آسمان کی زمین کی بادشاہی اللہ کی ہے۔ وہ (قادر مطلق ہے) جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔

جسے چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے یا بیٹے اور بیٹیاں ملا کر (دونوں صنف کی اولاد) عطا کرتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے بالکل کر دیتا ہے (کہ اُس کے اولاد نہیں ہوتی) بلاشبہ اللہ دانائے کل اور قادر مطلق ہے۔

وَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۚ اَلَيْسَ اَنْتُمْ عَلٰى ظُهُوْرٍ ۙ ثُمَّ تَذْكُرُوْنَ اِعْمَةً رَّبِّكُمْ اِذَا اسْتَوْقِفْتُمْ عَلَيْهِ وَ لَقُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ

لَقَدْ هَدَاؤُ مَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ۝ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ۝

وہ (خالق یکتا) ایسا ہے کہ اس نے سب ہی طرح کی چیزیں پیدا کی ہیں
چنانچہ تمہارے واسطے کشتیاں اور چوپائے (مٹی) جیسا کہ ہے، جن پر
تم سوار ہوتے ہو (اور چوپایوں کو ایسا بنایا) کہ تم ان کی پیٹھ پر آرام اور
اطمینان سے بیٹھ سکو اور یہ تم سوار ہو تو اپنے پروردگار کے احسان
کرم کو یاد کرو اور بدلے ساختہ تمہاری زبان پر آجائے کہ سبحان اللہ کیا
پروردگار ہے! اس نے اس (سواری) کو ہمارا سفر کر دیا ورنہ ہم ایسے
طاقت در نہ تھے کہ اسے سفر کر لیتے اور (ان نعمتوں سے چند روز فائدہ
اٹھا کر بلاشبہ ہم اپنے پروردگار کے پاس واپس جاتے رہے ہیں۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۝ وَالْأَلْوَانُ
خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنْعٌ وَمِنْهَا بَاطِنٌ ۝ وَلَكُمْ فِيهَا مِمَّا
يَحْيُونَ وَيَمُوتُونَ وَخَبَرٌ لِّكُلِّ شَيْءٍ عَالِمٌ ۝ وَإِنَّا لَنَاقِلُكُمْ إِلَيْنَا كَيْفَ نَشَاءُ
فَلَوْ لَوَّا لَبَدَّلْنَا الْإِنشِقَاطَ الْإِنشِقَاطِ ۝ إِنَّا نَبِّئُكُمْ كَيْفَ مَوْلَاكُمْ يَحْيِيكُمْ
وَالْخَبِيلَ وَالْكَافِرَ ۝ وَلَقَدْ كُذِّبُوا فَاذْهَبُوا فِي تَبَعٍ ۝ وَخَبَرٌ لِّكُلِّ شَيْءٍ عَالِمٌ ۝

تخلیق ہوئے ۝ اللہ نے انسان کو ایک (گندہ) نطفہ سے پیدا کیا (اور پھر اسے
عقل و حکمت اور قوت و طاقت مرحمت فرمائی) مگر وہ بتائے کہ تمہارا مولا قدرت
کی باتوں میں چون و چرا کرتے لگا اور خالقِ رخص و مساوات کے پاس سے یہ جتنے
اور جیگر لے لگا دیا لہذا اس خالق کا احسان و کھیر کہ اس نے (اسے)
بجھ کر رکھنے والوں (تمہارے لئے چوپایوں کو پیدا کیا، جن کی کھانے اور ان
پر تم لوگوں کا جانے کا لباس ہے اور) بہت سے (منافع ہیں اور ان میں سے
بعض بعض چوپایوں کو تمہارے لئے حلال کر دیا انہیں تم کھاتے ہو، اور

PL

وَإِنْ كُنْتُمْ رَايَ حَمَلَةَ اللَّهِ لَا تَحْصَوْهَا ط إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ
 وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسْمُونِ وَمَا تُخْلِفُونَ ه وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ذْ أَمْوَاتٌ عَلَيْهِمْ
 أَحْيَاءٌ ط وَمَا يَشْعُرُونَ لَا آيَاتٍ يُبَيِّنُونَ د اللَّهُمَّ إِلَهُ وَصِيْرُج
 كَالْزَيْنِ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فُلُوكُ بِهِمْ مُكْرَمَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ
 د الغرض مندرجہ بالا اور مندرجہ ذیل مخلوقات الہیہ پر غور کرنے سے اللہ کی
 قدرت اور وحدانیت اور بے مثل اور شرک سے مبرا و منزہ ہونے کا پورا
 پورا پتہ چل جاتا ہے اور صاف معنی ہو جاتا ہے کہ سیدھا راستہ (دین اسلام
 سکا ہے، کیونکہ وہ توحید کی تعلیم دیتا ہے اور کفر و شرک کے نقائص بیان
 کرتا ہے، اس کا بیان کرنا اور اس کا سمجھنا، اللہ کے ذمے ہے۔ اور بعض
 رائے پڑھے (بڑے بگے اور منزل مقصود سے کو سول دور) ہیں۔ (ان کی کجی
 اور خرابی کا حال بیان کرنا بھی اللہ کے ذمے ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے پیغمبر
 محمدؐ اور اپنی کتاب قرآن کے ذریعے حق و باطل میں تمیز اور حق کی تعیین کر دی، اور
 اگر اللہ چاہتا (اور اس کی مرضی ہی یہ ہوتی کہ تم میں سے کوئی بھی گمراہ نہ رہے)
 تو اللہ تم سب کو سیدھے ہی راستے پر چلاتا۔ (مگر جسے سیدھا راستہ اختیار کرنا ہے
 وہ اللہ کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر اختیار کرے، نشانیوں کی کمی نہیں، وہی ہے کہ آسمان
 لے متھامے آسمان سے پانی آتا رہا جس میں سے چھ (تو متھامے) پینے کے
 کام آکا ہے اور (کچھ ایسا ہے کہ) اس سے (میدانوں اور باغوں میں گھاس اگتی اور
 درخت (پیدا ہوتے) ہیں جن میں تم (اپنے مویشیوں کو) چرتے ہو) نیز وہ اسی
 پانی سے متھامے لئے (ہرے بھرے) کھیت اور زیتون اور کھجور (کے درخت)
 اور انگور (کی بلیں) اور ہر قسم کے پھل (پھول) اگاتا ہے (بعض کو تم جانتے ہو

19

یہ کہہ سکتے (اللہ کے سوا کوئی مٹی کا قرعہ اور جسم کا بالی نہیں پیدا کئے ہیں) سکتا۔ نادانوں
 نے یہ کیا (جو کہ پہلے بے جراتنا سمجھانے پر بھی) تم نصیحت نہیں سننے لگو کیجئے! تمہاری
 سرکشی کو کہو یہ نصیحت ہے، اور (اللہ کی مہربانی کی یہ حالت ہے کہ اگر تم اللہ
 کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو (کبھی) ان کو پورا شمار میں نہ لا سکو گے، یہ شیعہ اللہ
 عزوجل پر وحیم ہے) جو سرکشی کے یا وحید تمہیں نعمتوں پر نعمتیں عنایت فرماتا ہے۔ خبر
 نہ ہو کہ جو سرکشیوں نے ملے جاتی ہیں۔ اس سے جو نہ سمجھنا کہ اللہ کو تمہاری سرکشی کی
 خبر نہیں ہے۔ اللہ تمہاری غفلت یا توں سے بھی واقف ہے۔ ظہر ہری باتوں سے بھی،
 اور نفع ہے۔ قیامت کے دن تمہیں سرکشی کی سزا ملے گی اور اللہ کے سوا جن
 کو یہ (نادان) پرستش کرتے ہیں وہ (ان چیزوں میں سے جنہیں ہم نے گنویا
 ہے، کوئی چیز (بھی) تمہیں پیدا کر سکتے۔ اور وہ (پیدا کیا کریں گے، خود پیدا
 کئے جاتے ہیں۔ اور تو یہ جان مردے ہیں اور (اتنا بھی) نہیں جانتے کہ قیامت
 کب آئے گی اور کب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ (اے جاہل مستقیم
 سے بچنے والو! سمجھو سے کام لو۔) تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے پس
 جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل (ایک واقع اور ہونے والی بات
 کا) انکار کرتے ہیں اور وہ لوگ (حق کی طرف سے روگردانی اور) سرکشی
 کرتے رہے ہیں۔

وَإِنْ كَلِمَةٌ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةٌ لِّكُلِّ فَسَّاقٍ مِّمَّا فِي بَطْنِهِ
 مِنْ مِّثْلِهِ قُرُونٌ وَوَدَّ لُبًّا خَالِصًا سَآئِعًا لِّلشَّيْطَانِ ۝ وَمَنْ تَمَرَّاتِ
 الْبَيْتِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا رِّزْقًا حَسَنًا ۝ إِنَّ
 فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ اور (تمہیں عبرت حاصل کرنی ہو تو
 کائنات کے ذرے ذرے میں عبرت کا سامان موجود ہے۔ چنانچہ

پتھر سے بے مشیروں میں عبرت (نیکل کرنے کی ایک خاص بات) ہے۔ (مکھنڈ)
 ان کے پیٹ میں جو گوگرد اور خون (بجھرا ہوا) ہے اس میں سے ہم ایسا چھوڑ دوں
 نکال کر تم کو بلاتے ہیں کہ پینے والوں کے حلق سے (نہایت) آسانی کے
 ساتھ تیرا تیرا ہے (اور مرنے میں بے حد خوش گوار ہوتا ہے) (اور علی ہذا)
 کھجور کے پھلوں اور انگوروں سے (بھی عدم عذر) کھانے پینے کی چیزیں ملتی ہیں
 تم ان (کے شیرے) سے شرب (بھی بناتے ہو) اور انھیں غذا (بھی) تیار
 کرتے ہو۔ لاریب سمجھو اور لوگوں کے واسطے اس میں بھی نشانِ عبرت ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ
 ثُمَّ يَبْعَثْكُمْ فِيهِ لِيُبْخِضَ أَجَلَ نَسَفَتِي ج شَدَّ ذِكْرُ مَرْيَمَ عَمَّا
 تَتَذَكَّرُ إِنَّكُمْ إِذَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ه وَهُوَ الَّذِي هُوَ عِندَ
 رَبِّهِمْ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِظٌ ۚ اِذَا جَاءَ أَحَدُكُم مِّنَ الْمَوْتِ تَوَفَّاكُم
 رُّسُلَنَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ اور وہی ہے جو رات کے وقت تمہیں (ملا کر)
 مرنے (کی) بات کر دیتا ہے اور دن میں (جو) کچھ تم کرتے ہو اس کی خبر
 رکھتا ہے۔ وہ (چاہے تو تمہیں دوبارہ جاگنا نصیب نہ ہو سکا) سوچ بھر
 اٹھا کر بھڑا کر دیتا ہے تاکہ (زندگی کی) معینہ میعاد پوری ہو جائے (زندگی
 کی میعاد پوری کر کے تم کو اس کے پاس واپس جانا ہے) (یہاں) وہ بتائے گا،

نہ نیند دن بھر کی زندگی کی موت ہے اور زندگی کی غرض اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔
 زندگی کو اپنی گود میں پرورش کرنے والی ماں، تھکے ہوؤں کے لئے راحت اور پریشانی
 کے لئے سکون کی کوشش ہوتی چاہے کہ پوری زندگی کی موت بھی مثل نیند کے راحت اور
 سکون کا موجب بن جائے بلکہ نیند سے زیادہ اور بے حد راحت و سکون کا موجب

(کہ دنیا میں) تم کیا کیا کرتے تھے (اور اس کا کیا بدلہ ہے) وہ اپنے بندوں پر
 (اس قدر غالب ہے کہ اس کے قبضہ و اختیار سے کوئی باہر نہیں ہے) وہ تم
 پر مگر ان فرشتے متعین کرتا ہے (جو تمہاری حفاظت رکھتے ہیں) یہاں تک کہ جب
 تم میں سے کسی کی میعادِ زندگی ختم ہوتی ہے (اور اس) کو موت آتی ہے تو یہاں
 فرشتے (ہمارے حکم کی تعمیل میں) پکارتا ہی نہیں کرتے ثُمَّ رُدُّوْا اِلٰی اللّٰهِ مَوْلٰہُمْ
 الْحَقُّ ط وَ هُوَ اَسْرَعُ الْحَاْسِبِیْنَ ۝ (مرنے کے بعد سب) اپنے
 حقیقی کارساز اللہ کے پاس واپس کر دئے جائیں گے (اور خوب سن لو
 اور مت بھولو کہ فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے) اور وہ حساب لینے میں
 بہت تیز ہے (دیہ نہیں لگاتا)

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْحَبَّ وَالنَّوْیَ ط یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ
 یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ط اذْکَلِمَ اللّٰهُ فَاٰی تَوَعَّلٰوْنَ ۝ فَاِیْ اَلْاَصْیَاحِ
 یُجْعَلُ الْبَقْلُ سَنًا وَا الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ حَسْبًا ط اذْکَلِمَ فَاٰی
 تَعَزَّیْزُ الْعِلْمِ ۝ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْجُومَ لِتَتَّخِذُوْا بِہَا
 فِی ظُلُمَاتِ الْبَیْرِ وَابْخَرُ ط قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝
 وَهُوَ الَّذِیْ اَنشَاَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ مُسْلُوْعٌ
 قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَفْقَهُوْنَ ۝ (لوگو! اللہ ہی) ہے جو (زمین
 کے اندر سے) دانے اور گٹھلی کو بھوڑ کر نکالتا ہے (اور ان حقیر سی چیزوں سے
 تناور درخت پیدا کرتا ہے۔ وہی) بے جان (اور مردہ) سے زندہ (اور جاندار چینی
 کو نکالتا ہے (اور وہی) زندہ سے مردے کا نکالنے والا ہے۔ (اور لوگوں
 وہی تو) تمہارا، اللہ ہے۔ پھر تم (اس معبودِ برحق کو چھوڑ کر ادھر ادھر
 کہاں بٹکے چلے جا رہے ہو (وہی) صبح کا نمودار کرنے والا ہے اور (آئی نے)

رات کو آرام کے لئے اور سورج اور چاند کو حساب کے لئے بنایا ہے۔ یہ
 رات اور دن اور ماہ و سال کے (اندازے) (اسی) زبردست (اور) دانا
 کے ہاتھ سے ہوئے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے (مہمات بہم پہنچانے کو)
 تمہارے واسطے ستارے (بست وئے) ہیں کہ تم خشکی اور تری کی تازگیوں
 میں ان کے ذریعے راستہ معلوم کر سکو۔ (ان دلائل سے) ہم نے ان لوگوں کے لئے
 جزا (راہی) عقل رکھتے ہیں (اپنی) نشانیوں کو خوب صاف کر دیا ہے اور سنو اللہ
 وہ ہے جس نے (صرف) ایک شخص (آدم) سے تم (سب کو پیدا کیا۔ پھر) پیدا
 ہونے کے بعد متاثرے دو ٹکڑے ہوئے ہیں، دنیا اور آخرت۔ سو آخرت
 مستقل رہنے کی جگہ ہے (ور) دنیا، تھوڑے عرصے رہنے کی جگہ۔ ہم نے (اپنی)
 نشانیوں کو ان دو گروں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے
 وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً حَرَجَ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ ثَبَاتًا لِكُلِّ شَيْءٍ
 فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُخْجًا مِنْهُ حَبًّا مُتَوَاكِسًا وَنَخْلًا مَعِينًا
 مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٌ مِنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرَّهْمَاتُ
 مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ طَ أَنْظُرُوا إِلَى كُنُوزِهِ إِذَا تَمَرَّتْ وَتَبَعِدُ
 رَيْنٌ فِيهَا أَلَمْ لَا يَتَذَكَّرْ لِيَوْمٍ يَوْمٍ مَنُونٍ ۝ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِبْنَ
 وَخَنَقَهُمْ وَخَرَقُوا آلَ بَنِيٍّ وَبَدَّلَ بُعَيْثٌ إِعْلَمَ ۝ وَسُبْحَنَ ذِكْرُكَ
 عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَ أَفَى يَبُودُونَ ۚ وَكَذَلِكَ
 لَمْ يَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ غَرَجٌ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝
 ذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۚ لَكُمْ فِي آيَاتِهِ خَيْرٌ لِكُلِّ شَيْءٍ غَرَجٌ فَاغْبِذُوا
 وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝ كَذَّبِكُمْ أَكْثَرُ مَكَارِهِمْ وَهُوَ يَرَى
 الْأَبْصَارَ وَهُوَ الْكَافِيُ الْخَبِيرُ ۝ اور وہی ہے جس نے آسمان سے

پانی بوسایا : دوسرے رنگ : پھر اسی (پانی) کے ذریعے ہم نے ہر قسم کی نباتات لگائی (اور)
 پھر ہم نے اس (نباتات) میں سے ہری ہری شاخیں نکالیں (اور) شاخوں
 میں سے ہم نے (اچھے خوشبو والے) نکالے ہیں (جن کے) دانے ایک دوسرے
 پر جڑتے ہوئے رہتے ہیں) اور کھجور کے کاجھے سے (ایسے) خوشبو (پیدا
 کرتے ہیں) جو پھلوانی گندے جو جھکے زمین پر (جھکے پڑتے ہیں اور) اسی برسکے ہوئے
 باقی رہے) ہم نے ان (اور) زیتون اور انار (وغیرہ) کے پاشے (کھڑے کر دیے
 تانے کے پھل) ایک دوسرے سے مشابہ بھی ہیں اور انہیں بھی مشابہ پھل ہونے
 کے اعتبار سے سب میں ہیں لیکن فرقہ ایک ایک کا جھڑا ہے۔ لوگ (درا) ہر
 زلفت کے پھل کو دیکھ کر تعجب ہی کہ: جب وہ (درخت) پھل لاتا ہے (لوگ)
 طرح لاتا ہے اور (پھر) اسی (پھل) کے پختہ ہو کر دیکھو کہ وہ کس طرح پختہ ہے۔
 اگر غور و فکر کی عادت ہو اور عقل و دانش سے کام لیا جائے تو ان چیزوں میں
 اہل ایمان کے لئے (اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہی) نشانیاں ہیں۔ اور لوگوں
 نے اس کے بر خلاف (اللہ کے ساتھ جنوں کو شریک ٹھہرا لیا ہے۔ حالانکہ جنوں کو
 (بھی) اللہ نے پیدا کیا ہے (وہ اللہ کے شریک کیا ہو سکتے ہیں) اور (یہی نہیں)
 ان مخلوقوں نے بغیر کسی معلومات کے اللہ کے بیٹے اور بیٹیوں فرض کر رکھی
 ہیں۔ اللہ ان باتوں سے جن کی یہ لوگ اس کی طرف نسبت کرتے ہیں) پاک اور
 برتر ہے۔ وہ آسمان و زمین کا خالق ہے۔ (اور) اس کی اولاد ممکن کیوں کر
 ہے جب کہ اس کی کوئی بیوی (ہی) نہیں ہے۔ (وہ تو خالق ہے) اور ہر چیز کو
 اسی نے پیدا کیا ہے (اللہ ہی) اپنی مخلوقات میں سے ہر شے کے متعلق (ہر قسم کا)
 علم رکھتا ہے۔ یہی اللہ (جس کی اتنی صفتیں بیان کی گئی ہیں) تمہارا پروردگار
 ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے توہین نہیں ہے (وہی) ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے

(مقرر کی) ہیں تاکہ جو لوگ قرآن کے مضامین میں غور و خوض نہیں کر سکتے وہ آسمان کے حالات دیکھ کر ہی نتیجے تک پہنچ جائیں) اور (باطل پرستی چھوڑ کر خلاق عالم کی پرستش کرنے لگیں، بے شک و شبہ وہ کائنات کے ذرے ذرے کا معبود ہے یہ سوکھے جھاڑ جھنکارا اور (ہرے بھرے) درخت (اسی کو) سجدہ کرتے ہیں۔

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۚ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝ اور انسان کے حال پر جو اس کی ہر بانی ہے وہ بے انتہا ہے) اس نے (سائبان کی طرح) آسمان کو بلند کیا۔ اور (خرید و فروخت میں) آسانی کی خاطر) ترازو کو وضع کیا تاکہ تم تولیے میں حد سے نہ گزر جاؤ۔ وَاقْبِضُوا لِكُوزِنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝ اور (ٹھیک ٹھیک انصاف) (اور ایمان داری) کے ساتھ تولو۔ اور تولی میں (کبھی) کمی نہ کرو۔ وَالرَّحْمٰنُ الَّذِي خَلَقَ ذَاتَ الْاَلْكَامِ ۝ اور اس نے (اپنی) مخلوقات (کے) آرام کے لئے، زمین کو (فرش کی طرح) بچھایا۔ اس میں (انواع و اقسام کے) میوے اور (متنہاری مرغوب) کھجوریں (پیدا ہوتی) ہیں جن پر غلاف کی طرح چھلکے ہوتے ہیں۔ وَلَحْيَٰ ذَوَالْعُصْفِ وَالرَّجَاجِ ۝ اور (اُس زمین میں) دانہ (اناج پیدا ہوتا) ہے، جس کے ساتھ بھس اور خوشبو دار پھول (بھی ہوتے) ہیں۔ فَيَاۤ اَيُّ الْاَعۡرَٰفِ كَيْفَ تَكْذِبُنَ ۝ تو (اے جن وانس) تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے تَخْلُقُ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ نَّارٍ ۝ فَيَاۤ اَيُّ الْاَعۡرَٰفِ كَيْفَ تَكْذِبُنَ ۝ اس نے انسان کو ٹھیکری جیسی لٹکھنڈی مٹی سے پیدا کیا اور جن کو شعلہ زدہ آگ سے پیدا کیا۔ تو (اے جن وانس!) تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے رَبِّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبِّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝ فَيَاۤ اَيُّ الْاَعۡرَٰفِ كَيْفَ تَكْذِبُنَ ۝

وہ مالک ہے مشرقوں کا اور وہ مالک ہے مغربوں کا۔ پس تم اپنے پروردگار کی
کن کن نعمتوں (اور کس کس قدرت کا) انکار کرو گے۔ مَوْجِ الْبَحْرِ مِّنْ يَّمِينِ
يَكْبَهُمَا بَرْزَخٌ ۖ لَا يَبْغِيهِ ۚ فَيَأْتِي الْأَعْدَىٰ لَكُمْ تَكَذُّبٌ ۚ اِس نے دو
(مختلف الصفات) سمندروں کو (اس طرح) ملا دیا ہے (کہ دیکھنے میں وہ ایک
اور ملے ہوئے ہیں) لیکن حقیقتاً بالکل الگ ہیں، ان دونوں کے درمیان اُڑے
(جس کی وجہ سے) دونوں (باہم) گڈھ نہیں ہوتے پس تم اپنے پروردگار کی کن
کن نعمتوں کا (اور کس کس قدرت کا) انکار کرو گے مَخْرُجٌ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ
وَالْمَرْجَانُ ۚ فَيَأْتِي الْأَعْدَىٰ لَكُمْ تَكَذُّبٌ ۚ اِس دونوں (سمندروں میں
سے مرقی اور مونجے (وغیرہ) نکلتے ہیں (جن سے تم جڑاؤ زریور اور دوسرے
زیب و زینت کے سامان تیار کرتے ہو) پس تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں (اور کس
کس قدرت کا) انکار کرو گے۔ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۚ فَيَأْتِي الْأَعْدَىٰ
تَكَذُّبٌ ۚ اِس اور سمندر میں پہاڑوں جیسے (یہ) چلنے والے جہاز جو (قائم رہتے) ہیں اور
ٹوٹتے نہیں (یہ بھی) اسی (بزرگ میرٹر) کے (حکم سے قائم رہتے) ہیں پس اپنے پروردگار
کی کن کن نعمتوں (اور کس کس قدرت کا) انکار کرو گے۔ كُلُّ مِمَّنْ عَلَيْهَا تَابٍ ۚ لَّا يَنْفِقُ
رَحْمَةً ذِي الْبَلَدِ وَالْجَلِيلِ ۚ وَالْأَكْرَامِ ۚ فَيَأْتِي الْأَعْدَىٰ لَكُمْ تَكَذُّبٌ ۚ (مگر یاد رکھو)
زمین پر جو نعمت بھی ہے اور جو شے بھی ہے (ایک نہ ایک دن) وہ فنا ہو نیوالی
ہے اور تمہارے پروردگار کی ذات جو بزرگی اور عظمت والی ہے (صرف وہی) باقی
رہے گی۔ پس اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں (اور کس کس قدرت کا) انکار کرو گے اور
اِس کی مہربانیوں کی کہاں تک ناشکری کرتے رہو گے کَيْسَلٌ مِّنْ فِي السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ عَنِ طَوْلٍ ۚ هُوَ فِي شَانِ ۚ فَيَأْتِي الْأَعْدَىٰ لَكُمْ تَكَذُّبٌ ۚ اِس مسموات
میں جو ہے (اگرچہ نظر ابھری کے، مانتے بھی دست سوال دلا کرے، درحقیقت وہ

اسی سے سوال کرتا ہے (اور اسی سے مدد و نصرت حاصل کرتا ہے۔ کیونکہ جہن کے
سننے دست سوال دراز کیا جاتا ہے وہ خود اس کے محتاج ہیں۔ سائل، مسئلہ
دونوں کا خالق و مالک وہی ہے) وہ ہر روز (اور ہر آن ایک نئی) شان میں
(جلو گر ہوتا ہے)۔ (کسی کو سائل بنا دیتا ہے کسی کو مسئول) پس تم اپنے
بہنوہ و گار کی کن کن نعمتوں (اور کس کس قدرت) کا انکار کرو گے سنو
لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ ﴿١﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ﴿٢﴾ عنقریب ہم
(دونوں کے) گناہوں کو ختم کر کے (نہتا رہے) (حساب کتاب کے) لئے بلاغ ہوئے
جاتے ہیں۔ پھر (اس وقت دیکھیں گے کہ) تم اپنے بہنوہ و گار کی کن کن نعمتوں
(اور کس کس قدرت) کا انکار کرو گے۔

اس قسم کی آیات سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے، لیکن حاسہ دینی اگر مر
نہیں گیا ہے تو انہی ایتھیا بھی اللہ کو سمجھنے اور ماننے کے لئے کافی ہیں۔ پہلی
بات یہ کہ جیسے ہم میں نے ابتداء کہی تھی کہ اللہ کو سمجھنا اور ماننا اس وقت
ممکن ہے کہ انسان (اپنی بابت غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے) اللہ کا صحیح تصور
کیا کہیے گا جو پانڈی سمونے کے چند طحڑے، خدا سا اقتدار اور بڑی ساسا
عز و جلال ہوتے ہی اپنی حقیقت بھول جاتا ہے اور یہ آپسے پہچانتا ہے ہل
أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّ الْمَاءَ يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ فَيَكُونُ لَهُمْ شُرْبًا وَ لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ ﴿١﴾
حقیقت یہ ہے کہ (ہر) انسان پر دہریہ ایک وقت ایسا آئے گا جیسے کہ یہ
قابل ذکر تھے نہیں تھا۔

ایمان و عمل

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مذاق اور چھیڑ کے طور پر کہا ”تمہارے پیغمبر صاحب تمہیں ہدایت کی تعلیم دیتے ہیں حتیٰ کہ رفع حاجت کا طریقہ بھی بتاتے ہیں“ حضرت سلمان فارسی نے فرمایا ”ٹھیک ہے۔ حضور نے ہمیں ہدایت کی ہے کہ رفع حاجت کے لئے بیٹھو تو قبلہ رخ مت بیٹھو، دائیں ہاتھ سے چہارت نہ کرو۔ کم از کم تین ڈھیلے نو۔ اور فرمایا ہے کہ بڑی اور گوبر سے چہارت نہیں ہوتی“

کچھ خیال ہے، انسان کتنی عمر میں پاکی اور ناپاکی کا فرق سمجھتا ہے اور ماں کے کتنے سمجھانے سے سمجھتا ہے۔ ماں کو اس کی ماں نے سمجھایا تھا اور اس ماں کو اس کی ماں نے۔

سمجھانے کو یہ سلسلہ کہیں نہ کر ٹھہرنا چاہئے، آخر کوئی تو تھا جس نے پاکی اور ناپاکی کا فرق سب سے پہلے محسوس کیا، یا جسے اللہ نے ہر اوقات محسوس کرایا۔ نبی ہی ہے پہلا وہ شخص جس نے صرف پاکی اور ناپاکی کو، انسان

کہ پوری انسانیت کے سبق ایک ایک کر کے پڑھانے شروع کیے ، انبیاء
بتدریج یہ سبق نہ پڑھاتے رہتے تو انسان رفع حاجت کے بعد جانوروں
کی طرح اٹھ کھڑے ہوا کرتے ۔

پھولوں اور پھلوں اور جانوروں کی نسل میں خوبیاں بڑھانے کی
تدریس و تعلیم آپ بھی سوچتے ہیں لیکن انسانوں کو انسان بنانے کا کام انبیاء
اور ان کے حقیقی متبعین کے سوا کسی نے نہیں کیا ۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معلم آخر اور خاتم نبوت
ہیں حضور کے ہاتھوں سے دین کی تکمیل کی گئی ہے ، لہذا انسانی زندگی کا
کئی شعبہ ادراک و عمل کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو حضور سے چھٹ گیا
ہو۔ جنہ نے وفات سے چند دن قبل اپنی دروغی تقریر میں ارشاد فرمایا
نخاکہ وہ میں تمہیں اتنے روشن راستے پر چھوڑے جاتا ہوں جس کی رات
بھی بن جیسی ہے قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيضاءَ نِيَاهَا تَنْهَادُهَا
قرآن اور حدیث میں بلند اور متمدن اقوام ہی کے لئے نہیں لیست اور غیر متمدن
اقوام کے لئے بھی تعلیمات و ہدایات ہیں ۔ اللہ کے ساتھ تعلق ہوا اللہ کے بندوں کے
ساتھ عقائد ہوں یا عبادات ، آداب و عریض ہوں یا غامض قصے و حنا کی تمہ گیر
تعلیم سب پر ہادی ہے ۔

حضور کی تعلیم کے دو حصے ہیں ، ایک کا تعلق خالق سے ہے دوسرے
کا مخلوق سے ۔ پھر خالق سے تعلق دو شعبوں میں منقسم ہے ، عقیدہ اور عبادت
اور مخلوق سے تعلق بھی دو شعبوں میں منقسم ہے ۔ معاملہ اور اخلاق ۔
عقیدے کی پختگی کا نام ایمان ہے ۔ اور عبادت ، معاملہ ، اور
اخلاق تینوں کی بجا آوری کا نام عمل یا عمل صالح ہے ۔

عقیدے کا شرعاً ہی پر نہیں چہرے تک پر پڑتا ہے، انسان کا
چہرہ خابر کر دیتا ہے کہ داغ میں کیا سما یا ہو رہا ہے اور عین لوقطع عقیدے
کے مطابق رہتا ہے، جادوگر جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے
آئے تھے۔ جب جان گئے کہ حضرت موسیٰ نبی ہیں تو فرعون کا خوف انہیں
حضرت موسیٰ کی پیروی سے نہ روک سکا اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ
ہیں چاہے کھاٹ ڈالو، ہم تو اب اللہ کے ہونچکے۔

قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ كُنْتَ كَاذِبًا
لَقَدْ كُنَّا أَكْثَرَ النَّاسِ نَافِرًا فَفَضَّلَ اللَّهُ
مُوسَىٰ عَلَىٰ الْكَافِرِينَ فَأَخْرَجَهُ اللَّهُ
بِأَمْرِهِ إِذْ يَخْرُجُ وَمَا أَكْفَرُنَا
عَنْ قَوْلِ اللَّهِ حُرْطُومًا وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو
الْقُدْرَةِ الْعَظِيمَةِ

انہوں نے (فرعون سے) کہا: ہم (تیری قدرت کے واضح) دلائل کے بعد
جوہر سے سامنے آئے ہیں ہم (تیری کوری باتوں کو) اور اس خالق
والہ۔ پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، تجھ کو ہرگز (ہرگز) ترجیح نہیں
دیں گے۔ پس جو (بدسلوک) تھا (ہمارے ساتھ) کرنے والا ہے کڑواں،
دہیں پروا نہیں) تو (جو کچھ کہہ سکتا ہے) اس دنیا کی (حیث روزہ)
زندگی میں کر سکتا ہے (اور) ہم اپنے (دو ٹولوں) جہان کے (مادہ پر
یون لکے ہیں تاکہ وہ ہماری) اگلی چھٹی (عام) (لذت) (لذتوں) کی اور (لذت) (لذت)
من سماعت، جادوگری کو جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا، معاف فرما سکتا
(اور میری) ابری راحت دے۔ نیز انعام بھی غامی ہے اور (بیکار) (ایذا)
بھی غامی ہے، اور اللہ (کی) داد و دہش (تجھ سے) بہتر ہے۔ (انوار)

کا عذاب و عتاب تیری ایذا دہی سے، بہت زیادہ (دریہ) باقی رہنے والا ہے۔

خیر میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ انسان کا عمل عقیدے کے تابع ہوا کرتا ہے۔ عقیدہ بنیاد ہے۔ عمل عمارت۔ قرآن مجید نے جہاں جہاں عمل صالح کا نام لیا ہے وہاں ایمان کا پہلے ذکر کیا ہے۔ عمل ناقابل قبول ہے۔ اگر اس کے ساتھ ایمان شامل نہیں ہے۔ ایمان کے بغیر عمل حسن خلوص سے محروم رہتا ہے۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کل تین سو تیرہ تھی۔ ایک بڑے بہادر شخص نے اگر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے اپنی طرف سے لڑنے کی اجازت دے دیجئے۔ حضورؐ نے پوچھا تم مسلمان ہو، اس نے جواب دیا۔ نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، مجھے تمہاری مدد نہیں درکار۔ مسلمان اس کی بہادری کے خیال سے اسے شریک کرنے کے متمنی تھے۔ مگر حضورؐ نے دو دفعہ اس کی درخواست نامنظور فرمائی، حضورؐ کی بے نیازی سے وہ حضورؐ کا گردیدہ ہو گیا اور ایمان لے آیا غرض کہ اللہ اور رسول حسن خلوص کے بغیر معمولی عمل کیا، جہاں جیسے عمل کو بھی قبول نہیں کرتے اَلَا عَمَلٌ بِالْأَنْبِيَاءِ عمل کی کسوٹی طہیت ہے دوا آدمی کسی اچھے کام میں چنہ دیں۔ ایک اللہ کی خوشنودی کے واسطے اور دوسرا ناکش اور ناموری کے واسطے، آپ اللہ کی خوشنودی کے خواہش مند کو ناکش و ناموری کے خواہش مند سے زیادہ خوش اور لبشاش پائیے گا۔ اس کے پاس اللہ کے ہاں سے رسیدی آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَتَكُمْ
بِالْمَنِيِّ وَالَّذِي كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ
رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْتِيهِ مِنَ اللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ
فَتَرَكَهُ صُدًى لَا يُقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِمَّا
كَسَبُوا ط

اے مسلمانو! اپنی خیراتوں کو احسان جتنا جتا کر اور اُلاہنے دے دے کر
اس طرح رائگاں نہ کرو۔ جس طرح وہ رائگاں کرتا ہے جو لوگوں کو
دکھانے کی غرض سے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور اللہ پر اور روزِ قیامت
پر یقین نہیں رکھتا۔ (کہ نیکیوں کی جزا دیے والا ابھی کوئی ہے
اور نیکیوں کی جزا ملنے کا بھی کوئی دن مقرر ہے) اُس کی خیرات مثلاً
اس چٹان کے ہے جس اتنی مٹی سے ڈھکی ہوئی ہو کہ ذرا سا پانی اُس
پر برسا اور مٹی مٹھل کر پتھر رہ گیا۔ جس پر اگر کچھ بویا جائے مچھا، تو وہ
اُگے گا نہیں۔

أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لَبِىٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِنْ
فَوْقِهِ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ سَعَابٌ ظُلُمَاتٌ
بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ
يَكَدْ يَرِىٰهَا ط وَمَنْ كَفَرَ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ
قَمَالاً ط

یا ان کے کاموں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گہرے سمندر میں اندھیرا
چھایا ہوا ہو۔ اور موج پر موج اُٹھ رہی ہو، اور اوپر بادل چھایا ہو۔

یعنی معمولی اندھیرا نہیں، اندھیروں پر اندھیرے بول کہ اس میں (انسان) ہاتھ نکالے تو ہاتھ نہ سمجھائی دے (یاد رکھو) جسے اللہ نے نور نہیں دیا، اس کے لئے نور ہے ہی نہیں۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ
يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً طَعْنَى إِذَا جَاءَهُ
لَمْ يَجِدْهَا شَيْئًا

جنہوں نے اللہ کا انکار کیا ان کے کام اس سراب کے مانند ہیں، جو میدان میں (دور سے نظر آتا ہے اور جس کو پیاسا سمجھتا ہے کہ پانی ہے) مگر جب اس کے قریب پہنچتا ہے تو وہاں پانی نہیں ہوتا۔

قرآن، حاشیہ نے علم و عمل کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمیں کسی جگہ سائب کے پھرنے کا علم ہو اور ہم وہاں بے دھڑک گھسے چلے جائیں، علیٰ غرہا ہمیں علم ہو کہ فلاں کام کی جزا جنت ہے، اور فلاں کام کی سزا جہنم، تو ہم جنت ہی میں جانے کا کام کریں گے جہنم میں جانے کے کام نہیں کریں گے، اور اگر ایسا نہیں کرتے تو یہ ہمارے علم کا جھوٹا رپاں اور قصور ہے، علم یقین کے مرتبے تک نہیں پہنچا ہے۔

لہٰذا یہ بات ہے کہ یقین کے مرتبے پہنچ کر بھی انسان پورا حق عبودیت ادا نہیں کر سکتا۔ یقین کے بھی مراتب ہیں۔ انبیاء کا یقین، عدلیہ کا یقین، ادلیہ کا یقین اور عوام کا یقین۔ حق عبودیت درجہ بدرجہ ادا ہوتا ہے۔ انبیاء بھی دعویٰ نہیں کرتے کہ ہم نے حق عبودیت ادا کر دیا۔ اور ہم عوام تو یہ حال عوام ہیں۔ گناہ سے ہم نہیں بچ سکتے مگر میں ہوں کچھ اور بات کہہ رہا ہوں۔

علم کی بجائے سرابِ نعم حاصل ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نعم جب آتا ہے تو عمل کو ضرور پکارتا ہے۔ عمل اگر آتا ہے، تو علم ٹھیرتا ہے ورنہ خود بھی چلا جاتا ہے۔
اسلام میں عمل کی بڑی اہمیت ہے، جس طرح عمل بغیر ایمان کے راکھ کو ڈھیر ہے جسے ہوا اڑا کر لے جاتی ہے۔

أَعْمَا كَهَمُّ كَرَمَاتٍ شَتَدَتْ بِهِ الرِّيحُ رَفِي
يُؤْمِرُ نَاعِمًا

اسی طرح ایمان بغیر عمل کے متعلق، رشاد ہے: وَمَا يَأْتِيكُمْ
أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ
مَثَلُ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِكُمْ
(اے مسلمانو! کیا تمہیں گمان ہے کہ تم جنت میں (دیں ہو) دراصل
ہو جاؤ گے، حالانکہ تم کو ابھی ان لوگوں کے سے حالات پیش نہیں آئے،
جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ
الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِكُمْ
مسلمانو! کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم (دیں ہو) چھوڑ دئے جاؤ گے
حالانکہ اللہ تعالیٰ نے (ابھی) انہیں نہیں پرکھا ہے جنہوں نے تم
یہ سے جہاد کیا ہو۔

ایمان کے پانچ اصول سکھائے گئے ہیں؛
۱. اللہ پر ایمان ۲. رسول اللہ پر ایمان ۳. قیامت پر ایمان
۴. اللہ کے رسول پر ایمان ۵. آخرت اور عبادتِ خدا پر ایمان۔

اللہ پر ایمان

اللہ پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں کسی نے بنایا ہے ، ہم خود بخود نہیں بن گئے ہیں۔ ہر شے کسی نہ کسی کے بنانے سے بنتی ہے۔ وہ ہمارا خالق ہی ہمارا اہل ہے۔ اس کے سوا کوئی اور عبادت اور اطاعت کا مستحق نہیں ہے۔ ساری دنیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے پیدا کی ہے اور ہم کو اپنے لئے پیدا کیا ہے ، جمادات ، نباتات ، اور حیوانات کا مقصد تخلیق انسان کے کام آنا ہے ، لکڑی چولہے میں جلتی ہے یا لکڑی کا صندیقہ تیار کر لیا ، لکڑی کا مقصد تخلیق پورا ہو گیا۔ انسان کا مقصد تخلیق جمادات ، نباتات اور حیوانات کے کام آنا نہیں ہے بلکہ اللہ کی عبادت و اطاعت کرنا ہے۔

إِنَّ الدُّنْيَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا حَيَاةٌ

اگر انسان کا مقصد تخلیق، اللہ کی عبادت و اطاعت نہیں ہے ، تو انسان بے مقصد اور عبث مخلوق ہے ، اشرار المخلوقات کا بے مقصد اور عبث ہونا عقل میں نہیں آتا۔

أَفَمَسِيئَتُكُمْ أَكْبَرُ أَنْ خَلَقْتُمْهُمْ خَلْقًا وَاعْبُدُوا إِلَهُكُمْ

کیا تم خیال کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے مقصد اور عبث پیدا کیا ہے ، اور تم کو (مکرر) ہمارے پاس نہیں آتا۔ (تمہارا مقصد پیدائش ہمسایہ عبادت و اطاعت ہے۔)

مَا خَلَقْتُ الْإِنْسَانَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ
 جن وائس نور عبادت و اطاعت کے سوا کسی مقصد سے پیدا نہیں کیا گیا۔

(۲) اللہ ایسا خالق ہے کہ اپنی ہر عبتانی میں ہم تو اس کی پٹائی ہوتی چیزوں کے محتاج ہیں مگر اُسے اپنی صناعی میں کسی چیز کی احتیاج نہیں ہے، مگر ہی کو جال بننا، اور شہر کی مکھی کو محال لگانا بھی اللہ نے سکھایا ہے، اور انسان کو بھی صناعی کی قابلیت و قدرت اللہ نے عطا فرمائی ہے۔ مگر جن مصنوعات پروردگار سے انسان صناعی کا کمال دکھاتا ہے، اُن پر اللہ کا قبضہ ہے۔ انسان ریت کے ذرے سے بمب بنا سکتا ہے، لیکن ریت کا ذرہ نہیں بنا سکتا، مادہ تولید کو پکچاری کے ذریعے رحم میں پہنچا سکتا ہے، مگر مادہ تولید تیار نہیں کر سکتا۔

(۳) اللہ ایک ہے۔ اللہ کو شریک و مددگار کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تنہا کل کائنات کا خالق اور مالک ہے۔ اس کی ملکیت حقیقی اور پکٹی ہے، ڈانوا ڈول اور چھین جانے والی نہیں ہے۔ بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عزت، دولت اور حکومت بخش دیتا ہے، اور جس کو نااہل دیکھتا ہے اسے ان نعمتوں سے محروم کر دیتا ہے۔

شرعیت کی تائیس، حلال و حرام کی تعیین، جائز و ناجائز کی تفریق، اردو نبی کے احکام، یہ سب اللہ کے کام ہیں اور رسول اُن کے

۵۔ خدا کے باب میں کیا آپ مجھ سے بحث کرتے ہیں
 خدا وہ ہے کہ جس کے حکم سے "صاحب" بھی مرتے ہیں (اکبر)

مبلغ اور شاسح ہوتے ہیں ۔

عالم الغیب صرف اللہ ہے ۔ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب

نہیں ہے ۔ قرآن مجید میں ہے :

قُلْ لَا يَكْفِكُمْ مِّنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَٱلْاَرْضِ
الْغَيْبِ اِلَّا اللّٰهُ

(اے پیغمبر! کہہ دو کہ اللہ کے سوا آسمان اور زمین میں کوئی غیب ظاں
نہیں ہے ۔

(۴) اللہ ہماری ظاہر و پوشیدہ اور خلوت و جلوت کی تمام حرکت
سے باخبر ہے ۔ ہمارے عام اعضا (ہاتھ پاؤں وغیرہ) کو بھی گناہوں
سے پاک رہنا چاہئے اور خاص اعضاء (دل و دماغ) کو بھی نامناسب
خواہشوں سے بچنا چاہئے ۔

(۵) جسے اللہ نے اچھائی کہا ہے ، وہ اچھائی ہے اور جسے اللہ نے
برائی کہا ہے وہ برائی ہے ، ہمیں اچھائی کی طرف دوڑنا چاہئے اور
برائی سے بھاگنا چاہئے ، اس واسطے کہ یہ اللہ کا حکم ہے ۔

اللہ پر اور اللہ کی وحدانیت پر ایمان اسلام کا اصل الاصول
ہے ۔ تیرہ برس تک روزہ ، زکوٰۃ اور حج فرض نہیں ہوئے لیکن نماز
شروع ہی میں فرض کر دی گئی تھی ۔ اللہ کے آگے سر نوراً ہی جھکا دیا
گیا تھا ۔ اور پھر تیرہ برس مسلسل صرف اللہ کے آگے سروں کو جھکانے
اور شرک ، شایات شرک اور توہمات شرکیہ کے استیصال میں صرف

لہ عمل کیا تو جلئے اللہ کے لئے ۔ مگر اس میں منہ و نمائش اور ریا کا شائبہ
(باقی صفحہ ۵۹ پر)

کرتے تھے۔ حتیٰ کہ نمازیں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا کے ساتھ حبیب اللہ نہیں کہو یا، عَبْدُکَ وَرَسُولُکَ کہو یا۔ حالانکہ حضور حبیب اللہ ہیں۔ اور نمازیں سورہ فاتحہ پڑھنی لازمی کر دی جس کی ایک آیت ہے اِيَّاكَ كَعْبَدُ وَاِيَّاكَ كَسْتَعِيْنُ۔ یعنی (اے پروردگار) ہم فقط تیرے ہی آگے سحر جھکاتے ہیں اور فقط تجھ ہی سے مدد ملکتے ہیں۔

اللہ اور اللہ کی وحدانیت کا اقرار اتنا اہم معاملہ ہے کہ اللہ اور گناہوں کو تو اگر چاہے کچھ معاف کر دے گا لیکن اپنے انکار اور اپنی وحدانیت کے انکار کو معاف نہیں کرے گا، ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ لَكُمْ بِمَا وَرَ
يَغْفِرُ مَا دُوْنَ كَذٰلِكَ لِمَنْ يَشَآءُ

اللہ شرک کو یقیناً معاف نہیں کرے گا، اور شرک کے علاوہ جس کا جو گناہ چاہے کچھ معاف کر دے گا۔

سجدہ تعظیمی اور سجدہ محبت جائز رہ چکا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے والدین نے سجدہ محبت کیا تھا مگر شریعت محمدیہ

(بقیہ نمبر ۱۰) آجئے، یہی ایک طرح کا شرک ہے ہمسماں کا ہر کام اللہ کی عزت و کبر کے لئے بدنامی چاہئے کسی اور کی خوشنودی چاہی بھی جائے تو وہ اللہ کے لئے ہی چاہی جائے۔ جنی اللہ کے حکم کے مطابق چاہی جائے۔

لہٰذا پرندوں کی بولی۔ سے فوٹ لینا پرندوں کے اُڑنے سے فوٹ لینا، ایسے تو بہت کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شیطانِ بائیں فرمایا ہے۔

نے ان سجدوں سے منع فرمادیا تاکہ توحید خالص کی تکمیل ہو جائے۔
 بخاری میں ایک روایت ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ
 وآلہ وسلم کی خدمت میں کسی نے عرض کیا ”جو اللہ چاہے اور آپ
 چاہیں“ حضورؐ نے کہا: تم مجھے مشیت میں اللہ کا ہم سر اور مقابل
 بناتے ہو۔ کہو ”جو اللہ تنہا چاہے“ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ
 اللہ چاہے اور محمد چاہیں کے درمیان اور کا لفظ استعمال کرنے سے
 حضورؐ ہمیشہ روکا کرتے تھے، اور کی بجائے پھر کا لفظ کہنے کی ہر بات
 فرماتے تھے۔ اللہ چاہے۔ پھر محمد چاہیں۔

ایک دفعہ حضورؐ کی موجودگی میں کوئی صحابی تقریر کر رہے تھے
 اُن کی زبان سے نکلا ”جس نے اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کی
 اس نے ہر اہیت پائی، اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی“ ان
 دونوں کا لفظ سننا تھا کہ حضورؐ نے فرمایا۔ تقریر بند کرو۔ تم
 بڑے خطیب ہو۔

”ان دونوں کے لفظ سے سامعین پر یہ اثر پڑ سکتا تھا، کہ
 اللہ اور رسولؐ کی نافرمانی کا حکم یکساں ہے، صحابی نے جس طرح
 ”اللہ اور رسولؐ کی اطاعت“ کہا تھا، اسی طرح ”اللہ اور رسولؐ
 کی نافرمانی“ کہنا چاہیے تھا، حضورؐ نے اللہ سے برابری کے اس نازک
 فرق کا احساس کیا، اور اسے گوارا نہیں فرمایا۔

رسولوں پر ایمان

رسولوں پر ایمان یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے مامور تھے۔

اللہ نے انہیں ہماری ہدایت و رہنمائی کے لئے مقرر کیا تھا، رسول اللہ ﷺ کی نشان دہی کرتے تھے، اور ہمیں اللہ کے پیغام پہنچاتے تھے، نیز ہمارے سامنے اپنا نمونہ پیش فرماتے تھے کہ اس طرح کی زندگی گزارو۔ انسانوں کو جو کچھ آتا ہے، اس کی بنیاد رسولوں نے ڈالی ہے رسول نہ ہوتے تو ہم ایک بات بھی نہ جانتے اور جانوروں سے بدتر قسم کی زندگی بسر کرتے۔ انسانوں کو انسان رسولوں کے ذریعے بنایا گیا ہے اور انسانی عقل کو نشوونما رسولوں کے ذریعے دی گئی ہے۔

ہر قوم کو دعوت ہے کہ اللہ کے محبوب ہیں تو ہم ہیں، ہدایت کی گئی تو ہمیں کی گئی۔ نبی اور پیغمبر آئے تو ہمارے ہاں آئے، باقی دنیاں سعادت سے محروم ہے۔ ہم تنہا وہ برگزیدہ اور منتخب لوگ ہیں جنہیں اللہ نے مخاطبت کا شرف بخشا اور مخاطب بنایا

بنی اسرائیل نبوت و پیغمبری اپنا ورثہ سمجھتے ہیں، بندوں کے نزدیک پریشور کی کسی رہنمائی کرنا چاہتا ہے تو فقط ان کی، اور کے کان میں پریشور کے الفاظ پہنچ جائیں تو اس کے کان بہرے کر مینے چاہئیں زردشتیوں نے جلوہ نورانی کا صرف اپنے تئیں مستحق قرار دے لیا۔ اور عیسائی تو خداوند کے فرزند ہیں، لیکن قرآن کہتا ہے: وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ہر قوم کے لئے ہادی بھیجے گئے وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں (بیدار اور) ہوشیار کرنے والا نہ بھیجا گیا ہو۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ (اے محمد!) ہم نے تم سے قبل کتنے ہی رسول اُن کی اپنی اپنی قوم میں بھیجے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایتِ ربانی اور نورِ ہرودانی کو عرب کے ساتھ مختص نہیں کہا اور دین اسلام کو صرف اپنی چیز نہیں فرمایا بلکہ ارشاد کیا کہ جو پیغمبر آتا تھا دین اسلام ہی لے کر آتا تھا۔ تمام انبیاء ازلی صداقت اور ابدی سچائی ہی کی طرف بلاتے رہے، بخاری کی حدیث ہے کہ تمام انبیاء ایسے بھائی ہیں جن کا باپ ایک ہے، اور بائیں تختہ میں، اور ان کا دین ایک ہے

اَلْاَنْبِيَاءُ اِخْوَةٌ لِّعَلَّاتٍ اُمَّهَاتُهُمْ شَيْئٌ وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ۔

عیسائی دوسرے پیغمبروں کا انکار کر کے عیسائی رہ سکتا ہے۔ یہودی کے لئے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے علاوہ کسی پیغمبر کا ماننا لازمی نہیں ہے۔ زردشتی تمام دنیا کو بجز ظلمات کہہ کر بھی زردشتی ہیں اور ہندو تمام دنیا کو لچھ کہہ کر ہندو، لیکن مسلمان مسلمان اس وقت ہو گا، جب کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی رسالتوں کا اقرار کرے گا۔ مسلمانوں کو ایمان لانا پڑتا ہے کہ حضور کی طرح اور نبی اور پیغمبر بھی آئے تھے جن میں سے کچھ کے نام بتا دئے گئے ہیں اور بہت سوں کے نام نہیں بتائے گئے، جملہ نبی اور پیغمبر ہمارے حضور کی طرح سچے تھے۔

كَذٰلِكَ يَدْعُو بَيْنَ اَحَدٍ مِنْهُمْ۔ ہم ان میں سے کسی کے ساتھ فرق

۱۵ چنانچہ عیسائی اور یہودی حضرت ہودؑ اور حضرت شعیبؑ کے وجود تک سب سے خیر ہیں، اور یہودی حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے وجود کے تو متبر ہیں، لیکن انہیں پیغمبر تسلیم نہیں کرتے۔

نہیں برتنے، یعنی ایسا نہیں کرتے کہ کسی کو یمانیں اور کسی کو نہ یمانیں، بہت سے
 یہودی حضرات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کے
 لئے تیار تھے، بشرطیکہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو یمانیں کہہ سکتے
 سے نکال دیا جاتا، مگر یہ کیسے ممکن تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ
 وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ
 وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نَحْنُ بَعْضُ
 مَا يَكْفُرُ بَعْضُ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ
 وَلَهُمْ آيَاتُ سَبْعِينَ نَجْمًا فِي السَّمَاءِ
 فَلْيُنظُرُوا فِي آيَاتِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ
 حَقًّا وَاعْتَدُوا عَذَابًا عَظِيمًا

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے منکر ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور
 اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں (یعنی اللہ کو یمانیں اور رسولوں
 کو نہ یمانیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض (رسولوں) کو یمانیں گے اور بعض (رسولوں)
 کو نہیں یمانیں گے اور چاہتے ہیں کہ اس (معاہدہ) میں بیچ بکا کوئی راستہ
 نکال لیں۔ یہ لوگ یقیناً کافریں، اور ہم نے کافروں کے واسطے
 ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یہ عقیدہ اسلام کی خصوصیت ہے اور اسلام کی فراخ جوہر سنگی
 کا ثبوت ہے۔ اسلام سکھاتا ہے کہ دنیا کی تمام قومیں یکساں ہیں۔
 عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر فوقیت نہیں ہے، گورے بھی اللہ کے
 ہیں اور کالے بھی اللہ کے ہیں۔ حضور نے فرمایا: لوگو! تم سب ایک
 باپ (آدم) کی اولاد ہو (یعنی تمام انسان بہ اعتقاد خالصت سادگی ہیں)

امتیاز کی چیزیں ایک ہے تقویٰ: اِنَّ اَكْثَرَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
اَلْفَاقِد۔

فرشتوں پر ایمان

فرشتوں پر ایمان یہ ہے کہ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں غیر مادی اور
سرابا، مبطیع و فرماں بردار اُن کے بہت سے فرائض ہیں، اللہ اور اس
کے رسولوں کے درمیان سفارت کرنا مادیت اور روحانیت کے مابین
واسطہ بننا اور کائنات کو قانونِ الہی کے مطابق چلانا۔
فرشتے ہمیں نظر نہیں آتے، لیکن ہم انہیں نظر آتے ہیں ہمارے
اعمال نامے وہی تیار کرتے ہیں جو روزِ جزا ہم کو دکھائے جائیں گے
کسی چیز کے نظر نہ آنے سے اس کے وجود میں شبہ نہیں کرنا
چاہئے، ہم نے لندن، نیویارک اور ماسکو کہاں دیکھا ہے مگر ہم
ان کے وجود کا یقین رکھتے ہیں، اس لئے کہ دیکھنے والوں نے بتایا ہے
کہ آج کل کے بڑے پُروقت اور اہم شہر ہیں، فرشتوں کی خمیہبر اللہ

ملہ جس طرح اللہ کی پھونکی ہوئی بہاری روح ہمیں متحرک رکھتی ہے، اسی
طرح فرشتے جو غیر مادی مخلوق، یعنی ارواح ہیں، کائنات کو متحرک رکھتے ہیں
ہم چونکہ کسی قدر با اختیار بنائے گئے ہیں، ہماری حرکتوں میں اختلافت
اور تضاد دھو جاتا ہے۔ فرشتے مطلق بے اختیار ہیں، اس لئے باقی کائنات کی
حرکات یک رنگ اور یکساں ہیں۔ ہمارے سوا کائنات کی کوئی شے اللہ
کا قانون نہیں توڑتی، اور اللہ کی مرضی کے خلاف نہیں جاتی۔

ایمان و عمل

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مذاق اور چھیڑکے طور پر کہا ”تمہارے پیغمبر صاحب تمہیں ہدایات کی تعلیم دیتے ہیں حتیٰ کہ رفع حاجت کا طریقہ بھی بتاتے ہیں“ حضرت سلمان فارسی نے فرمایا ”ٹھیک ہے۔ حضور نے ہمیں ہدایت کی ہے کہ رفع حاجت کے لئے بیٹھو تو قبلہ رخ رہت بیٹھو، دائیں ہاتھ سے طہارت نہ کرو، کم از کم تین ڈھیلے لو۔ اور فرمایا ہے کہ ہڑی اور گوبر سے طہارت نہیں ہوتی“ کچھ خیال ہے، انسان کتنی عمر میں پاکی اور ناپاکی کا فرق سمجھتا ہے اور ماں کے کتنے سمجھانے سے سمجھتا ہے۔ ماں کو اس کی ماں نے سمجھایا تھا اور اس ماں کو اس کی ماں نے۔

سمجھانے کو یہ سلسلہ کہیں جا کر ٹھہرنا چاہئے، آخر کوئی تو تھا جس نے پاکی اور ناپاکی کا فرق سب سے پہلے محسوس کیا، یا جسے اللہ نے سزا و نجات محسوس کرایا۔ نبی ہی ہے پہلا وہ شخص جس نے صرف پاکی اور ناپاکی، کیا، انسان

کو پوری انسانیت کے سبق ایک ایک کر کے پڑھانے شروع کئے ، انبیاء
بتدریج یہ سبق نہ پڑھاتے رہتے تو انسان رفیع حاجت کے بعد جانوروں
کی طرح اٹھ کھڑے ہوا کرتے ۔

پھولوں اور پھلوں اور جانوروں کی نسل میں خوبیاں بڑھانے کی
تدریسیں تو ہم آپ بھی سوچتے ہیں لیکن انسانوں کو انسان بنانے کا کام انبیاء
اور ان کے حقیقی متبعین کے سوا کسی نے نہیں کیا ۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معلم آخر اور خاتم نبوت
ہیں ۔ حضور کے ہاتھوں سے دین کی تکمیل کی گئی ہے ، لہذا انسانی زندگی کا
کوئی شعبہ اور ایمان و عمل کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو حضور سے چھٹ گیا
ہو ۔ حضور نے وفات سے چار دن قبل اپنی وداعی تقریر میں ارشاد فرمایا
”کہا کہ ” میں تمہیں اتنے روشن راستے پر چھوڑ رہا ہوں جس کی رات
بھی دن جیسی ہے قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيضاءَ لَيْلًا كَنَهَارًا
قرآن اور حدیث میں بلند اور متمیز اقوام ہی کے لئے نہیں لیست اور متمیز
اقوام کے لئے بھی تعلیمات و ہدایات ہیں ۔ اللہ کے ساتھ تعلق ہو یا اللہ کے بندوں کے
ساتھ عقائد ہوں یا عبادات ، آداب و عبادت ہوں ۔ خالصتہً بھنڈی کی ہمہ گیر
تعلیم سب پر نادی ہے ۔

حضور کی تعلیم کے دو حصے ہیں ، ایک کا تعلق خالق سے ہے دوسرے
کا مخلوق سے ۔ پھر خالق سے تعلق دو شقوں میں منقسم ہے ، عقیدہ اور عبادت
اور مخلوق سے تعلق بھی دو شقوں میں منقسم ہے ۔ معاملہ اور اخلاق ۔
عقیدے کی پختگی کا نام ایمان ہے ۔ اور عبادت ، معاملہ ، اور
اخلاق تینوں کی بجا آوری کا نام عمل یا عمل صالح ہے ۔

عقیدے کا اثر عمل ہی پر نہیں چہرے تک پر پڑتا ہے۔ انسان کا چہرہ ظاہر کر دیتا ہے کہ داغ میں کیا سایا ہوا ہے اور غم تو قطعی عقیدے کے مطابق رہتا ہے۔ جادوگر جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے سے نہ تھے۔ جب جان گئے کہ حضرت موسیٰ بی ہیں تو فرعون کا خوف انہیں حضرت موسیٰ کی پیروی سے نہ روک سکا اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہمیں چاہیے کھاٹ ڈالیں ہم تو رب اللہ کے ہو چکے۔

قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ هَكَذَا مَا جَاءَنَا مِنَ
الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنا فَوَيْفِ مَا آتَتْ
وَمِنْ طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ يُذِلُّونَ الَّذِينَ آمَنُوا
وَمَا أَكُونُ لَهُمْ
عُقُوبَةً مِّنَ اللَّهِ فَمَجِرَةٌ مُّكْتَفِيَةٌ

انہوں نے فرعون سے بہار (اللہ کی قدرت کے واضح) دلائل کے بعد جو ہمارے سامنے آئے ہیں ہم (یقینی کوری باتوں کو) اور اس خالق (واللہ) پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، تجھ کو برگز (ہرگز) ترجیح نہیں دیں گے۔ پس جو (پرستوں کی) تو (ہمارے ساتھ کرنے والا ہے) کڑاں، (ہمیں پروا نہیں) تو (جو کچھ کر سکتا ہے) اس دنیا کی (چپ روزد) زندگی سب کر سکتا ہے (وہ) ہم اپنے (دوولوں جہاں کے) ماننے پر ایمان لائے ہیں تاکہ وہ ہماری (انگلی گنپلی تمام) از عشق کہ اور (یا) حضرت اس حماقت، جادوگری کو جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا، معاون نہ رہے۔ اور یہی ابدی راحت دے۔ یہ انعام بھی قافی ہے اور یہی ایذا دیں بھی کافی ہے، اور اللہ (کی داد و بخشش تجھ سے) بہتر ہے۔ اور (۲۰۱)

کا عذاب و عتاب تیری ایذا دہی سے) بہت زیادہ (دریہ) باقی رہنے والا ہے۔

خیر میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ انسان کا عمل عقیدے کے تابع ہوا کرتا ہے۔ عقیدہ بنیاد ہے۔ عمل عمارت۔ قرآن مجید نے جہاں جہاں عملِ صالح کا نام لیا ہے وہاں ایمان کا پہلے ذکر کیا ہے۔ عمل ناقابلِ قبول ہے۔ اگر اس کے ساتھ ایمان شامل نہیں ہے۔ ایمان کے بغیر عملِ حسنِ خلوص سے محروم رہتا ہے۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کل تین سو تیرہ تھی۔ ایک بڑے بہادر شخص نے اگر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے اپنی طرف سے لڑنے کی اجازت دے دیجئے۔ حضورؐ نے پوچھا تم مسلمان ہو، اس نے جواب دیا۔ نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، مجھے تمہاری مدد نہیں درکار۔ مسلمان اس کی بہادری کے خیال سے اُسے شریک کرنے کے مستحق تھے۔ مگر حضورؐ نے دو دفعہ اس کی درخواست نامنظور فرمائی، حضورؐ کی بے نیازی سے وہ حضورؐ کا گرویدہ ہو گیا اور ایمان لے آیا عرض کہ اللہ اور رسولِ حسنِ خلوص کے بغیر معمولی عمل کیا، جہاد جیسے عمل کبھی قبول نہیں کرتے اَلَا عَمَلٌ بِالْأَنْبِيَاءِ عمل کی کسوٹی طہیت ہے، دو آدمی کسی اچھے کام میں چنہ دیں۔ ایک اللہ کی خوشنودی کے واسطے اور دوسرا ناکش اور ناموری کے واسطے، آپ اللہ کی خوشنودی کے خواہش مند کو ناکش و ناموری کے خواہش مند سے زیادہ خوش اور بخشش پائیے گا۔ اس کے پاس اللہ کے ہاں سے رسیدی آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

یعنی معمولی اندھیرا نہیں، اندھیروں پر اندھیرے ہوں کہ اس میں (انسان) ہاتھ نکالے تو ہاتھ نہ سمجھائی دے (یاد رکھو) جسے اللہ نے نور نہیں دیا، اس کے لئے نور ہے ہی نہیں۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ
يَحْسَبُهُ الظَّمْثَانُ مَاءً ط حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ
لَمْ يَجِدْهَا شَيْئًا -

جنہوں نے اللہ کا انکار کیا ان کے کام اس سراب کے مانند ہیں، جو میدان میں (دور سے نظر آتا ہے اور جس کو پیاسا سمجھتا ہے کہ پانی ہے) مگر جب اس کے قریب پہنچتا ہے تو وہاں پانی نہیں ہوتا۔

قرآن، حدیث نے علم و عمل کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمیں کسی جگہ سائب کے پھونکے علم ہو اور ہم وہاں بے دھڑک گھسے چلے جائیں، علیٰ ہذا ہمیں علم ہو کہ فلاں کام کی جزا جنت ہے، اور فلاں کام کی سزا جہنم، تو ہم جنت ہی میں جانے کا کام کریں گے جہنم میں جانے کے کام نہیں کریں گے، اور اگر ایسا نہیں کرتے تو یہ ہمارا سبب علم کا جھوٹا رپاں اور قصور ہے، علم یقین کے مرتبے تک نہ پہنچا ہے۔

لہٰذا یہ الگ بات ہے کہ یقین کمرتبے پہنچ کر بھی انسان پر حق عبدیت ادا نہیں کر سکتا۔ یقین کے بھی مراتب ہیں۔ انبیاء کا یقین، علمائین کا یقین، اولیاء کا یقین اور عوام کا یقین۔ حق عبدیت درجہ بدرجہ ہی ادا ہوتا ہے۔ انبیاء بھی دعویٰ نہیں کرتے کہ تم نے حق عبدیت ادا کر دیا۔ اور ہم عوام تو ہر حال عوام ہیں۔ گناہ سے ہم نہیں بچ سکتے مگر یہاں یہ کچھ اور بات کہہ رہا ہوں۔

علم کی بجائے سرابِ علم چل رہے ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، علم جب آتا ہے تو عمل کو ضرور پکارتا ہے۔ عمل اگر آجاتا ہے، تو علم ٹھہرتا ہے ورنہ خود بھی چلا جاتا ہے۔

اسلام میں عمل کی بڑی اہمیت ہے، جس طرح عمل بغیر ایمان کے لاکھ کا ڈھیر ہے جسے ہوا اڑا کر لے جاتی ہے۔

اعْمَلُوا كَمَا كُنْتُمْ تُشْتَدُّ بِهِنَّ الرِّجْهُ رَفِئُ
يَوْمَ الْحَاصِ

اسی طرح ایمان بغیر عمل کے متعلق ارشاد ہے
أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ
مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ

اے مسلمانو! کیا تمہیں گمان ہے کہ تم جنت میں (یوں ہی) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ تم کو ابھی ان لوگوں کے سے حالات پیش نہیں آئے، جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا كُنْتُمْ
الْأَوَّلِينَ جَاهِلُونَ مَا كُنْتُمْ

مسلمانو! کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم (یوں ہی) چھوڑ دئے جاؤ گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے (ابھی) تمہیں نہیں پرکھا ہے جنہوں نے تم سے پہلے جہاد کیا ہو۔

ایمان کے پانچ اصول سکھائے گئے ہیں :

۱) اللہ پر ایمان (۲) رسول اللہ پر ایمان (۳) فرشتوں پر ایمان
۴) نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان (۵) آخرت اور جزا و سزا پر ایمان۔

اللہ پر ایمان

اللہ پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ ہم کسی نے بنایا ہے ، ہم خود بخود نہیں بن گئے ہیں ۔ ہر شے کسی نہ کسی کے بناتے سے بنتی ہے ۔ وہ ہمارا خالق ہی ہمارا الہ ہے ۔ اس کے سوا کوئی اور عبادت اور اطاعت کا مستحق نہیں ہے ساری دنیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے پیدا کی ہے اور ہم کو اپنے لئے پیدا کیا ہے ، جمادات ، نباتات ، اور حیوانات کا مقصد تخلیق انسان کے کام آنا ہے ، لکڑی چولہے میں لگا دی یا لکڑی کا صندوق تیار کر دیا ، لکڑی کا مقصد تخلیق پورا ہو گیا ۔ انسان کا مقصد تخلیق جمادات ، نباتات اور حیوانات کے کام آنا نہیں ہے بلکہ اللہ کی عبادت و طاعت کرنا ہے ۔

إِنَّ الدِّنْيَا خَلَقْتُ لَكُمْ وَإِنَّكُمْ خَلَقْتُمْ لِيَ الْآخِرَةِ

اگر انسان کا مقصد تخلیق ، اللہ کی عبادت و طاعت نہیں ہے ، تو انسان بے مقصد اور عبث مخلوق ہے ، اشراف المخلوقات کا بے مقصد اور عبث ہونا عقل میں نہیں آتا ۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ

کیا تم خیال کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے مقصد اور عبث پیدا کیا ہے ، اور تم کو (مگر) ہمارے پاس نہیں آؤ گے ۔ (تمہارا مقصد پیدا کنش ہمارا عبادت و طاعت ہے)۔

مَا خَنَقْتُ اٰجِبًا وَاَكْلٰلًا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا
 جن وانس نور عبادت و اطاعت کے سوا کسی مقصد سے پیدائیں
 کیا گیا۔

۲۰) اللہ ایسا خالق ہے کہ اپنی ہر عنایتی میں ہم تو اس کی نیائی ہوتی
 چیزوں کے محتاج ہیں مگر اُسے اپنی صناعی میں کسی چیز کی احتیاج نہیں
 ہے۔ مکڑی کو جال بنانا، اور شہر کی مکھی کو محال لگانا بھی اللہ نے سکھایا
 ہے، اور انسان کو بھی صناعی کی قابلیت و قدرت اللہ نے عطا فرمائی
 ہے۔ مگر جن مصنوعات پروردگار نے انسان صناعی کا کمال دکھاتا
 ہے، اُن پر اللہ باقید ہے۔ انسان ریت کے ذرے سے برب
 بنا سکتا ہے، لیکن ریت کا ذرہ نہیں بنا سکتا، مادہ تولید کو پکاری
 کے ذریعے رحم میں پہنچا سکتا ہے، مگر مادہ تولید تیار نہیں کر سکتا۔

۳) اللہ ایک ہے۔ اللہ کو شریک و مددگار کی ضرورت نہیں ہے۔
 وہ تنہا کل کائنات کا خالق اور مالک ہے۔ اس کی ملکیت حقیقی اور
 پختہ ہے، ڈانواؤں اور جن چانے والی نہیں ہے۔ بندوں میں سے
 جسے چاہتا ہے عزت، دولت اور حکومت بخش دیتا ہے، اور جس کو
 نااہل دیکھتا ہے اسے ان نعمتوں سے محروم کر دیتا ہے۔

شرعیات کی تاسیس، حلال و حرام کی تعیین، جائز و ناجائز کی
 تفریق، امر و نہی کے احکام، یہ سب اللہ کے کام ہیں اور رسول اُن کے

۱۷ خدا کے باب میں کیا آپ محمد سے بحث کرتے ہیں
 خدا وہ ہے کہ جس کے حکم سے ”صاحب“ بھجرتے ہیں (الکبر)

مبلغ اور شائع ہوتے ہیں۔

عالم الغیب صرف اللہ ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ لَا يَكْفِكُمْ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا اَدْنٰی
الْغَيْبِ اِلَّا اللّٰهُ

(اے پیغمبر، کہہ دو کہ اللہ کے سوا آسمان اور زمین میں کوئی غیبیات نہیں ہے۔)

(۴) اللہ ہماری ظاہر و پوشیدہ اور خلوت و جلوت کی تمام حرکت سے باخبر ہے۔ ہمارے عام اعضا (ہاتھ پاؤں وغیرہ) کو بھی گناہوں سے پاک رہنا چاہئے اور خاص اعضا (دل و دماغ) کو بھی نامناسب خواہشوں سے بچنا چاہئے۔

(۵) جسے اللہ نے اچھائی کہا ہے، وہ اچھائی ہے اور جسے اللہ نے بُرائی کہا ہے وہ بُرائی ہے۔ ہمیں اچھائی کی طرف دوڑنا چاہئے اور بُرائی سے بھاگنا چاہئے، اس واسطے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔

اللہ پر اور اللہ کی وحدانیت پر ایمان اسلام کا اصل الاصول ہے۔ تیرہ برس تک روزہ، زکوٰۃ اور حج فرض نہیں ہوئے لیکن نماز شروع ہی میں فرض کر دی گئی تھی۔ اللہ کے آگے سر فوراً ہی جھکا دیا گیا تھا۔ اور پھر تیرہ برس مسلسل صرف اللہ کے آگے سروں کو جھکانے اور شرک، شائبات شرک اور توہمات شرکیہ کے استیصال میں صرف

لے عمل کیا تو جلے اللہ کے لئے۔ مگر اس میں منہ و نمائش اور ریا کا شائبہ (باقی صفحہ ۹ دیکھ)

کرتے۔ حتیٰ کہ نمازیں اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا کے ساتھ حبیب اللہ نہیں کہوایا، عِبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ کہوایا۔ حالانکہ حضور حبیب اللہ ہیں۔ اور نمازیں سورہ فاتحہ پڑھنی لازمی کردی جس کی ایک آیت ہے اِيَّاكَ كَعِبُدُ وَاِيَّاكَ كَسْتَعِيْنُ۔ یعنی (اے پروردگار) ہم تیرے ہی آگے سرجھکتے ہیں اور فقط تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

اللہ اور اللہ کی وحدانیت کا اقرار اتنا اہم معاملہ ہے کہ اللہ اور کُنا ہوں کہ تو اگر چاہے گا معاف کر دے گا لیکن اپنے انکار اور اپنی وحدانیت کے انکار کو معاف نہیں کرے گا، ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِي لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرِكَ بِاللّٰهِ وَ
يَغْفِرُ مَا دُوْنَ كَذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ

اللہ شرک کو یقیناً معاف نہیں کرے گا، اور شرک کے علاوہ جس کا جو گناہ چاہے گا معاف کر دے گا۔

سجدہ تعظیمی اور سجدہ محبت جائز رہ چکا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اِن کے والدین نے سجدہ محبت کیا تھا مگر شریعت محمدیہ

دقیقہ فور صفحہ ۱۰، آج سے یہی ایک طرح کا شرک ہے مسلمان کہ ہر کام اللہ کی خوشنودی کے لئے نہ کیا جائے کسی اور کی خوشنودی چاہی بھی جائے تو وہ اللہ کے لئے ہی چاہی جائے جی اللہ کے حکم کے مطابق چاہی جائے۔

لہٰذا پرندوں کی بولی سے فال لینا پرندوں کے اُڑنے سے فال لینا، ایسے توہمات کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شیطانی باتیں فرمایا ہے۔

نے ان سجدوں سے منع فرمادیا تاکہ توحید خالص کی تکمیل ہو جائے۔
 بخاری میں ایک روایت ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ
 وآلہ وسلم کی خدمت میں کسی نے عرض کیا ”جو اللہ چاہے اور آپ
 چاہیں“ حضور نے کہا۔ تم مجھے مشیت میں اللہ کا ہم سر اور مقابل
 بناتے ہو۔ کہو ”جو اللہ تنہا چاہے“ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ
 اللہ چاہے اور محمد چاہیں درمیان اور کالفاظ استعمال کرنے سے
 حضور ہمیشہ روکا کرتے تھے، اور کی بجائے پھر کالفظ کہنے کی ہر بات
 فرماتے تھے۔ اللہ چاہے۔ پھر محمد چاہیں۔

ایک دفعہ حضور کی موجودگی میں کوئی صحابی تقریر کر رہے تھے
 ان کی زبان سے نکلا ”جس نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی
 اس نے ہر ایت پائی، اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی“ ان
 دونوں کا لفظ سننا تھا کہ حضور نے فرمایا۔ تقریر بند کرو۔ تم
 میرے خطیب ہو۔

”ان دونوں کے لفظ سے سامعین پر یہ اثر پڑ سکتا تھا، کہ
 اللہ اور رسول کی نافرمانی کا حکم یکساں ہے، صحابی نے جس طرح
 ”اللہ اور رسول کی اطاعت“ کہا تھا، اسی طرح ”اللہ اور رسول
 کی نافرمانی“ کہنا چاہیے تھا، حضور نے اللہ سے برابری کے اس نازک
 فرق کا احساس کیا، اور اسے گوارا نہیں فرمایا۔

رسولوں پر ایمان

رسولوں پر ایمان یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے مامور تھے۔

اللہ نے انہیں ہماری ہدایت و رہنمائی کے لئے مقرر کیا تھا، رسول اللہ ﷺ کی نشان دہی کرتے تھے۔ اور ہمیں اللہ کے پیغام پہنچاتے تھے، نیز ہمارے سامنے اپنا نمونہ پیش فرماتے تھے کہ اس طرح کی زندگی گزارو۔ انسانوں کو جو کچھ آتا ہے، اس کی بنیاد رسولوں نے ڈالی ہے رسول نہ مہرتے تو ہم ایک بات بھی نہ جانتے اور جانوروں سے بدتر قسم کی زندگی بسر کرتے۔ انسانوں کو انسان رسولوں کے ذریعے بنایا گیا ہے اور انسانی عقل کو نشوونما رسولوں کے ذریعے دی گئی ہے۔

ہر قوم کو دعویٰ ہے کہ اللہ کے محبوب ہیں تو ہم ہیں، ہدایت کی گئی تو ہمیں کی گئی۔ نبی اور پیغمبر آئے تو ہمارے ہاں آئے، باقی دنیا اس سعادۃ سے محروم ہے۔ ہم تنہا وہ برگزیدہ اور منتخب لوگ ہیں جنہیں اللہ نے مخاطبت کا شرف بخشا اور مخاطب بنایا

بنی اسرائیل نبوت و پیغمبری اپنا ورثہ سمجھتے ہیں۔ ہندوؤں کے نزدیک پریشور کی کسی رہنمائی کرنا چاہتا ہے تو فقط ان کی، اور کے کان میں پریشور کے الفاظ پہنچ جائیں تو اس کے کان بہرے کر دینے چاہئیں زروشتیوں نے جلوہ نورانی کا صرف اپنے تئیں مستحق قرار دے لیا۔ اور عیسائی تو خداوند کے فرزند ہیں، لیکن قرآن کہتا ہے: وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ہر قوم کے لئے ہادی بھیجے گئے وَ اِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا فُزَيْرٌ۔ کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں (بیدار اور) ہوشیار کرنے والا نہ بھیجا گیا ہو۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ (اے محمد!) ہم نے تم سے قبل کتنے ہی رسول اُن کی اپنی اپنی قوم میں بھیجے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایتِ ربانی اور نورِ نبوی کو عرب کے ساتھ مختص نہیں کہا اور دینِ اسلام کو صرف اپنی چیز نہیں فرمایا بلکہ ارشاد کیا کہ جو پیغمبر آتا تھا دینِ اسلام ہی لے کر آتا تھا۔ تمام انبیاء ازلٰی صداقت اور ابدی سچائی ہی کی طرف بلاتے رہے، بخاری کی حدیث ہے کہ تمام انبیاء ایسے بھائی ہیں جن کا باپ ایک ہے، اور مائیں مختلف ہیں، اور ان کا دین ایک ہے

الْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِعَلَّاتِ أُمَّهَاتُهُمْ
شَتَّى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ۔

عیسائی دوسرے پیغمبروں کا انکار کر کے عیسائی رہ سکتا ہے۔ یہودی کے لئے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے علاوہ کسی پیغمبر کا ماننا لازمی نہیں ہے۔ زردشتی تمام دنیا کو بحرِ ظلمات بہ کر بھی زردشتی ہیں اور ہندو تمام دنیا کو ملچھ کہہ کر ہندو، لیکن مسلمان مسلمان اس وقت ہوگا، جب کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کی رسالتوں کا انکار کرے گا۔ مسلمانوں کو ایمان لانا پڑتا ہے کہ حضور کی طرح اور نبی اور پیغمبر بھی آئے تھے جن میں سے کچھ کے نام بتا دیئے گئے ہیں اور بہت سوں کے نام نہیں بتائے گئے، جملہ نبی اور پیغمبر ہمارے حضور کی طرح پچھے تھے۔

لَا تَفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ۔ ہر ان میں سے کسی کے ساتھ فرق

نہیں۔ چنانچہ عیسائی اور یہودی حضرت ہودؑ اور حضرت شعیبؑ کے وجود تک سب سے خیر ہیں، اور یہودی حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے وجود کے تو مستر ہیں، لیکن انہیں پیغمبر تسلیم نہیں کرتے۔

نہیں برستے، یعنی ایسا نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں، بہت سے
 یہودی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کے
 لئے تیار تھے، بشرطیکہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو نبیوں کی فہرست
 سے نکال دیا جاتا، مگر یہ کیسے ممکن تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ
 يُرِيدُونَ أَنْ يُنْزِلُوا عَلَيْنَا
 الرَّسِيلَ وَيَقُولُوا لَوْ أَنَّ
 لَنَا كُفْرًا بَعْضُهُ يَكْفُرُ
 بَعْضًا لَكُنَّا مِنَ الْآخِرِينَ
 حَقًّا وَاعْتَدُوا عَذَابًا
 مُّهِينًا

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے منکر ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور
 اس کے رسولوں کے درمیان فرق کر دیں، یعنی اللہ کو مانیں اور رسولوں
 کو نہ مانیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض (رسولوں) کو مانیں گے اور بعض (رسولوں)
 کو نہیں مانیں گے اور چاہتے ہیں کہ اس درمیان میں بیچ کا کوئی راستہ
 نکال لیں۔ یہ لوگ یقیناً کافر ہیں، اور ہم نے کافروں کے واسطے
 ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یہ عقیدہ اسلام کی خصوصیت ہے اور اسلام کی فراخ جوہریت
 کی ثبوت ہے۔ اسلام سمجھتا ہے کہ دنیا کی تمام قومیں یکساں ہیں۔
 عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر فوقیت نہیں ہے، گورے بھی اللہ کے
 ہیں اور کونے بھی اللہ کے ہیں۔ حضور نے فرمایا: لوگو! تم سب ایک
 باپ (آدم) کی اولاد ہو (یعنی تمام انسان بہ اعتقاد خنفت مساوی ہیں)

امتیاز کی چیزیں ایک ہے تفتولے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
اَتْقٰاكُمْ۔

فرشتوں پر ایمان

فرشتوں پر ایمان یہ ہے کہ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں غیر مادی اور
سرایا، مطیع و فرمان بردار اُن کے بہت سے فرائض ہیں، اللہ اور اس
کے رسولوں کے درمیان سفارت کرنا مادیات اور روحانیت کے مابین
واسطہ بننا اور کائنات کو قانونِ الہی کے مطابق چلانا۔
فرشتے ہمیں نظر نہیں آتے، لیکن ہم انہیں نظر آتے ہیں بہار
اعمال نامے وہی نیا رکرتے ہیں جو روزِ جزا ہم کو دکھائے جائیں گے
کسی چیز کے نظر نہ آنے سے اس کے وجود میں شبہ نہیں کرنا
چاہئے، ہم نے لندن، نیویارک اور ماسکو کہاں دیکھا ہے مگر ہم
ان کے وجود کا یقین رکھتے ہیں، اس لئے کہ دیکھنے والوں نے بتایا ہے
کہ آج کل کے بڑے پُروقت اور اہم شہر ہیں، فرشتوں کی خیمبر اللہ

ملہ جس طرح اللہ کی پھونکی ہوئی ہماری روح ہمیں متحرک رکھتی ہے، اسی
طرح فرشتے جو غیر مادی مخلوق، یعنی ارواح ہیں، کائنات کو متحرک رکھتے ہیں
ہم چونکہ کسی قدر بایا اختیار بنائے گئے ہیں، ہماری حرکتوں میں اختلاف
اور تضاد دہر جاتا ہے۔ فرشتے مطلق بے اختیار ہیں، اس لئے باقی کائنات کی
حرکات یک رنگ اور یکساں ہیں۔ ہمارے سوا کائنات کی کوئی شے اللہ
کا قانون نہیں توڑتی، اور اللہ کی مرضی کے خلاف نہیں جاتی۔

روزہ کمانے میں مل جائے گا۔ روزی کمانے میں اللہ کو اور اللہ کے احکام کو یاد رکھنا بہت بڑی عبادت و ریاضت ہے۔ کچھ لوگ اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں جو واقعی خدمتِ خلق کے واسطے اپنے آپ کو وقف کر دیں یا جو مہینہ ۴۰ مہینے بڑے بہت بڑے جن سے حق اللہ کو فائدہ پہنچ سکتا ہے وہ مدد قبول کر سکتے ہیں۔ لیکن بھیک مانگنے کی انہیں بھی اجازت نہیں ہے، کوئی خورد خورد کر کے کرے تو یہ قبول کر لیں۔ سوال کی ذلت اٹھانی پڑے تو انہیں بھی تلاشِ معاش کا وقت نکالنا چاہئے۔

دنیا میں کوئی انسان کھانے اور پہننے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ نیز اجمہ تن اپنے آپ کو دنیا میں محو کر دینا بدیہتی ہے۔ دنیا بھر میں غلامانِ دولت مندوں سے آخرت پر مٹنے والے دزدانِ بدتر ہیں۔ اسلام اعتدال کی راہ دکھاتا ہے، اور اللہ کے احکام کے مطابق دنیا سے تعلق رکھنے کو عین قرار دیتا ہے۔ معاش اس خیال سے حاصل کی جائے کہ معاہدہ صرف متوجہ رہنے کے لئے معاش کی طرف سے اطمینان ضروری ہے۔ ذیل میں حضرت امام غزالی کے مضامین کی روش سے ان آداب کا خلع و پوشاک کرتا ہوں جن کا اسلام نے روزی کمانے کے سلسلے میں ہمیں پابند کیا ہے :

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص نفع بڑھانے کی غرض سے چالیس دن غلہ روک لے وہ بدترین گنہگار غلہ خیرات بھی کر دے گا تو کفارہ نہیں ہوگا۔ چالیس دن غلہ روکنا اللہ بیزاری کا اظہار ہے، اور اللہ تو اس سے بیزار ہے ہی۔

ایک حدیث ہے کہ غلہ کو آج کے بھائی بیچ دینا اور کالہ چھوڑ دینا

کا انتظار نہ کرنا ایسا ہے جیسے غلام خرید کر آزاد کر دیا۔
 حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہلاکت تھی کہ محسّر (یعنی ذخیّرہ اندوز)
 کے گورام کو آگ لگا دو۔ محسّر کو ملعون کہا گیا ہے۔ آخرت میں بھی وہ
 سزا کا مزہ چکھے گا اور دنیا میں بھی اس پر اللہ کی لعنت کا عینہہ برسے گا۔
 دین تھوڑے نفع کی صورت میں قائم رہ سکتا ہے۔ نفع کا ہونا دین
 کی چیزیں ہلا ڈالتا ہے۔ کسان کو جس نے غلہ آگایا ہے، تھوڑی ڈھس
 دی گئی ہے۔ کسان غلہ روک کر بیچ سکتا ہے۔ لیکن مستحسن کسان کے لئے
 بھی یہی کہ غلہ جلد از جلد خلق اللہ کے پاس پہنچائے۔ دوسری ضروریات
 زندگی کے تاجروں اور صنعتاء کی انسانیت، شرافت اور دینی مردانگی
 بھی اسی میں ہے کہ زیادہ نفع کے لالچ سے دور رہیں۔

ضروریات کی چیزیں بھائو چڑھانے اور خوب کمانے کے خیال
 سے کوئی بند کر کے رکھ لے تو اس سے بڑھ کر خلق اللہ پر اور کیا ظلم
 ہوگا، اور پھر غلہ تو ایسی چیز ہے اس پر حیاتِ انسانی کا دار و مدار
 ہے غلہ کی چور بازاری اور انسانوں کے قتل عام میں فرق نہیں ہے۔
 غلہ اور دیگر اشیائے ضروری بچاؤ روکتے جب ہی جب اُن کی
 پیداوار میں کمی آتی ہے، گویا پیداوار کی کمی کی مصیبت پر اور مصیبت لاتے
 ہیں۔ پیداوار بہ افراط ہو تو حکما (ذخیّرہ اندوزی) حرام نہیں ہے مگر
 مکروہ اس صورت میں بھی ہے کیونکہ نیت یہ صورت دہی ہوتی ہے کہ
 شاید دیر کرنے سے زیادہ نفع مل جائے گا۔ عادی محسّر کو ہمیشہ انتظار
 رہتا ہے کہ خلق اللہ کب مصیبت میں پھنسے اور کب اس کے دارے نیکے
 ہوں۔

ایک اور بات ہے جو بے حد معمولی سمجھی جاتی ہے، لیکن وہ معمولی نہیں ہے۔ دکان دار اپنی غفلت سے کھوٹے سستے لے لیتے ہیں اور پھر چاہتے ہیں کہ خمیازہ دوسرے بھگتیں۔ جانتے بوجھتے دوسروں کو کھوٹے سستے دے دیتے ہیں۔ پھر لینے والا دیکھتا ہے، اور نفیسا چوکتے کو دغا باری کی ابتدا کرنے دے کو معلوم ہونا چاہئے کہ جب تک کھوٹے سستے کا چکر چلتا رہے گا اپنے لئے کی سزا کے علاوہ درمیانی دغا بازوں کے گناہ کی سزا بھی ابتدا کرنے والے کے حصہ میں آتی رہے گی، ایک کھوٹے سستے چلانا سوسکوں کی چوری سے بدتر ہے۔ چوری کا گناہ مرکز ختم ہو جاتا ہے، کھوٹے سستے چلانے کا گناہ ممکن ہے مرکز بھی ختم نہ ہو۔ کھوٹے سستے کا چکر مرنے کے بعد بھی تو جاری رہ سکتا ہے۔ کتنا بد نصیب ہے وہ شخص جو خود مر جائے اور اس کا گناہ نہ مرے۔

بعض صاحبانِ واضح کر دیا کرتے ہیں کہ یہ سستے جو ہم نے دیے ہیں کھوٹا ہے۔ اس سے ان کی ذمہ داری نہیں سہتی۔ کھوٹے سستے کا ضائع کر دینا ہی ٹھیک ہے۔ دوسرے کی بابت کون جانتا ہے کہ وہ کھوتا سستہ لے کر اسے چلائے گا یا ٹیرک بنا کر رکھے گا۔

کھوٹے سستے میں چاندی سونا ہو تو چاندی سونے کی قیمت البتہ وصول کی جاسکتی ہے مگر سکے کی نہیں۔ چاندی سونے کی قیمت بھی اس سے لی جائے جس پر کامل بھروسہ ہو کہ سستے میں سے چاندی سونا نکالے گا، سستہ چلائے گا نہیں۔ وردہ یوں سمجھئے کہ انگور شراب کشید کرنے والے کے ہاتھ یا ہتھیار رہن کے ہاتھ نیچ دئے۔

خرید و فروخت میں ایک اصول ملحوظ رکھنا لازم ہے کہ دوسرے

کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کروں گا جو میرے ساتھ ہوتا تو میں اُسے برا سمجھتا،
ہرچہ بر خود نہ پسندی بردیگراں پسند۔

دنا بازی کی تا جبر کرے یا کسی اور پیشے کا آدمی کرے یکساں ہے
حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ رفو کرائے کی بابت کیا ارشاد ہے
فرمایا۔ اپنے پہننے کے کپڑوں کو رفو کرنا اور سنا جانا ہے لیکن دکاندار
بیچنے کے کپڑوں میں رفو کرائے، اور رفو کو گاہک سے چھپائے تو یہ

حرام ہے۔
کسی شے کی تعریف میں مبالغہ کرنا جھوٹ بولنا ہے۔ خریدار شے
کی حقیقت سے واقف ہے تو کوئی لفظ بھی زبان سے نہ نکالو فیض لگائی
بیہودگی ہے۔ اَلَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان جو لفظ زبان سے نکالے گا، اس کی
بابت اس سے باز پرس کی جائے گی (کہ فلاں لفظ کہنے کی کیا مجبوری
تھی، اگر عیث گفتاری کی ہے تو عذر مسموع نہیں ہوگا۔ ہاں، گاہک
مال کے متعلق سوال کرے تو اس کی جو واقعی خبر لی ہو وہ بتا دو۔ لیکن
مال میں عیب اور نقص ہو تو اُسے بغیر سوال کے ظاہر کر دینا لازم ہے
اور پوشیدہ رکھنا فریب کاری ہے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک گہیوں والے
کی دکان پر تشریف لے گئے اور انیار کے اندر ہاتھ ڈال کر گہیوں دیکھنے
لگے۔ انیار اندر سے تر تھا۔ حضورؐ نے پوچھا۔ تری کیوں ہے۔ دکاندار
نے عرض کیا۔ بھیگا ہوا گہیوں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تم نے اوپر نیشک
گہیوں رکھے ہیں، گیلے گہیوں اوپر نہیں رکھے۔ مَن غَشَّائِ فَلَيْسَ مِنَّا

جو فریب کاری کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے ۔

بعض تاجروں کیچھے وقت قسمیں کھا با کرتے ہیں ۔ جھوٹی قسم کھانا
تو خیر نہ دیکھ رہے ۔ سچی قسم کھانا بھی اچھی بات نہیں ہے ۔ مال بیچنے کے
سے ۔ بلکہ کام ۔ سستا کرنا خلاف ادب ہے ۔ حضور سرور کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَا وَاللّٰہِ اَدْرِیْکَ مَا کَانَ کَلِمَۃٌ کُھِنَہُ وَلَیْسَ
سُوْرَہٗ رُوْمٍ کُوْرَہٗ کَرْمَہٗ مَسُوْسٍ ہوتا ہے اور ہمیشہ جو ہمیشہ اور وعدہ فو فی
کرتے ہیں اور پسوں کہتے رہتے ہیں وہ بھی قابل افسوس ہیں ۔
یکہ عاریث ہے کہ ہر شخص اللہ کی قسمیں کھا کھا کر مال بیچے گا ، اللہ
قیامت کے دن اس کی طرف نگاہ نہیں کرے گا ۔

نرخوں ، چھپانا ، چیزوں میں ملاوٹ کرنا ۔ خریدنے اور بیچنے کی
توازن میں الگ الگ رکھنا ، کپڑا خریدنے کے وقت ڈھیلانا پنا اور بیچتے
وقت کھینچ کرنا پنا ۔ قصاب کا اس بے کار بڑی کو گوشت کے ساتھ
توڑنا جسے توڑنے کا رواج نہیں ہے وغیرہ وغیرہ ۔ یہ تمام حرکتیں حرام
ہیں ۔ وَیُبَدِّلُ لَکُم مَّطَافِیْنِ ۔ بڑا نادان ہے وہ انسان جو فرسی
رفق کے بدلے جنت سے دست بردار ہو جاتا ہے ۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم تھا کہ قافلوں
کے شہر میں داخلے سے پہلے قافلے والوں سے سووے مت کیا کرواؤ
شہر کا بھاؤ معلوم نہیں ہوتا اور قوم ان سے مال سستا خرید بیٹے ہو قافلے
والوں کو سنت ہے کہ شہر میں آنے اور بھاؤ جاننے کے بعد بیع منع کر دیں ۔
تہا لفع اٹھانے کو بھی حضورؐ نے منع فرمایا ہے کہ اکب آدمی نے
سارا مال خرید ڈالا تاکہ دوسروں کو جس بھاؤ چاہے دے ۔ مال سستا

ہونے کا فائدہ سب کے حصے میں آتا چاہئے۔
 حضور نے یہ ساز باز بھی ناجائز قرار دی کہ مال حقیقتاً نہیں خریدا
 اور ظاہر کیا کہ خرید لیا ہے اور اس قیمت میں خریدا ہے تاکہ لوگ دھوکے
 میں آکر قیمت بڑھا دیں۔

سہل انکاری میں مال مہنگا خرید لیا ہے تو بھی بازار کے بھانسیا
 چاہئے۔ آپ کی غفلت اور غلطی کا دوسرے خیازہ نہیں بھگت سکتے۔
 المختصر فریب اور دعا بازی کی جتنی شکلیں ممکن ہیں، وہ اسلام کے
 خلاف ہیں۔

روزگار میں برکت کی دعا مانگنی چاہئے۔ برکت یہ ہے کہ قلیل
 روزگار سے کثیر بہرہ مندی ہو۔ برکت کے لئے ایمان داری پہلی شرط ہے
 دعا بازی کی کما می تو خود ہی باقی نہیں رہتی اس میں برکت ہی کہاں ہوگی
 کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے تو دعا بازی کی کمانی کو بے محسوس
 ہے لوگ چند روزہ چاندی سونے کی خاطر عاقبت کی مستقل زندگانی برباد
 کر دیتے ہیں مگر چاندی سونا ان سے موہم ہو کر چلتا ہوتا ہے۔ حضور
 سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مسلمان دین کو دنیا
 پر بھینٹ چڑھانے کے بعد کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے، تو
 اللہ کہتا ہے۔ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ دل میں اس کے کچھ سے، زبان
 پر کچھ ہے۔

حضورؐ سے کسی صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! دعا کیجئے میں
 جو دعا مانگوں وہ قبول ہو جایا کرے حضورؐ نے فرمایا۔ دعا حلال ہوئی
 کھانے والے کی قبول ہوتی ہے۔ محض ہاتھ بھیلادینے سے قبول نہیں ہوتی

اور فرمایا جو شخص حلال و حرام میں فرق نہیں کرتا اس کی توہینیں اور فرض اور اس کے صدقات نہیں قبول کئے جاتے۔ اور فرمایا اگر کوئی شخص دس درہم کا کپڑا خریدتا ہے اور دس درہم میں ایک درہم حرام کا شامل کر دیتا ہے تو جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر رہے گا اس کی نماز قبول نہیں ہوگی اور فرمایا جس بدن کی نشوونما مال حرام کھانے سے ہو اُسے آگ میں جلا دی جاوے اور فرمایا جو لوگ اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ چیز کہاں سے آئی ہے اور کیوں کرائی ہے، انہیں حق تعالیٰ بھی دوزخ میں ڈالتے وقت پر وہ نہیں کرے گا۔ اور فرمایا طلبِ حلال کے لئے محنت کر کے جب مسلمان تھک جاتا ہے اور سوتا ہے تو اس کے گناہ بخش دئے جاتے ہیں اور جب وہ صبح اٹھتا ہے تو اللہ اس سے خوش اور راضی ہوتا ہے، اور فرمایا اللہ تعالیٰ کہتا ہے جو حرام سے پرہیز کرتے ہیں مجھے قیامت کے دن ان سے حساب لینے شرم آئے گی۔

قرآن مجید میں ہے: **إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ** اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عدل و احسان کا حکم فرماتا ہے۔ اور جس قدر بیان کیا گیا اس سے واضح ہو گیا ہو گا کہ کسب اور تجارت میں عدل کی راہ کیا ہے۔ آگے احسان کی راہ بتائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ **إِنَّ اللَّهَ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ**۔ اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے بالکل قریب ہے، جس شخص نے عدل کیا اس نے بھی اپنا دین سنوار لیا، مگر احسان کچھ اور سی چیز ہے عدل تو فرض ہے۔ عدل نہیں کیا جائے گا تو آدمی گرفت میں آئے گا۔

لیکن احسان فرض نہیں ہے۔ البتہ احسان کا ثواب بے حساب ہے
 خریدار ضرورت کی وجہ سے زیادہ قیمت خوشی خوشی دینی چاہے، اور
 تاجر زیادہ قیمت نہ دے۔ اسے احسان کہتے ہیں۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ تجارت کرتے تھے۔ انہوں نے
 ساتھ درہم کے بادام خریدے۔ خریدتے ہی باداموں کا بھاؤ ڈیڑھا
 ہو گیا۔ لیکن حضرت سری سقطی نے نوے درہم لینے قبول نہیں کئے۔
 فرمایا۔ میں پانچ درہم فی سینکڑہ سے زیادہ منافع نہیں لیتا۔ ساتھ
 کے ترے ساتھ لوں گا، نوے نہیں لوں گا۔

حضرت محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ کی دکان میں مختلف
 قیمتوں کے کپڑے تھے ان کی عدم موجودگی میں ایک تھان پانچ درہم
 دس درہم میں یکساں کیا۔ انہیں معلوم ہوا تو خریدار کو ڈھونڈتے
 پھرے اور جب وہ ملا تو اس سے کہا کہ یہ پانچ درہم واپس لو یا میرے
 ساتھ چلو، میں دس درہم والا تھان بدل دوں گا۔

دوسری قسم احسان کی یہ ہے کہ ضرورت مندوں سے ان کی
 چیز گرام قیمت پر خرید لی جائے۔ جیسے بیوہ عورتوں کا کاتا ہوا سوت
 یا اکثر غریب بچے خواجہ لگا یا کرتے ہیں۔ انہیں زیادہ قیمت دینا سزا
 کرنے سے افضل ہے۔ مال دار سے خوب چمکائے۔ لیکن غریب
 دکان دار کو دانستہ زیادہ قیمت دے دی جائے۔

تیسری قسم احسان کی یہ ہے کہ مال کسی کو قرض دیا ہے اور وہ
 تنگ دستی کی وجہ سے قیمت ادا نہیں کر سکتا۔ اسے مہلت پر مہلت
 دینی چاہئے اور اس کے ساتھ سختی نہیں برتنی چاہئے۔

کیا جلے گناہ ہے، لیکن درویشوں اور یتیموں کا مال غضب کرنا کمالاً عظیم ہے۔ ویسے بزرگانِ سلف تو مستحیات تک میں سخت احتیاط برتتے تھے احتیاط کی حد کو دیتے تھے۔ وہ صرف یہی نہیں دیکھتے تھے کہ دودھ کس سے خریدا ہے اور قیمت کہاں سے ادا کی ہے بلکہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ جس بکری کا دودھ ہے اس نے غیر کے کھیت میں تو نہیں چرا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ بیت المال کا مشک تول رہی تھیں۔ تول چکیں تو ہاتھوں میں مشک کی خوشبو بس گئی تھی انہوں نے ہاتھ اپنی چادر پر مل لئے۔ حضرت عمروہ چادر خرد دھونے بیٹھ گئے اور جب خوش بو اڑ گئی، تب چادر اُڑھنے کو دی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سوا منے مشک رکھا گیا تو انہوں نے ناک بند کر لی اور فرمایا ”یہ کل مسلمانوں کا مال ہے۔ میں اکیلا اس کی خوشبو سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا“

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کو امر اس کے ہاں کی آرائشیں دیکھنے سے روکا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم یہ آرائشیں دیکھتے ہو تو امر اس سمجھتے ہیں کہ ہم نے دیکھنے دکھانے کے لائق کام کیا ہے اور پھر وہ امر اسراف کرتے ہیں تمہیں اسراف کی تحریک کا گناہ گار نہ بننا چاہئے۔ بزرگانِ سلف کا قول تھا کہ ظاہر کی آرائش خلق کی نظر رہ گاہ ہے اور باطن کی آرائش خلق کی نظر رہ گاہ ہے۔

زیادہ احتیاط کرنے والا اللہ سے زیادہ ڈرتا ہے، لہذا زیادہ باجور ہو گا۔ لیکن جو عمر کی شریعت کا بھی پابند نہیں رہتا وہ غضب کرتا ہے وہ فاسق ہے۔ اُسے سزا ملے گی۔

بہر حال اسلام معاملات کو عبادات سے کم اہمیت نہیں دیتا، بلکہ نماز کے سوا عبادات میں تو کچھ گنجائش ہے بھی۔ روزہ بعض حالات میں قضا کیا جاسکتا ہے اور بعض حالات میں ترک کیا جاسکتا ہے۔ زکوٰۃ اور حج سے کثیر حضرات مستثنیٰ ہیں اور نفلی عبادتوں کا تو ذکر کیا۔ لیکن معاملات میں گنجائش نہیں ہے، اللہ چاہے گا تو شرک کے علاوہ اپنے تمام حقوق نظر انداز فرما دے گا۔ لیکن حقوق العباد معاف ہوں گے تو عباد (بندوں) ہی کے معاف کرنے سے معاف ہوں گے۔

معاملات اللہ کے احکام کے مطابق انجام دئے جائیں تو خود عبادت ہیں۔ مومن کی پوری زندگی عبادت ہے۔ اللہ اپنے لئے ہم سے کوئی شے طلب نہیں کرتا۔ اللہ ہماری عبادات کا ضرورت مند نہیں ہے۔ کلمہ توحید پڑھو، انا ہیں انسانیت سکھاتا ہے۔ وہ انسان کس کام کا جو خالق کو نہ جانے، جس نے وجود بخشا ہے، اُس کا احسان نہ مانے۔ نماز جاننے اور ماننے کی عملی شکل ہے۔ اور روزہ، زکوٰۃ اور حج کے فائدے بالکل عیاں ہیں، اور معاملات کے فائدے اور زیادہ عیاں۔

ماں باپ کبھی پسند نہیں کیا کرتے کہ ان کی اولاد ایک دوسرے کے ساتھ بد معاملگیاں اور دغا بازیاں کرے۔ ایک دوسرے سے بڑا بڑاؤ کرے۔ ایک دوسرے کو ذبح کرنے لگے۔ اللہ بندوں کی بھلائی کا ماں باپ سے بڑھ کر خواہاں ہے اسلام کا مقصد یہی ہے کہ بندے بندوں پر ظلم نہ کریں۔ آپس میں سلوک اور محبت سے رہیں۔ غیر مسلموں کے ساتھ اُسے جو کرنا ہے، ان کے مرنے کے بعد کرے گا یہاں

اگر وہ اشاعت اسلام میں رخنہ نہ ڈالیں تو ان سے اچھے برتاؤ اور خوش معاشی کا حکم ہے۔ بد معاملگی اسلام کے مقصد کو فوت کر دیتی ہے۔

معاملات کا روبا تک محدود نہیں ہیں، آپ نے کسی کی روپے پیسے سے مدد کی ہے، لیکن ساتھ کے ساتھ اس پر چھلے بھی جاتے ہیں۔ اس کی بابت ارشاد ہوا: **تَوَلَّى مَعْرُوفٌ وَ مَعْفُورٌ حَيْثُ يَمْنُ صَدَقَةٌ بَتَّبِعَهَا آذَى ۖ وَاللَّهُ رَئِيٌّ حَنِيمٌ** اچھے الفاظ (اور غلام طریقے) اور درگزر (اُس) خیرات سے بہتر ہے۔ جس کے پیچھے افریت (اور دل آزاری) نہ ہو۔ اللہ غنی (اور) بربار ہے (تم بھی غنی اور بربور رہو)۔

یا آپ غریبوں کے مقابلے میں امیروں کی طرف بہت توجہ کرتے ہیں، تو یاد رکھیے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعے کو کہ حضورؐ نے یہ سوچ کر کہ سردارانِ قریش ایمان لے آئیں گے تو اشاعتِ اسلام کی رسا و طیں کم ہو جائیں گی۔ سردارانِ قریش کی طرف توجہ رکھی تھی اور ایک غریب نابینا صحابی کی طرف توجہ نہیں فرمائی تھی۔ صحابی نابینائی کے باعث موقع اور محل سے بے خبر تھے اور اپنی طرف متوجہ کئے جاتے تھے حضورؐ کو ان کی حرکت ناگوار گزری اور حضورؐ کی تیوری چڑھ گئی۔ وحی آئی: **عَبَسَ وَكُودَى ۚ اِنَّ جَاَعًا لَّا اَلْعَمَى ۚ** تیور چڑھائی، اور مونہہ پھیر لیا، کیونکہ اُن کے پاس (ایک) اندھا آیا تھا (اور وہ اس وقت آنکھوں والوں اور بڑی حیثیت کے لوگوں سے مصروفِ گفتگو تھے)۔

نماز

صفِ مسجد میں جو آئے نظر عزت کرو اس کی
یہ سمجھو تم اُسے اللہ کے دربار میں دیکھا

(اکبر الہ آبادی)

نماز کیا ہے؟ مخلوق کا اپنے دل، اپنی زبان اور اپنے ہاتھ پاؤں
سے اپنے خالق کے سامنے عبودیت کا اظہار، اس رحمان و رحیم
کی یاد اور اس کے بے انتہا احساسات کا شکریہ، حسن اثر کی
حضورِ ثنا اور اس کی یکتائی اور بڑائی کا اقرار۔

یہ اپنے محبوب سے مہجور روح کا خطاب ہے۔ یہ اپنے آقا
کے حقدار میں جسم و جان کی بندگی ہے۔ یہ ہمارے اندرونی احساسات
کا عرضِ نیاز ہے۔ یہ ہمارے دل کے ساز کا فطری ترانہ ہے، یہ خالق
و مخلوق کے درمیان تعلق اور وابستگی کی گرہ ہے۔ یہ بے چین روح
کی تسکین، مضطرب قلب کی تشفی اور مایوس انسان کی آس ہے یہ

حساس و اثر پذیر طبیعت کی باطنی چمکار ہے۔ یہ زندگی کا حاصل، اور
ہستی کا خلاصہ ہے۔ (علامہ سید سلیمان ندوی)

دشمن کی فوجیں مقابل کھڑی ہیں، تیروں کا مینہ برس رہا ہے،
نیزوں اور تلواروں کی بجلیاں ہر طرف کوند رہی ہیں، سر، ہاتھ اور بازو
کٹ کٹ کر گر رہے ہیں کہ نماز کا وقت آ جاتا ہے۔ فوراً جنگ کی صفیں
نماز کی صفیں بن جاتی ہیں اور اللہ اکبر کی آواز کے ساتھ موت اور حیات
سے بے پروا ہو کر گردیں جھکنے اور اٹھنے لگتی ہیں۔

نور کا ترکا ہے۔ دائرہ اسلام کا مرکز فاروق اعظم امام نماز ہے
پیچھے صحابہ کی صفیں قائم ہیں۔ دفعۃً ایک شقی خنجر بہ کف آگے بڑھتا ہے،
اور خلیفہ پر حملہ آور ہو کر شکم مبارک کو چاک کر دیتا ہے۔ فاروق اعظم عرش
کھا کر گر پڑتے ہیں۔ خون کا فوارہ جاری ہو جاتا ہے۔ مگر نماز کی صفیں
نہیں ٹوٹتیں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت فاروق اعظم کی جگہ
آتے ہیں اور نماز پوری کراتے ہیں۔ (ولہ)

اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد، ایمان لانے کی
پہلی نشانی، پہلی علامت اور پہلا مارکہ نماز ہے۔ حدیث ہے کہ ایمان اور
کفر کے درمیان امتیاز نماز ہی سے ہوتا ہے۔ زکوٰۃ دینے کو سب
نہیں دیکھتے۔ روزہ بھی چھپا رہ سکتا ہے۔ حاجی ہونے کا اظہار کرتے
پھر ناتواں کبھی برا لگتا ہے۔ لیکن نماز کے لئے حکم ہے کہ ظاہر کر کے بڑھو۔
تہجد اور اشراق وغیرہ کا ڈھنڈورا مت پلیٹو مگر فرض نمازوں کے گواہ
بناد۔ مسجد میں آؤ۔

پانچ وقت کی نماز عورت مرد۔ بوڑھے جوان، امیر غریب،

بیمار اور تندرست ہر شخص کے لئے لازمی ہے۔ بیماری کی وجہ سے مسجد نہ یا سکوتر گھریں پڑھو۔ کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھو۔ بیٹھ کر نہ پڑھ سکو تو لیٹے لیٹے پڑھو۔ پڑھو اور مرتے مرتے پڑھو۔ سوائے حیض و نفاس کے کسی وقت اور کسی حال میں نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔

زکوٰۃ صرف اہل نصاب پر فرض ہے۔ روزہ انتہائی کم زوری ہو تو قضا کیا جاسکتا ہے یا اس کا فدیہ دیا جاسکتا ہے۔ حج دولت مند کرتے ہیں۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيلًا۔ لیکن نماز کا معاملہ دوسرا ہے۔ قریباً اقرار کو توحید رسالت کے معنی کیا ہیں۔ اگر رسولؐ کی اتنی بات بھی نہ مانی جائے کہ اللہ کے آگے سر جھکاؤ وہ نماز وہ فرض ہے جو اسلام کے ساتھ ساتھ پیدا ہوا اور اس کی تکمیل اس شبستانِ قدس میں ہوئی جسے معراج کہتے ہیں۔ نماز عاتقہ المسلمین کی معراج ہے۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج سے اسلام مکمل ہرگز نہیں ہو جاتا۔ جو حضرات ارکانِ اسلام پر اسلام کو ختم سمجھتے ہیں وہ ناواقف اور سادہ لوح ہیں لیکن جو لوگ ارکانِ اسلام کی پرواہ نہیں کرتے اور بس معاملات کو اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے معاملات پابند ارکانِ مسلمانوں سے بدتر ہیں، اور وہ زیادہ ناواقف اور فریب غور وہ ہیں۔

مسلمانوں کی نمایاں پہچان نماز ہے۔ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ۔ مسلمان اپنی نماز سے (غفلت اور تساہل نہیں بہتے) خبردار (اور ہوشیار) رہتے ہیں۔ اَلَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ (مسلمان) وہ جو اپنی نماز پر مداومت کرتے ہیں

(ناز ہمیشہ پڑھتے ہیں)

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مسوح ہوئے تو توحید کے بعد پہلا حکم حضور کو ناز کا ملا کیا ایتھا اُمَدَ قَرَّہَا قَمَدَ فَاَنْذِرَہَا وَرَکَّکَ فَلَیْزِدَہَا اے چادر اوڑھنے والے! اٹھو۔ لوگوں کو عذاب الہی سے) ڈراؤ۔ اور اپنے پروردگار کو تعظیم سے یاد کرو۔

”تعظیم سے یاد کرنا“ ناز کی بنیاد تھی۔ پھر ناز آہستہ آہستہ تکمیل کے مدارج طے کرتی رہی اور روحانی معراج کی سرحد تک پہنچ گئی، اور جمادات، نباتات اور حیوانات کی پرستش اور ہر کس و ناکس کے سامنے سر جھکانے کے بدلے اس کی پرستش کی جانے لگی، جو حقیقتاً پرستش کا مستحق ہے۔ اللہ اور بندے کا ٹوٹا ہوا رشتہ جرط گیا۔

ابتداءً اسلام میں ناز پڑھنا بہت دشوار کام تھا۔ ناز پڑھتے دیکھ کر دشمن ہلا بول دیتے تھے اور نزعہ کر لیتے تھے۔ بدبختوں نے ایک مرتبہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک کے اوپر ناز کے دوران میں اونٹ کی اتنی بو جھس او جھڑی ڈال دی تھی کہ حضورؐ بو جھ سے دب گئے تھے اور ہل نہیں سکتے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تشریف لا کر او جھڑی کو ہٹایا تھا، بدبخت گلے میں پھندا ڈال دیتے تھے اور اسے کھینچتے تھے۔ گلا گھٹ گھٹ جاتا تھا اور ناز پڑھتے وقت حضورؐ کا اور حضورؐ کی ناز کا مذاق اڑانا، اور سیٹھا اور تالیاں بجانا تو روز کی بات تھی، اسی وجہ سے حضورؐ نے محن حرم کی بجائے غاروں میں اور دروں میں چھپ چھپ کر ناز پڑھتی شروع کر دی تھی۔

یا پھر رت کے سائے میں اس دشمن کو ادا کرتے تھے۔ دن کو حرم میں نماز
 نہیں پڑھتے تھے۔ سزا سونے کے باوجود حکم آتا ہے۔ **وَأَمْرًا هَاسِتًا**
بِالْصَّلَاةِ وَالْعَدْلِ عَنِ عِبَادَتِنَا۔ اپنے گھروالوں پر نماز کی تاکید
 رکھو اور عدل بھی اس پر ہے۔ دشمنوں کے پریشان کرنے سے
 پریشان دست ہونا۔

حکم ہے: **فَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِمَا كَانَتْ أَدْبَارُ**
عَلَيْهِ كَهَيْئَةِ الْخَلْقِ وَأَوَّلُ خَلْقِهِ نَفْسًا نَاقِصَةً
بِرَبِّهِهَا كَأَنَّهُ يُغْوِي غَاوً۔ پکارو۔ **وَإِذْ مَخَّوْهُ خَوْفًا**
وَكَمَعًا۔ اور اس کو ڈرا اور میوڑ کی ٹیٹلی کیفیت کے ساتھ پکارو۔
 قرآن مجید نے انسان کی اس فطرت کا جا بجا نقش کھینچا ہے، اور
 سوال کیا ہے کہ جب کوئی مصیبت پڑتی ہے۔ مثلاً ممبر میں طوفان
 آتا ہے اور تمہارا جہاز طوفان میں بھٹس جاتا ہے تو وہ کون ہوتا ہے
 جس سے تم فریاد کرنے لگتے ہو۔ انسانی فطرت اسی کی متلاشی ہے جس
 سے عرض نیاز کرے۔ جسے دل کی تمنائیں سنائے۔ جس کے آگے
 جھکے جس کے قارسوں میں سر رکھ دے۔ نماز روح کے اسی فطری
 مطالبے کا علاج ہے۔ دل کی گہرائیوں میں ایک ساز ہے جو نامعلوم
 انگلیوں کے چھونے سے بجاتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اپنے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کو بے آب و گیاہ
 ویران سرزمین میں اسی لئے آباد کرتے ہیں کہ وہ ہاں بھی نظام صلوٰۃ قائم
 ہو جائے۔ **(يَبْقِيَةُ الصَّلَاةُ)**۔ پھر حضرت ابراہیمؑ اپنے
 اور اپنی نسل کے لئے دعا مانگتے ہیں تو یہی کہ **رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ**

الصَّلَاةُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ اے پروردگار! مجھ اور میری
نسل کو نظامِ سلوٰۃ قائم کرنے والا بنا۔

حضرت اسمعیلؑ اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم فرمایا کرتے تھے
وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ۔

حضرت شعیبؑ کو ان کی قوم نے نماز ہی کا طعنہ دیا تھا اَنصَلَوْتُكَ
يَا مُوسَى اَنْ تَكُوْنُ مِمَّنْ يَتَّبِعُ اَبَاءَهُمْ ۚ كَمَا تَرَاهُمْ يَنْسَارُوْنَ
میں یہی سکھاتی ہے کہ ہمارے باپ دادا جسے چاہتے ہیں ہم اسے
چھوڑ دیں۔

حضرت موسیٰؑ سے کہا گیا کہ میری (یعنی اللہ کی یا اے نبی نماز
پر ہو۔ رَاقِمُ الصَّلَاةِ اِذْ كُنْتَ)۔

حضرت زکریاؑ کی نسبت فرمایا ہے: وَهُوَ قَائِمٌ يُّصَلِّي
فِي الْمِحْرَابِ وہ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت عیسیٰؑ کے الفاظ ہیں۔ فَاصْبِرْ لِّمَا يَصْلُحُ لَكَ مِنَ الصَّلَاةِ۔ اللہ نے
مجھے نماز کا امر کیا ہے۔

غرض نماز نئی چیز نہیں ہے لیکن حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم جب تشریف لائے ہیں تو نماز کی معجزانہ شان مبارک چمکتی تھی۔

سجدہ جو نماز کی جان ہے قطعی ترک کر دیا گیا تھا۔ سورۃ مریم میں انبیاء
کو نام بنام ذکر کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَخَلَفَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ

خَلْفَتِي اَتَمَّاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبِعُوا الشَّهَادَاتِ۔ ان کے بعد
ان کی جگہ ایسے لوگوں نے لی جنہوں نے نمانہ کو برباد کر ڈالا، اور اپنی

خواہشات کی پیروی کی (انہی من مانی کی)۔ نماز کی حقیقت سے واسطہ

نہ دکھا اور نماز کی روح کو نکال باہر کیا)

قرآن مجید میں سورہ نحر سے زیادہ نماز کی تعریف کی گئی ہے اور اس کی بجا آوری پر زور دیا گیا ہے۔ نماز میں عسستی اور جاہلی ریتے کو نفاق کی علامت کہا۔ ہے اور نماز ترک کرنے کو کفر کی علامت۔ بتوں کی پوجا جنات کی دہائی اور فرشتوں کو خوشامد سے باز آؤ اور اپنا مونہ ہر طرف سے پھیر کر ٹھیک دین توحید کی طرف کرلو۔ وہی نصرت اللہ ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتِ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا۔ اور نماز کو قلم رکھو اور مشرکوں کے طریقے میں شامل نہ رہو۔ وَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں : ” نماز دین کا ستون ہے ، اس طرح ستون کو گر جانے سے عمارت گر جاتی ہے۔ اسی طرح نماز کے ترک کرنے سے دین کی عمارت ختم ہو جاتی ہے حیات سرور کائنات کا حصہ اول ملاحظہ کیجئے۔ عاقبت کے وفات کے حضور سے گفتگو شروع کی تو کہہ کہ ہم مسلمان ہوتے ہیں ، ہمیں نماز جہاد اور زکوہ سے مستثنیٰ کر دیجئے۔ حضور نے جہاد اور زکوہ سے مستثنیٰ کر دیا ، لیکن نماز کے متعلق فرمایا ” جس دین میں اللہ کے سامنے جھکنا ہو ، اس دین میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔“

ایک حدیث ہے : نماز دلی کا روشنی ہے۔

ایک حدیث ہے : نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات سے آخری

انسان جو فراموش ہو جائے وہ نماز اور غلام " تھے۔ یعنی نماز اور غلام کا فروغ خیال رکھنا۔ نماز ادا ہوتی ہے اور غلاموں کے ساتھ میرا بتایا ہوا معاملہ لیا جائے۔

ایک حدیث ہے: نماز قرآن پڑھنے اور اللہ سے دھیان لگانے اور اس کی پاکی اور بڑائی بیان کرنے کا نام ہے۔

قرآن مجید میں ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ آگاہ رہو کہ دل فقط اللہ کی یاد سے تسکین پاتے ہیں۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ۖ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى کامیاب وہ ہوا جس نے اپنے آپ کو پاک اور مزے کیا اور اللہ کا نام لیا اور نماز پڑھی۔ جب کوئی اُفت آئے یا تکلیف ستائے تو رَاَسْتَجِیْبُوْا بِالصَّبْرِ ۚ وَالصَّلٰوةِ ثَابِتِ قَدَمٰی اور نماز کے ذریعے (ہم سے) یعنی اللہ سے مدد مانگو۔

ایک حدیث ہے کہ تم اپنے پروردگار کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اُسے دیکھ رہے ہو اور وہ تو بہر حال تمہیں دیکھتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے: رَاَقِبِ الصَّلٰوةَ ۚ اِنِ الصَّلٰوةَ تَنَهٰی عَنِ الْفَحْشَاۃِ وَالْمُنْكَرِ ۚ نماز کبھی مت ترک کرو نماز کو ضرور بالضرور اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرو۔ نماز (اگر عبادت اور خشوع و خضوع اور حسن نیت و حضور قلب کے ساتھ ادا کی جائے تو) بیہودگیوں اور ناشائستہ حرکتوں (کے کرنے) سے باز رکھتی ہے۔ حضور قلب اور خشوع و خضوع تو بڑے اوصاف ہیں، محض عبادت کرنے والے نمازیوں کو یہ کیجیے۔ آج بھی معمولی نمازی اپنے درجہ

اور مرتبے کے لئے نواز سے بہتر نکلے گا۔ مثلاً ہلکے اور چیر اسی کا نہ کیجئے
نازاری ککڑ اور بے نازی ککڑ کا کیجئے یا نازی چیر اسی اور بے نازی چیر اسی
کا کیجئے۔

خیر ناز سے یہ دو دیوبند اور ناشائستہ حرکتوں، اخلاقی کمزوریوں
اور نفسیاتی برائیوں کی کمی کا مشاہدہ آج بھی ہوتا ہے۔ یہودی گلیاں اور
ناشائستہ حرکتیں چھوڑ دینا ہی تزکیہ نفس ہے اور قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى
جس نے نفس کا تزکیہ کر لیا وہ کامیاب ہو گیا
ناز کے شرارت اور برکات کے متعلق غنیمت اور سرور کا مینا صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ بطور تمثیل فرمایا کہ اگر کسی شخص کے گھر کے آگے
صاف شفاف نہر بہتی ہو اور وہ شخص اس میں روز پانچ وقت ڈالتا،
ہو تو کیا اس کے بدن پر میں رہ سکتا ہے، صحابہ نے عرض کیا نہیں
یا رسول اللہ۔ ارشاد ہوا۔ ناز بھی اسی طرح انسان کے گناہ
دھو دیتی ہے۔

إِنَّ الْحَيَاتِ يَذْهَبْنَ السَّيِّئَاتِ ط ذِلَّةً
ذُرِّي يَذْهَبْنَ الْكِرْمِ -

نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔ یہ نصیحت قبول کرنے والوں کے لئے
ایک عمدہ نصیحت ہے۔

کمزور مٹی کو تیز دھت انسان کو بدن سے بچتے ہوئے ہم آپ بھی
دیکھتے ہیں۔ نیکی کو ہلاوت بدی کا مستقل خاتمہ کر سکتی ہے صحابہ کرام
کی سعادت یہی تھی کہ بخاری کا دوبارہ اور خرید و فروخت کے مشاغل انہیں
اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتے تھے۔ ان کی شان میں اللہ کا ارشاد

ہے۔ رجالاً لّا قُلُوبَہِمْ تَبْجَاکَہُ وَلَا بَیْضَ عَیْ ذِکْرِ اللّٰہِ۔
ایسے لوگ جنہیں تجارتی کاروبار اور خرید و فروخت کے مشاغل اللہ کو یاد
سے غافل نہیں کرتے۔

اسلام نے عبادت کی دو قسمیں رکھی ہیں۔ ایک عام سنیہ و تہلیل اور
ذکر الہی، اس کے لئے نہ زمانے کی قید ہے، نہ مکان کی شرط ہے۔ نہ
اسٹھنے بیٹھنے کی پابندی ہے۔ یہ عبادت ہر فقیر و شہر طے کے بغیر ہر خطہ
اور سرحد و رت میں انجام پاسکتی ہے۔ دوسری قسم عبادت کی وہ ہے جو عین
شکل و صورت کے ساتھ، خاص اوقات میں ادا کی جائے۔ پہلا طرز
عبادت، انفرادی ہے۔ اسے جماعتی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ وہ تنہائی
کامراز ہے، جس کو اس طرح نہ موشی سے ادا کرنا چاہئے کہ ریا، اور
تاکش کا شائبہ نہ پیدا ہو۔ دوسری قسم کو عبادت جماعتی اور متحدہ
طریق کی عبادت ہے۔ اس کو جماعت میں شامل ہو کر ادا کرنا چاہئے
پہلی قسم کی عبادت فرض نہیں ہے، دوسری قسم کی عبادت فرض ہے
اسے ادا نہ کرنے پر عاقبت میں بھی سزا ملے گی اور دنیا میں بجا سزا مل
سکتی ہے۔ اسے جماعت کے ساتھ ادا نہ کیا جائے تو ثواب کھٹ
جاتا ہے۔

نماز کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان کعبۃ اللہ
کی سمت رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ ذرا تصور کیجئے۔ نماز کے واسطے
کوئی سمت مقرر نہ ہوتی اور مسلمان جس سمت چاہتے رخ کر کے نماز پڑھ
لیا کرتے، کسی کا رخ مغرب کی سمت رہتا کسی کا مشرق کی سمت اور کوئی
شمال کی سمت رخ کرتا اور کوئی جنوب کی سمت تو کیسا بھونڈا منظر

نماز میں۔ میں نے ایک دعوت میں ایسا منظر دیکھا ہے۔ دسترخوان پر
 بچا یا بیٹا تھا۔ جو جہاں بیٹھا تھا وہیں اس کا کھانا رکھ دیا تھا۔ کچھ تو
 نریمانہ بڑا بھونڈا تھا۔ علی ہذا میرا اس تصویر سے جیالتا ہے کہ مختلف
 سمتوں میں نماز پڑھتی جا رہی ہے۔ سلیقہ اور شان اسی میں ہے کہ مسلمان
 بہت سیدھی صفت بنائے اور کھڑے سے کھواڑے ایک سمت رخ
 کئے کھڑے ہیں۔ نماز کی یہ خصوصیت دنیا بھر کے مسلمانوں کو یک رخ
 یک جہتی اور یک رخگی سکھاتی ہے اور وحدت کا راستہ دکھاتی ہے۔ یہی
 نماز کا خمیر ہے۔ نماز قرار تو سیر کی علی کیفیت کا اظہار ہے، خاص طریقے
 خاص وقت اور خاص سمت اختیار کئے بغیر یہ اظہار نہیں ہو سکتا تھا اور
 اسلام کی وحدت کا نظام قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ نماز نے کروڑوں جموں
 کو متحد جسم بنا دیا۔

انسان انسان کی تعظیم کرنی چاہتا ہے تو اسے دیکھ کر کھڑا ہو جاتا
 ہے۔ نماز میں قیام وہی تعظیم ہے۔ ہم اللہ کو اپنے روبرو دیکھتے ہیں،
 یا کم از کم یہ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ ہمارے روبرو ہے۔ ہم اللہ کی تعظیم
 کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر اس کی کیر بائی اور اس کا جلال ہم پر
 پھونکا ہے تو اس کے آگے جھک جاتے ہیں اور بار خراہی عاجزی اور اپنا
 تذلل محسوس کر کے اس کے قدموں پر سر رکھ دیتے ہیں۔ کس قدر فطرت
 کے مطابق ہیں۔ نماز کی حرکتیں اور کتنا تال میل ہے ان حرکتوں اور تال
 دعاؤں میں جو نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔ دعاؤں اور حرکتوں سے انسان
 عرض والتجا اور تذلل و عاجزی کی تصویر بن جاتا ہے۔
 روح اور جسم دونوں اللہ کے مخلوق ہیں۔ انسانی زندگی کے

یہ دونوں جزا اللہ کے احسانات و انعامات سے نیچیاں گراں بار ہیں۔
 ہذا ضرورت ہے کہ روح اور جسم دونوں اپنے خالق اور اپنے پروردگار
 کے حضور تعظیم کو کھڑے ہوں، جھکیں اور سجدہ کریں۔ تعظیم کی یہی تین صورتیں
 ہیں۔ چوتھی صورت طواف کی ہے جو نماز میں ممکن نہ تھی، وہ حج میں
 برقی جاتی ہے۔

لوگ تعظیم کی یہ صورتیں انسانوں، حیوانوں، نباتات اور جادات
 کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور مسلمان اللہ اور صرف اللہ کے ساتھ جنہوں
 نے اپنی تعظیم اس صورت سے کرائی کہ اللہ کے بندے یا تھریا بندھے
 اور صفیں بنائے ان کے سامنے کھڑے ہیں اور ان کے آگے جھک رہے
 ہیں اور انہیں سجدے کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو بھی تباہ کر لیا
 اور اپنی قوم کو بھی تباہ کر دیا۔ اور جو آج اپنی تعظیم کے لئے ان سبوں کو
 پسند کرتے ہیں وہ بھی تباہ ہوں گے۔ دیر ہے، اندھیر نہیں۔

ذرا اٹھ کر جاؤ مومن مراد لڑ رہا ہے
 کہیں کعبہ گرنے کی تریستی آواں سے

زکوٰۃ

نماز وائے مضنون میں سلوڈ کے ساتھ یک درجہ میں تے نظام کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی خای صلوٰۃ نہیں لکھا، نظام صلوٰۃ لکھا ہے۔ نماز کا مخفی مقصد یقیناً خالق و مخلوق کے درمیان رابطہ پیدا کرنا ہے۔ لیکن یہ رابطہ عام تسبیح و تہلیل اور ذکر الہی سے پیدا ہو سکتا تھا۔ یا گھر کے اندر فرداً فرداً نماز پڑھ لینے سے ہو سکتا تھا۔ نماز باجماعت پر زور دینے کی کیا ضرورت تھی۔

نماز باجماعت پر اس لئے زور دیا گیا۔ ہے کہ اسلام فقط خالق و مخلوق ہی میں نہیں، مخلوق و مخلوق میں بھی رابطہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یا مخلوق و مخلوق کے رابطے کے ذریعے خالق و مخلوق میں رابطہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔

مخلوق و مخلوق کے رابطہ سے پیدا ہوتا ہے نماز باجماعت

کا ایک بڑا فائدہ نظام جماعت قائم کرنا ہے۔

لے مشہور ہے کہ مساجد میں دنیا کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ ان باتوں سے عباد
 وہ بائیں میں جو قرآن و سنت کے خلاف ہوں۔ مگر اگر یہ باتیں دین سے نہ ہوں
 اسلام نے دین اور دنیا کی تفریق نہیں رکھی ہے۔ دنیا کا صحیح استعمال ہی دین ہے۔
 حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور غلامانہ کے راشرین کے
 زمانے میں زندگی کے تمام مسائل مسجد کے اندر طے پائے تھے۔ چنانچہ مسجد میں شادی
 مسجد کے اندر منعقد کی جاتی تھیں۔ اسکے بعد اگر کسی نے بیعت میں نہ رہا تو اسے قتل
 تھے۔ کفار کے وفد اگر مسجد میں کھڑے ہوتے تھے

جن باتوں کو منع کرنے والوں نے منع کیا ہے وہ صرف مسجد کے اندر
 نہیں، مسجد کے باہر بھی منع ہیں۔ لہذا وہ عصب اور رنگ و رنگینوں کی باتیں نہیں
 میں ہرگز متا لیجئے۔ لیکن مسجدوں کو محض نماز و اعتکاف کے لئے ٹھکانہ بنادینا نہ
 سمجھئے اور مسجدوں کو کھوے سے کھوا دلانے کے ساتھ دل سے دل ملائش کے
 کام میں ضرور لائیے۔ بغیر اس کے سبب پلائی ہوئی دیوار بننا حال ہے۔

مسجدوں میں مکتب اور مدرسے قائم کئے جاسکتے ہیں۔ مسجدوں کے
 ذریعے بغیر وہیہ خرچ کئے، میونسپلٹیوں، اسمبلیوں اور پارلیمنٹ کا ایکشن
 ہو سکتا ہے۔ مسجدوں سے کام لیجئے۔ مسجدیں دوڑھائی گھنٹوں کے سوا اس کے
 وقت بے مصرف رہتی ہیں۔

زندگی کے مسائل کو نمازیں کا ضمیمہ اور ترقی بنائیے۔ خصوصاً قریباً ہر نماز
 کے بعد زندگی کے مسائل لے کر بیٹھا کرتے تھے۔ مدرسوں اور لیکشنوں کے
 درمیان کے جد مسائل مساجد کے اندر غیب حل ہو سکتے ہیں۔

اسلام کے پورے نظام کی جڑ نماز باجماعت ہے۔ نہ تو یہ اسی نظام کی کڑی ہے۔ ایسی کڑی جسے نماز کے برابر کا درجہ حاصل ہے۔ نہ کوئی نماز کی طرح رکن اسلام ہے۔ توحید کے بعد پہلا رکن نماز دوسرا رکن نہ تو ہے۔ قرآن مجید میں صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی تاکید یا کھل جہڑواں کی گئی ہے جہاں صلوٰۃ کا ذکر آتا ہے وہیں فوراً زکوٰۃ کا ذکر آتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ نماز ہر نماز میں سب کو پڑھنی پڑتی ہے، زکوٰۃ سے مفلس کے لئے (غنیہ سے) اس نصاب مستثنیٰ ہے۔ یا نماز اللہ کا حق ہے اور زکوٰۃ بندوں کا حق۔ یہ نماز تنفیہ کا اور زکوٰۃ تہذیب کا ہے اور زکوٰۃ مادی بنیاد۔ نماز باجماعت کا تہذیبی نظام جماعت قائم کرنا ہے اور زکوٰۃ تہذیبی نظم جماعت کے قیام کے وسیلہ سرایہ بہ بہ بنیاد۔

زکوٰۃ دولت کی خواہش، غنا کی جستجو، بڑی جاتی ہے، علامت انارک کو امداد، بغیر دہیہ دیکے کاوں میں سرف کی ہوتے۔ زکوٰۃ انارک کو آواز دینا، نمبر۔ آمدنی کا ٹیکس، یعنی پنچ ٹیکس کسی۔ سالانہ آمدنی پر دوا شہت بلو جاتا ہے اور کسی کو دھوکا بازی سکھاتا ہے۔ زکوٰۃ کویت سکھاتا ہے۔ آپ کی آمدنی نہ ہزار روپے ماہوار ہو۔ لیکن جائیداد ہزار روپے کر کے بچانے کی نیت اور کوشش کے باوجود سال کے ہاتھ پر اتنا روپیہ بچ

نہ ہوا۔ سے پہلے، جب میں دلی میں تھا تو ایک بہت بڑے دیوانے کے معقول حکم کرتا تھا کہ اس نے پانچ ہزار روپے ماہوار کا ایک ماہرا حکم ٹیکس نوکر کو دینا ہے۔ جب ایسی آدھیں بتاتا رہتا ہے کہ اسے پورا ٹیکس نہیں دینا پڑتا۔ انگریز ٹیکس چلانے کے لئے حساب دیکھنا تو عام بات ہے۔

کے پاس نہ بچے جتنا بچے کی صورت میں زکوٰۃ دی جاتی ہے تو آپ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

روپے کو متحرک رہنا چاہئے۔ آج ایک کے پاس ہے۔ کل دوسرے کے پاس۔ کوئی روپے پر سانپ بن کر نہ بیٹھے۔ اس سال کی بچت چالیس سال میں قطعاً قبضہ سے نکل جائے۔ پس یہ ہے زکوٰۃ، یہ ہے اسلامی ٹیکس۔ دولت چننا اور یا چند خاندانوں میں رکے رہنے کی کشتہ نہیں ہے۔

بے زیادہ سے زیادہ انسانوں تک پہنچانا اور زیادہ سے زیادہ انسانوں کے کام آنا چاہئے۔ چالیس سال کے اندر تو آج کے مال و متاع کا آپ کے ہاتھ سے چلا جانا لازمی اور فرض ہے۔ ویسے منشاء خداوندی اس آیت نے صاف کر دیا ہے: **يَسْأَلُوكَ مَاذَا يَنْفِقُكَ**۔ **قُلِ الْعَفْوَ** (اے رسول! مسلمان) آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کس قدر خرچ کیا کریں تو (انہیں) بتادو کہ جس قدر تمہاری (ذاتی) ضرورتوں سے زیادہ رہے (سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دو۔ اپنے آپ کو گراؤ نہیں۔ غریب مت بناؤ۔ لیکن امیر سے امیر تر بھی نہ بناؤ بلکہ زائد از ضرورت مال، متاع غریبوں کو اونچا لے جانے میں لگا دو۔)

نادار صحابہ (جو) اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بے تاب رہا کرتے تھے، جب حکم ہوا کہ صدقہ دینا ہر مسلمان پر فرض ہے تو نادار صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ کیا کرے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ وہ محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ بھی بھریں اور دوسروں کو بھی دے۔ صحابہ نے عرض کیا: کسی میں اگر محنت، مزدوری کرنے کی طاقت نہ ہو تو وہ اس حکم کی تعمیل کیوں کر کر سکتا ہے۔ حضور نے

فرمایا: پیش کے علاوہ اور طریقوں سے اہل حاجت اور فریادخواہ کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے

اسلام نے زکوٰۃ کا مکمل نظام تیار کیا ہے۔ سونے چاندی کی جانور اور پیادوار کی الگ الگ شرعی مقدار مقرر کر دی ہیں۔ سونے چاندی کی زکوٰۃ دہائی فی صدی ہے۔ پیادوار کی دس فی صدی جانوروں کی مختلف قسموں اور مختلف امداد پر قیمت کی کمی بیشی کے لحاظ سے مختلف شرحیں ہیں۔ افراط زربس نے آج کل دنیا کو چھوڑ رکھا ہے اور جس کا علاج انکم ٹیکس اور سوپر انکم ٹیکس نہیں کر سکا۔ اس کا علاج اسلامی ٹیکس، زکوٰۃ سے مل سکتا ہے۔ بشرطیکہ بادشاہ البرک و عمر کے متلازمین جائیں اور ابو بکر و عمر کی مانند زکوٰۃ کی وصولی و خرچ کا انتظام کریں۔ زکوٰۃ کو اپنے ہی اوپر نہ خرچ کر دیں۔

سلفہ ہجری میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں جا کر اسلام کی دعوت دو اور کہا کہ پہلے توحید کا مطلب سمجھانا۔ لوگ توحید سے واقف ہو جائیں تو بتانا کہ دن میں پانچ وقت کی نماز فرض ہے۔ پھر بتانا کہ زکوٰۃ بھی فرض ہے جو ان کے دولت مندوں سے لے کر ان کے غریب پر خرچ کی جائے گی۔

نماز جماعت اور مسجد کے بغیر ادا ضروری جاتی ہے مگر اپنے بعض مقاصد سے دور رہ جاتی ہے۔ علیٰ ہذا زکوٰۃ بیت المال کی صحیح صورت کے علاوہ ادا ہو جاتی ہے لیکن اس کے بعض اہم مقاصد زندگی نہیں پاتے یہی وجہ تھی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب چند قبیلوں نے کہا کہ ہم زکوٰۃ بیت المال میں داخل نہیں کریں گے۔ بطور

خود اسے صرف کر دیا کریں گے تو شریعت محمدی کے شناسائے راز نے ان کی یہ تجویز قبول نہیں کی اور انہیں بزور مجبور کیا کہ زکوٰۃ بیت المال میں دے دیں کریں۔ تب پہلوں کی تجویز مان لی جاتی تو اسلام کی وحدت کا سرشتہ اسی وقت پارہ پارہ اور مسلمانوں کی امامت و جماعت کا نظام اسی وقت درہم برہم ہو جاتا۔

انفرض زکوٰۃ یا دوسرے انفاق میں شریعوں کی چارہ گری مسکینوں کی دست گیری، مسافروں کی امداد، یتیموں کی سرپرستی، بیواؤں کی نگرانی، غلاموں اور قیدیوں کی رہائی کا اہتمام مٹتی، ہم عبارت سے۔ کائنات زکوٰۃ بیت المال میں جمع ہوا۔ ایمان داری سے شریعت کی جائے۔

اسلام کا خلاصہ یہی درنظر ہیں، صلوة اور زکوٰۃ، نماز کا حق اور نیکوئی کا حق جس طرح نماز کا آغاز اسلام کے ساتھ ساتھ ہوا اسی طرح زکوٰۃ کا آغاز اسلام کے ساتھ ساتھ ہوا۔ شروع میں نازی ہی لینیم یہ شکل نہیں تھی جو مدینہ منورہ پہنچ کر اور رفتہ رفتہ بنی۔ اور شریعت میں زکوٰۃ کا بھی یہ نظم نہیں تھا جو فتح مکہ کے بعد اختیار کیا گیا لیکن مالی خیرات کا ترغیب اور دایک نماز کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑا۔ سورہ مدثر شریف نے زکوٰۃ کی سورہ ہے اُسے پڑھئے۔ ارشاد ہے: **وَرَزَقْنَاكَ يٰٓاٰدَمُ**... **وَلَا تَكْسِنُ**... **تَسْكِنُ**... اپنے پروردگار کو تنہا سے یاد کرو... اور کسی پر اس طرح احسان مت کرو کہ (ایک وقت تو احسان کرو، اور دوسرے وقت، زیادہ بدلہ چاہو۔

ابتدائے اسلام میں زکوٰۃ کے معنی محض خیرات تھے۔ پروردگار کو ایک سوئی اور تقسیم سے یاد کرنا نماز کی روح ہے اور احسان کر کے بارگاہ

چاہنا زکوٰۃ کی طرح ۔

کہہ ہیں اپنی بڑی جنت ، زیادہ تنہا کہ تسکینہ عالی اور غربت اور سبکی ۔
پیشانی پر ہر پیرا سنگری کے باوجود جس بھوکے کو کھانا اٹھلایا جائے ، آتش
تھلے ان کی غریبہ فرماتا ہے :

وَبُذِّبَتْ اِنَّ الطَّعَامَ عَنِ حَبْلٍ مُّسْتَكِبٍّ
يَكْتُمُهَا وَرَاسِيْلًا ۝ اَلَيْسَ لَهَا ظَهْرٌ ثُمَّ
يُجَسِّدُهَا فِي بَطْنٍ ۚ وَمَنْ يُجَسِّدْهَا فَيَنسِفْهَا
فِي الْغَدِّ ۚ كَلَّا لَا تَكُوْنُ اِلَّا

وہ تو دھجھ کے رہتے ہیں اور کھانا چاہتے ہیں اور قیصر کو تنہا دکھانا دیتے ہیں
(اور جب کھانے والوں کا تسکینہ ادا کرتا ہے تو کہتے ہیں ، بھائیو !
جہ سے تو (غنا سن) اللہ کی رضا جوئی کے واسطے کھانا کھلا دے ۔ ہم
تو اسے تسکینہ اور ہرے کے طالب کیا ۔ نہیں ہیں ۔

تہ فہم مکتے سے قبل زکوٰۃ کا تنظیم کا موقع نہیں آیا تھا ۔ رمضان
میں ہجری ۱۱۱۱ھ میں فتح ملے اور اسلام سارے ملک عرب پر چھایا ۔
تب یہ حکم ملا ۔

اَلَمْ يَكُنْ مِنْكُمْ نَفْسٌ مِّنْ شَيْءٍ
وَلَمْ يَكُنْ مِنْكُمْ نَفْسٌ مِّنْ شَيْءٍ

اے رسول ! ان کے مالوں میں سے زکوٰۃ لے لو تاکہ اس کے ذریعے سے
تم انہیں (گناہوں اور مال کے میل کچیل سے) پاک کر سکو ۔
چنانچہ ہرم سلسلہ ہجری میں بیت المال کھلا اور زکوٰۃ کے محدث
شہر کر گئے اور زکوٰۃ کے قوانین مرتب کر دیے گئے ۔ سورہ بارات میں
جو سلسلہ ہجری میں حق زکوٰۃ کے اصولی قوانین و احکام مقرر ہیں ۔

زکوٰۃ کی تنظیم میں پہلی چیز اس کی مدت کا تعین تھا، آمدنی کا اصل
 مرکز چھ ماہ کی پیداوار کے بعد بیوہ پار، صنّاعی اور سب کچھ۔ لہذا سال بھر
 کی مدت رکھی گئی کہ جاڑا گرمی، برسات، بریج اور خریف تمام موسم اور فصلیں
 گزر جائیں اور زمیندار، کاشتکار، تاجر، ملازم اور صنّاع، ہر ایک
 آمد و خرچ کا حساب کرے اور اپنی مالی حالت کا اندازہ لگائے۔ بڑے
 جانوروں کی پیدائش اور افزائش کا زمانہ بھی اوسطاً ایک سال ہے۔

زکوٰۃ کی تنظیم میں دوسری چیز مقدار ہے۔ اس کا اسلام نے اصول
 قرار دیا ہے کہ جس کام پر محنت اور سرمایہ کم صرف ہو، اس کی زکوٰۃ زیادہ
 اور جیسے جیسے محنت اور سرمایہ بڑھتا جائے ویسے ویسے زکوٰۃ کم،
 مثلاً جہاد کا مقصد دین کی حمایت اور اعلیٰ کے کلمہ اللہ ہوتا ہے،
 مال غنیمت حاصل کرنا نہیں ہوتا۔ مال غنیمت ایک زائد ہونے ہے جو
 روکن میں مل جاتی ہے۔ لہذا اس کی زکوٰۃ بیس فی صد ہوتی ہے؛

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ
 لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي
 الْقُرْبَىٰ وَلِلْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ
 السَّبِيلِ

(خوب) جان لو (اور یاد رکھو) کہ (ڈرائی میں کافروں کا، جتنا مال و متاع
 ہاتھ لگے اس کا خمس (یعنی پانچواں حصہ) اللہ کے لئے اور رسول
 کے لئے اور رشتہ داروں کے لئے، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں
 کے لئے (یعنی جماعت کی مشترکہ ضروریات کے لئے)
 یاد دہانہ نکل آئے تو اس پر بھی خمس یعنی بیس فی صدی زکوٰۃ ہے

یہ زکوٰۃیں یافت پر مبنی - جنہاں درود فقیر کی یافت اتفاقی یافت ہے -
 پیداوار میں بعض پیداواریں ہیں کہ انہیں کچھ عرصہ رکھا جاسکتا ہے
 جیسے میوے، چن اور بعض پیداواریں کہ انہیں دو تین دن بھی نہیں
 روکا جاسکتا جیسے سبزیاں، شرابیاں، سبزلیوں، ترکاریوں پر زکوٰۃ،
 مطلق نہیں ہے۔ جس سامان میں نشوونما پانے اور ترقی کرنے کی صلاحیت
 نہ ہو وہ بھی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے جیسے لباس ہے اور گھر کا اسباب ہے
 لیکن زکوٰۃ سے بچنے کی نیت رکھ کر نشوونما نہ پانے اور ترقی نہ کرنے
 والا سامان جمع کیا جائے گا تو یہ ناگناہ ہوگا۔ تعین اور ضرورت بات
 کے لئے بھی ایسے سامان جمع کرنا گناہ کی بات ہے۔

یہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ پیداوار پر زکوٰۃ دس فی صد ہے
 یہ دس فی صدی زکوٰۃ اس پیداوار پر ہے جس کے لئے کاشت کیا ہو
 ہائیڈرو پلانٹ، گھاس، بامبو اور سرکاری بنیادوں پر غیر
 فصد سیراب ہوں، جس کھیت کے لئے کاشتکار کو یا فی کھیت پر
 اس کو پیداوار پر پانچ فی صدی زکوٰۃ ہے۔ نقدی اور سرکاری
 کی حقاقت نشوونما، ترقی و فراخ نشینی میں انسان دین اور دولت
 پانے اور دینا ہے اس پر ڈھائی فی صدی ہے۔

ارٹھ، گلاس، بیل، بھینس، بکری، پر زکوٰۃ دینا شرعی
 ہے۔ مثلاً میں - شہر میں اونٹوں تک اور زکوٰۃ پانے والی
 بھینس سے بھینس اور اونٹ تک کی زکوٰۃ اونٹ کیا گیا۔ اور بھینس
 پانے والی اونٹوں سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ نکاح، بیوی، اور بھینس
 کی زکوٰۃ تیس کی تعداد سے شروع ہوتی ہے، اور بھینس کی زکوٰۃ پانے

کی تعداد سے۔

غلہ اور پھل بھی اگر صرف ایک دو مثقال کا ہو پھر یہ ہے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے۔ چاندی و سونے سے اور سوونا پس منقار سے لم ہو۔ تو زکوٰۃ نہیں لی جاسکتی۔

غلاموں کے اس رویہ سے منکر سے انہوں نے آزاد کیا کر کے لئے جمع کر کے ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔ زکوٰۃ اب ایسی ہے کہ اسے اندھا و صفا اور اعمیٰ و نابینا نہیں ہوتا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے صاف بنائے ہیں۔

إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ
وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبِهِمْ
وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَادِيَاتِ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَأَبْنِ السَّبِيلِ ط

زکوٰۃ، فقیروں اور مسکینوں کا (حق ہے) اور ان کا پر ازوں کا حق ہے جو (اموال) زکوٰۃ کی تحصیل کرتے ہیں۔ (یعنی زکوٰۃ میں سے زکوٰۃ کے محملوں اور زکوٰۃ کے صیغہ میں کام کرنے والے عمل کر معاوضہ دیا جائے اور زکوٰۃ ان کا حق ہے جن کی (اسلام کے لئے) تالیف قلب کرنی مقصود ہو۔ اور غلاموں کی گروہوں (کے چھڑانے اور ان کو آزادی دلانے میں اور قرض داروں (کے قرض ادا کرنے اور تاوان والوں کا تاوان بخشنے

لہذا اللہ کے بعض بندے اللہ کی خوشنودی کی خاطر مالی ضمانتیں دے دیتے ہیں، کبھی کبھی انہیں پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔ زکوٰۃ کے بہت سال سے قومی نظام کے ماتحت ضمانتوں کو سبک دینی دلائی جاسکتی ہے۔

اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد کرنے) میں اور پیسہ خرچ کیا جائے۔

ضرورت مندوں میں زیادہ ضرورت مند کی مدد مقدم ہے۔ دو یکساں ضرورت مندوں میں اگر ایک قرابت دار ہو تو قرابت دار کو ترجیح دینی چاہیے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا كُنْ لَهُمْ قُرْبَىٰ
 (یعنی اُن کی نیکی ہے جو اپنا مال اللہ کی محبت میں قرابت دانوں کی ضروریات پر لگا دینی قرابت دار فاقو ہے، اور قرابت داروں میں ماں باپ، شوھر و نہق ہیں۔ فَلِلْوَٰلِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ سَبْعُ مِثْقَالَيْهِ ذَرَّةً وَنَحْنُ عَلَيْنَهُمْ شُرَكَاءُ فِي تَقْوَاهُمْ) اور پھر یتیم علی اور مساکین مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ قرابت دار کی معمولی ضرورت کو غیر اہم ضرورت پر فوقیت دے دو۔ اور عرض کر آیا ہوں کہ یکساں ضرورت مند کی صورت میں قرابت دار کو ترجیح دینی چاہئے۔ قرابت دار ہی نہیں، دوست اور ہم سلسلے بھی یکساں ضرورت مند کی صورت میں دو برابرے کے ضرورت مندوں سے فائق ہیں۔

فقرا و مساکین کی امداد کے معاملے میں تمام مذاہب اسلام کے شریک نکلیں گے اور مسافروں سے بھی دوسرے مذاہب کو خواہی وہ چھٹی ہو۔
 لہٰذا اللہ کی راہ میں کا مفہوم انشرفہا لے فقط جہاد لیا ہے۔ نبین علامہ سید سلیمان اس تحدید سے متفق نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ فی سبیل اللہ سے ہر دینی کام مراد ہے۔
 آج کل مسافروں کو جو آسائشیں ملنے لگی ہیں ان سے یہ متنبہ ہوئے کہ ہر مسافر کا مسئلہ حل ہو گیا۔ غریب مسافر اب اور زیادہ (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۱۵)

لیکن غلاموں کی گردنیں چھڑانے اور قرض و تاوان ادا کرنے پر ٹیکس کی رقم لگانا اسلام کی خصوصیت ہے۔ نیز ٹیکس کی تحصیل سے واسطے چھٹہ رکھنا بھی اسلام نے سکھا دیا ہے۔ انسانی نفس کی بیماریوں کا بڑا سبب اللہ سے بے تعلقی اور بے نیازی ہے۔ اس کا علاج نماز ہے۔ دوسرا سبب نفسانی اور روحانی بیماریوں کا غیر اللہ سے تعلق اور لگاؤ ہے، اس کا علاج زکوٰۃ ہے۔

ماں سے انسان بے محبت کرتا ہے لہذا مال اللہ کی راہ میں دیتے رہنے سے نفس کے آپکنے کا زنگ چھٹتا ہے اور دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرنے کا جذبہ ابھرتا ہے۔ مال کی حرص میں کمی آتی ہے۔ بخل چلا جاتا ہے۔ شخصی خود غرضوں کی جگہ جماعتی اغراض لے لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سود کا لین دین حرام کر دیا، کیونکہ سود شخصی دولت بڑھاتا ہے اور جماعتی دولت گھٹاتا ہے۔ قوم منفس ہو جائے تو قوم کے دولت مند بھی، دولت مند نہیں رہ سکتے، دیر ہے اندھیر نہیں، اسی سے فرمایا: **يَحْزَنُ اللَّهُ الَّذِينَ لَا يَرْجُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ** اللہ سود والوں کی کمائی، برباد کر دیتا ہے اور صدقہ روزیہ سے انسان

(نور البقیہ صفحہ ۱۷۱) مستحق امداد ہیں۔ نئے تخلیقوں نے پرانے طریقوں کو مٹا دیا ہے۔ جو ان کے لیے بددعا کا سرمایہ قرار نہ لیا گیا ہے۔ یہاں اب سرمایہ ہزار خاندانوں اور مہارت خاندانوں میں بٹا رہا ہے۔ غریب مسافر تو اب کہیں سہل بھی نہیں چھپا سکتے۔ لہذا زکوٰۃ سے معنی پانچ اور معنی آٹھ کے ہیں یعنی اختلافی بیماریوں اور روح و قلب کے امراض سے پاک اور صاف ہونا، اپنا تزکیہ کرنا۔

کو دین و دینہ جہاں بڑھاتا ہے ، یعنی سود موجب تباہی ہے اور زکوٰۃ
درخیزت موجب ترقی ہے

اسلام نے مسلمان غریب کو یہ کہہ کر کہ ”غریب (جنہیں دوست کا
حساب نہیں دینا ہے)۔ دوست مندوں سے چالیس سال پہلے جنت
میں داخل ہوں گے“ خوش خبری بھی دی ہے اور اسلام نے غریب کو
دنیاوی تکلیفوں کو بھی کم کیا ہے۔ زکوٰۃ ایک طرف دولت مندوں کا
اخلاق درست کرتی ہے۔ دوسری طرف غریب پر ابریکرم بن کر برکتی ہے۔
زکوٰۃ دینا تو یہ صاحب نصاب کا قانونی فرض ہے ، ویسے ہی
ابن دولہا غریب کو امداد کا اسلام نے انتہائی شوق دلایا ہے ، اسے
”الانفاق“ کہتے ہیں۔ ”الانفاق“ کے لئے مجبور نہیں کیا گیا۔ یہ قانونی
فرض نہیں ہے ، اخلاقی فرض ہے ، لیکن صحابہ اس حکم کی تعمین بھی اتنی
شدت سے کرتے تھے کہ جو صاحب استطاعت نہ تھے وہ بازار چاکر

میں جس نے اپنا تزکیہ کر لیا اس نے عروپائی۔ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى
سود خوار تاک میں رہتے ہیں کہ دوسروں پر مصیبت نازل ہو اور وہ اس
کی مصیبت سے فائدہ اٹھائیں۔ اور زکوٰۃ دینے والے مستحق امداد لوگوں
کی تلاش کرتے ہیں کہ اپنی دولت سے انہیں فائدہ پہنچائیں۔ سوچئے تزکیہ
کی نعمت کس نے پائی۔

انہیں مت گھبراہٹے جو زکوٰۃ اور سود دونوں کا کاروبار ساتھ ساتھ کر رہے
ہیں ، وہ بھی خالص سود خواروں سے انتشار اللہ کسی نہ کسی قدر بہتر ثابت ہوں گے۔
ﷺ حدیث ہے۔

جو حضورؐ نے تھے، اور اس کی مزدوری سے مندر رکھنا بیڑی کو مدد پہناتے تھے
 فَرِيطٌ مِّنَ الصَّامِرِ عَلَى حَبِيبٍ مِّنْ سَكِينًا وَتَلْبِيَةً
 وَ آيَةً عَلَيْهِ وَهُوَ خَدُّهُو كَمَا مَحَجَّ شَيْمِ اُور قِيَارِي كُو كَلَا نِيَتِ
 ہیں۔ وَ كُفْرٌ فَرِيطٌ عَلَى الْفُسْجَةِ وَ اَوَّلُكَانِ جَهْمٌ خَصَامَتُهُ
 وہ اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ذائقہ رکھتے ہیں۔ اگرچہ وہ (کافی
 ضرورت مند ہیں

یہ آیتیں حضرت علیؑ کی کم اندرجہ اور بسنتہ انصار کو ایام کی شان میں اتاری
 تھیں۔ حضرت ابوذرؓ نے غفاریؓ کو دوسرے دن کے لئے کچھ بچا نا حرام سمجھتے تھے
 حضرت ابو بکر صدیقؓ نے وقت پر اپنی کل دولت اسلام کے ترموں
 میں لاکر ڈال دی تھی۔ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے اپنا
 تمام سرمایہ تجارت اللہ کی راہ میں لٹا دیا تھا اور رضوان اللہ علیہم اجمعین
 نمود حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمیشہ یہی عمل رہا کہ
 جو آیا دو کے دن اُسے مستحقین کو دے دیا۔ کبھی سونے چاندی کے بربے
 پڑے رہ جاتے تھے تو اس رات گھر میں آرام نہ فرماتے تھے۔ لیکن عام اُمت
 کے لئے اس مسلک کو فرض نہیں کیا گیا۔ فرض کیا گیا۔ فرض اتنا ہی ہے جو
 قویہ، استطاعت اور ہمت کے مطابق ہے۔

غریب طبقے کی دل جی کا حضورؐ کتنا خیال رکھتے تھے۔ فرماتے
 ہیں: غریب کی مدد کے لئے اگر تمہارے پاس زبیرہ نہیں بچتا تو ان سے
 لطف اور ہربانی کے ساتھ بات کر لینا ہی تمہاری خیرات ہے۔
 ہاتھ پھیلانے کی برائی سمجھنے کے باوجود فرمایا کہ ”تم ہاتھ

لے حضورؐ نے ہاتھ پھیلانے، دوسروں کا دست نگر رہنے اور دوسروں
 (بقیہ نمبر ۱۲ پر)

پیچیدہ دے کو سختی سے راپس مٹ کیا کرو۔ یہ اللہ کا احسان ہے کہ
 میں نے تمہیں دینے کے قیام کیا اور دینے کی توفیق عن غرریٰ۔ تمہیں

بقیہ نوحہ صفحہ ۸۱۰ کے سہارا سے جینے کی برائی اس س طرح سمجھ گئی ہے اور
 اس برائی اور ذلت سے باز رکھنے کی کیا کوششیں فرمائی ہیں۔ یہ افشاں اللہ
 الگ مستقل مضمون ہوگا۔

اسلام فقط امر بالمعروف نہایت ایشاء اور جود و ہستی اور قیامت کے جبر
 نہیں بلکہ غریب بننے کو بھی وراثت کہ تمہیں اور امانت دور کر کے پستی سے
 بلند کر رہا ہے۔ حضرت کی بعثت تھی ایک طبقہ کے لئے نہیں بلکہ ساری
 حضرت ہر طبقہ کے غرض سے بنا کر بھیجے گئے تھے۔ غربا کو درپوزہ گری کی اجازت
 دینی جاتی تو انسانوں کی وسیع آبادی کی اخلاقی زندگی برباد ہو جاتی۔ امید
 ہے اگر کہا گیا ہے کہ تمہارے آگے جو ہاتھ پھیلائے اسے حتی المقدور خالی
 مت جانے دو۔ کچھ نہیں تو چھرا رے کا ٹکڑا ہی دے دو، تو غریبوں کو بھی
 بتایا ہے کہ لینے والے ہاتھ سے دینے والا ہاتھ بہتر ہوتا ہے۔ اپنی اولاد پر تو
 صدقات و زکوٰۃ کو حرام ہی کر دیا جو لوگ بھیک مانگ کر رہتے تھے ان سے
 اللہ نے فرمایا: وَقَرُّوْا دُؤًا كَإِنْ تَحِيْلُوْا التَّوْبَةَ الْغَافِقٰى تَزَادُ رَہَ كَر
 چند اور بہترین زاد راہ تقویٰ (بھیک نہ مانگنا) ہے۔

اسلام نے غربا کی کفالت کا حقیقی بار حکومت پر ڈالا ہے حکومت اس
 بار کو اٹھنے کو سب درست ہو جائے۔ بیت المال کے دور میں ایک ایک کے
 آگے ہاتھ نہیں پھیلا یا جاتا تھا۔ زکوٰۃ دینے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ زکوٰۃ بیت المال
 میں داخل کی جائے اور حکومت اسے مستحقین پر خرچ کرے۔

اللہ کا شکر کرنا چاہتے، لینے والے پر احسان نہیں دھرنا چاہتے۔ احسان دھرنے سے نیکی کا پیلا لا پانی کے بُھنے کی طرح بکھیر جاتا ہے (مفہوم حدیث) حضورؐ نہ تھک پھیلانے کو بہت برا جانتے تھے اور زکوٰۃ و خیرات سے حضورؐ زیادہ محنت لیتے تھے کہ روپیہ سب تک پھیل چلے اور ہاتھ بچھنے موقوف ہوں۔ چنانچہ خلفائے راشدین کے دور میں ایسا وقت آیا کہ زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں رہا، حضورؐ پوری قوم کو خویش حال بنانا چاہتے تھے۔ اسلام خویش حالی کے خلاف نہیں ہے۔ چند افراد اور چند خاندان کی حد سے زیادہ دولت مندی اور سونے چاندی کو بے کار ٹھہرے کہنے کے خلاف ہے۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْأَفْضَّةَ
وَلَا يَفْقَهُوْنَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَفْشُرْهُمْ
بِعَذَابِ أَيْمِهِ يَوْمَ يَحْمَلُ عَلَيْهَا
فِي نَارٍ جَهَنَّمَ فُتُورٌ بِهَا جَسَاهُمْ
وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كُنْتُمْ
لَا تَعْلَمُونَ فَذُوقُوا عَذَابَهُ تَكُنْزُونِ

جو لوگ سونا چاندی دبائے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں نہ حسب
منشاء الہی صرف نہیں کرتے (اے رسول!) انہیں تم دروناک
عذاب کی بشارت دے دو (اور اس روز کا حال بتا دو) جس روز اس
(سونے چاندی) کو آتش دوزخ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان
کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا کہ) یہی ہے وہ
(دولت) جسے اپنے لئے جوڑ جوڑ کر رکھتے تھے۔ سو (ایسا کہے)

جوڑے کا مڑا چکے ہو

جس طرح دولت مند و مہارت ہزاروں سیرہ کاریوں کو شکر ہوتی ہے اسی طرح غربت و فلاکت ہزاروں جرائم کا باعث بنتی ہے۔
 طرہ دولت مندوں کو سیرہ کاریوں سے بچانا تھا۔ دوسری طرف غربتوں کی حالت ایسی کرنی تھی کہ جرائم ترک جائیں۔ دولت انسان کے پاس آتی رہتی چاہیے کہ ”خیر“ اور ”فضل“ کے قرائن انہیں اس پر ملاقا آئیں۔ دولت کا اتنا فرق کہ زیادہ کے پاس مل ہوں اور کم کچھ کے مکان کو ترسے، اسلام میں اسے گوارا نہیں کرتا۔ ورنہ اسلام کہتا ہے کہ اپنا اور دکان کو اس قوانین ضرور چھوڑو کہ وہ لوگوں کے سامنے باوقار بھیس دینی نہ پھرے۔

مستور فرماتے ہیں: دولت ہرے بھرے چراگاہ جیسی شے ہے، بعض رئیس بہانہ چراگاہ کو ضرورت سے بہت زیادہ چر لیتے ہیں اور چرنا نہ دے تو میں موجب ہلاکت ہو جاتا ہے۔ لیکن جو جانور اسے اعتدال چرتے ہیں اور سب ان کا پیٹ بھر جاتا ہے تو جنگلی کرنے لگتے ہیں۔ وہ ہمیشہ تندرست اور طاقت ور رہتے ہیں۔ دولت کو بھی جو انسان صحیح طریقے سے خرچ کرے گا۔ دولت اس کی بہترین مددگار ہوگی لیکن جو اسے

یہ یورپ نے تحقیق و تمقیق کے بعد ایشیا کے تجارتی اور تمدنی ترقی کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ یہاں مال کا بڑا حصہ زمین میں مدفون رہتا ہے یورپ کے محقق و مدقق کاوش قرآن مجید کی اس آیت پر غور کریں جو چودہ سو برس قبل نازل ہوئی تھی۔

نقطہ طریقہ سے کمائے گا اور غلط طریقہ سے خرچ کرے گا اس کی مثال یوں سمجھو کہ کھانے کے چلا جائے مگر سیر نہیں ہوتا۔

فرض دولت میں خیر و شر نہیں ہے بلکہ اس کے طریقہ حصول اور طریقہ صرف میں خیر و شر ہے۔ دولت اگر صحیح طریقہ سے حاصل کی جائے اور صحیح طریقہ سے صرف کی جائے تو نیکیوں اور بھلائیوں کا بے مشل ذریعہ ہے۔ اور حصول و صرف کا طریقہ صحیح نہیں ہے تو دولت کے شرے اللہ کی پناہ۔

اخلاقی محاسن و معائب امیر و غریب دونوں کے لئے یکساں ہیں۔ فیاض و متواضع امیر اور صابر و شاکر غریب اسلام کی نظر میں فضیلت کے ایک مقام پر ہیں اور کجلی و متکبر امیر اور فنی الطبع و طامع فقیہ رستی کی ایک سطح پر۔

اسلام نے دھوکہ، فریب، خیانت، لوٹ مار، جوا، سود و سب کو حرام کر دیا اور سرمایہ داری کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں۔ حضورؐ فرماتے ہیں: ”زمین اللہ کی ہے، اور بندے بھی اللہ کے ہیں، جو کسی مردہ زمین کو زندہ کرے وہ اس کا مالک ہے۔“

میت کی مترکہ جائیداد کا مالک بقدر اس حقائق تمام عزیزوں کو بتا دیا مالک مفتوحہ جماعت مسلمین کی ملکیت قرار دے دئے۔ بغیر جنگ کے دشمن سے حاصل کی ہوئی زمینیں صرف غریب کا حق بتائیں۔ بخل کو انسانیت کا اہم ترین نقص کہا اور اس بات کی طرف متوجہ فرمایا کہ جس دولت کو تم اپنی خیال لئے ہوئے ہو وہ درحقیقت تمہاری نہیں ہے۔ اس کا اصلی مالک اللہ ہے۔ پھر جو شخص مالک نہ ہو، محض امین ہو، اسے اصلی مالک کی

مدنی کے خلاف خرچ کرنے نہ کرنے کا اختیار کیوں کریں سنا ہے ۔
 اس تصور نے کم ورت میری ہے دنیا کو تباہ کیا ہے (پتہ) تو
 تحریک اینٹ سے اینٹ بجا کرتا ہے ۔ حسب دیکھو کہ بعض پتہ پتہ
 دولت مند ہوتے جاتے ہیں اور بعض غلبوں کو لوٹنے سے روکنا کہیں
 نہیں آتے تو سمجھو کہ تمدن کا تھ تریب آگیا ۔
 قارئین نے ہاں ، اِنَّمَا اَوْفَّقْتُمُوهُ عَلٰی عِمْ تَوَسُّلِ
 میرے پاس جو پتہ ہے مجھے ۔ پتہ علم زہر کے ذریعے ہے ۔ ہر انسان کے
 قارئین کی مشاغل کرتے ہیں ۔

روزہ

اسلام کے پانچ رکن ہیں : (۱) توحید (۲) نماز (۳) زکوٰۃ (۴)

روزہ (۵) حج

معبود کو واحد مانے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ باقی چاروں رکنوں پر عمل کرنا معبود پر ایمان ہونے کا اعلان ہے۔ ایمان سے عمل جدا نہیں رہا کرتا۔ ایمان اور عمل لازم و ملزوم ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں ان کا ذکر آتا ہے وہیں عمل کا ذکر آتا ہے **اَلصَّوْمُ اَوْ عَمَلُهُ الصَّالِحَاتِ** ساتھ ساتھ ہیں۔

نہ کسی حالت میں معاف نہیں ہے ہوش و حواس بجا رہیں تو مرتے مرتے پابندی وقت کے ساتھ ادا کرتی چاہئے۔ میدان جنگ میں بھی فضا نہیں کی جاسکتی، جب تک اتنا گلہاں کا رن نہ پڑ جائے جیسا ایک مرتبہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پڑا تھا یا خواریق کو بعض حالات میں عافیت دیدی گئی ہے۔

روزہ قضا کر سکتے ہیں اور انتہائی بڑھاپے میں بالکل چھوڑ سکتے ہیں۔

لیکن نماز کی نسبت دوسرے میں فرض ہوئے اور سال میں محض آنتیس، تیس دن کے وسطے فرض ہوتے اور روزہ وہ موقت پر نفاذ کر سکنے کا مطلب یہ سمجھو لیجئے کہ نماز روزہ نماز سے کم اہم ہے۔ روزے کی بات اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر میں انشاء فرمائی کہ رسول کے ذریعے فرمایا ہے : **الصَّوْمُ لِي وَنَا أَجْرِي بِي** اور وہ میرے لئے ہے اور میں اس کی جزاؤں لے گا۔ روزے کی اہمیت جنت کے کی طرف سے ایسا فرمایا گیا ہے اور ہر کام کی اللہ ہی دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ روزہ میری رضا سے عبادت ہے۔ اور میں اس کی (خاص اور بے حساب جزاؤں لے گا۔

فرضیت کے اعتبار سے پانچوں رکن برابر ہیں۔ جس طرح معبود کو واحد ماننا اور اس کے سوا کسی کو معبود نہ ماننا ضروری ہے اسی طرح معبود کی نشان دہی کے مطابق نماز، طہارت، روزہ، زکوٰۃ دینی اور حج کرنا ضروری ہے۔ اس عبارت اللہ کی نشان دہی کی تعمیل ہے۔

اور اللہ اس عالم میں اور عالم آخرت میں کامیاب نہیں کرتا ہے جو عین سے اپنے ایمان کو ثابت کر دیتے ہیں۔ **وَإِن كُنْتُمْ لَافْقِهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّهُمْ لَكُمْ شُرَكَاءُ فِي غُرُوبِ شَمْسِهِمْ** اور اس یقین کے ذریعہ شکیب عمل نہ ہو جائے کہ **فَمَنْ كَانَ يَتُحَدِّثُ إِلَىٰ رِبِّهِ فَذُكِّرْتُمْ** اور جو اپنے رب سے ملنے کی آس لگائے بلکہ اہل بیت چاہے کہ شکیب عمل بنے اور کسی کو اپنے رب کا شریک نہ جانتے۔ ایمان و عمل دونوں مل کر کامیابی سے ہم کنار کرتے

اور پرانیوں سے نئے دل و دماغ کو بچانا، روزے کے مارج میں داخل رہے روزہ
ہمارے روح کے بگاڑ کا علاج ہے۔ جو روزہ روزے کی طرح برکت کا ہے
انشار الملک شیطان و دیگر گناہیں سکے گا۔

روزوں کو مہینہ رمضان ہے۔ شہر رمضان (الذی اُنزل
فیہ القرآن)۔ رمضان، وہ مہینہ جس میں قرآن (پہلی بار) اتارا اور
خاتمہ کی رہنمائی اور نہایت کی دستگیری کا کھم حضور سرور کائنات
اسی انعامیہ قرآن مجید کے پیغمبر کے پاس۔

یہ عادت ہے کہ مہینہ رمضان کے آغاز سے روزانہ حرام میں یا کھانا پینا اور بھوک
پینے سے منع کرنے جتنے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کو افسوس
پرہیزی۔ ہذا، مہینہ بھوکا پیاسا رہنے، اعتکاف میں بیٹھنے اور راتوں میں
جگنے کا مہینہ قرار دیا گیا۔

اس مہینے میں یہ تمام مکمل اسی کیفیت کے حصول کی سعی کی جاتی ہے
جو اس آیت میں ملتا ہے: نزول قرآن شروع ہوتے وقت طاری تھی۔

عرف عام میں روزہ فاقہ کشی کا نام ہے۔ فقط فاقہ کسی قلیل تعریف
سے ہوتی تو فاقہ کشی کی سعادت سے اقتصادی کمزوری کے باعث عرب کے
مشرک محروم نہیں تھے۔ پھر اسلام آیا تو مسلمانوں کو کسب معاش کے معمولی
طریقوں سے لپی بے طبقہ بن کر دیا گیا۔ روزہ ناکہ کے دور میں فرض ہو جاتا تو
دشمن تمنع کر سکتے تھے کہ افلاس پر پروہ ڈالا ہے۔ لیکن اسلامی عبادات
امراض روحانی کا علاج ہیں۔ دوا اسی وقت دی جاتی ہے جب مرض سر
اٹھانے لگے۔ امراض جسمانی اور امراض روحانی دونوں میں یہی صورت ہے
روزہ سے علاج کرنے کی مکہ معظمہ میں حاجت نہیں تھی۔ مدینہ منورہ میں بھی

موت یا بچھڑا نہیں تھا۔ موسم بدلنے کے زمانے میں جو حالت (موت ماری تھی) وہ حالت تھی۔ مداخل کو زمانہ تھا۔ تداخل کے زمانے میں پرہیز کر لیا جاتا ہے۔ روزہ پرہیز تھا۔ مستحبی میں فرض ہوا کہ دنیا کی لذتیں جو اسباب اللہ کو دہل رہے تھیں انہیں مسلمانوں کو اپنا فریضہ نہ کر سکیں۔

پرہیز پرہیز کی طرح کرایا۔ سال میں اتنیس یا تیس دن۔ پورے سال نہیں روزہ مسلمان دنیا سے بے تعلق اور رہبان ہو جاتے اور دو چار دن بچ رہتے ہیں کہ دو چار دن کا پرہیز نہ کافی تھا۔

پھر یہ علاج ایک ساتھ کیلئے بہکم ملا تا کہ ساتھ کے ساتھ اسلام کے نظام و عبادت کا مظاہرہ ہو جائے۔ الگ الگ روزہ رکھنے سے نبی کی وہ نہیں روڑ سکتی جو رمضان میں آج بھی بجلی کی مثل دوڑ رہا ہے۔

مسلمان دنیا کے گوشے گوشے میں موجود ہیں۔ گوشے گوشے کے مسلمان رمضان کے روزے ایک ساتھ رکھتے ہیں۔ کہیں چاند نہ دکھائی دے تو ایک آدمی دن کا فرق پڑ جاتا ہے، یا کہیں دن یا رات گھٹنے چاہے اور کہیں اتنا رہ گھٹنے نہ۔ باقی رمضان کے روزوں میں اپنی طرف سے ترقی نہیں رہتا ہوتا۔ جن دن بچے ہیں وہاں موسم ٹھنڈا ہوتا ہے۔ وہاں ٹھنڈا موسم روزے کو قابل برداشت بنا دیتا ہے۔ روزے رکھنے والے وہاں بھی روزہ ترک نہیں کرتے۔

نماز میں اور سفر میں قضا نہیں کر سکتے لیکن روزہ قضا کرنے کی ہر چیز اور سفر میں کو اپنا رت ہے۔ بیشطیکہ مرض یا سفر قضا کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اور بارش کے غیر ساری صوف میں روزے کی قضا کو عام ہے۔ نیز واہم المرض کو قضا معاف ہے۔ وَ عَلَى الْكَافِرِينَ يُحْلِي قَوْلُهُمْ هَذَا

طَعَامٌ مَسْكُونٌ۔ جسے روزہ رکھنا بالکل مشکل ہو جائے وہ فدیہ داکر دے
 فدیہ کیا۔ ایک مسکین کو کھانا بھر دینا۔ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَحَسْبُ خَيْرٍ وَكَذَلِكَ
 مگر یہ مشکل کی اور دو روزہ رکھے تو روزہ اس کے حق میں بہتر ہے گویا
 تضا اور کفار سے کی اجازت کے یا موجود روزہ رکھنا سخت ہے۔ قضا اور
 تفسد سے قَدَرٌ مَشْهُدٌ لَنَا شَهْرٌ فَكُلِبَ صَوْمُكَ كِي تَعْمِلَ افضل ہے
 فَمَنْ مَشْهُدٌ كَيْ مَعْنَى ہیں جو رمضان کے مہینے میں بقید حیات ہر روزہ رمضان
 کے روزے رکھے۔

دین کی تکمیل۔ نبوت کے اختتام اور تعلیم محمدی کی صداقت کی یہ بھی بڑی
 دلیل ہے کہ کچھ ائمہ نے اپنے اپنے پیغمبروں کی تقلید اور پیروی کے جس
 سبق کو چند روز میں بھلا ڈالا تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت
 اب تک اُسے سینے سے لگائے ہوئے ہے، اور اپنے آقا و پیشوا کی پیروی
 میں رمضان بھر دین کو کھانے پینے اور دوسری نفسانی خواہشوں سے باز رہتی
 ہے اور رات کو تراویح میں اللہ کی کتاب پڑھتی اور سنتی ہے۔

دل کی وہ کیفیت جسے حاصل کرنے انسان گناہوں سے بچنے لگے اور
 نیکیوں سے رغبت کرنے لگے تقویٰ کہلاتی ہے اسی کیفیت اور اسی تقویٰ
 کے حصول کا روزہ ذریعہ ہے۔ روزے کا مقصد صاف بتا دیا گیا ہے لَعَلَّكُمْ
 تَتَّقُونَ۔ تاکہ تم تقویٰ شعار ہو جاؤ۔

روزہ پیٹ بھروں کو بتاتا ہے کہ بھوک پیاس کی تکلیف کیا ہوتی ہے
 اور پیٹ بھرے لوگ فاقے سے بڑھال بھائیوں کی تکلیف کا احساس
 کرتے ہیں۔ سو زچہ کے سمجھنے کے واسطے خود سوختہ جگر ہو نا لازمی ہے۔ روزہ
 اس احساس کو زندہ اور بہرہ روی کے جذبے کو بیدار کرتا ہے۔ علاوہ انیس

روزہ مختلف اہل برداشت کرنے کی طاقت بخشتا ہے۔ جو انسان روزہ اٹھائے گا وہ
 درجہ بالا کیا کر سکے گا۔ جہاں میں بھوک پیاس کے تحمل اور سیرت پرستی سے
 ہونے کی نشاندہی ہوتی ہے۔ میدان جنگ میں بھوک پیاس کی تکلیف کو بھرنے
 مسلمان کسی غرضی پر درستی کو دیتا ہے۔ عیش و راحت سے کٹ کر کسی غرض
 کا حق مقدم کر سکتے۔ روزہ گویا جیری ویزٹن اسپرٹ ہے جس کا نام ہے۔ اسی
 ایک جینے کوئی جاتی ہے تاکہ مسلمان جہاں مشکلات اور خطرات کو اٹھائے
 اور سہارے کے لئے تیار رہیں اور دنیا کی کش مکشوں سے گھبرائیں نہیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں: فلسفہ تائید میں طرح سیاسی
 واقعات کی تکرار اور حوادث کے بار بار اعادے سے اصول اور نتائج تک
 پہنچ کر ایک عام تاریخی قانون بنا لیتا ہے۔ بعینہ اسی طرح نبی علیہم السلام
 کے سوانح ہی اپنے واقعات کے بار بار اعادے سے خدہ اس نبوت کا اصول
 قانون ہمارے سے مرتب کرتے ہیں۔

پیشمرگہ تاریخ کے ان ہی اصول و قوانین میں سے ایک یہ ہے کہ جب
 اپنے کمال انسانیت کو پہنچ کر فیضان نبوت کے قبول اور مستعدی کا انتظار
 کرتا ہے تو وہ کچھ قارت کے لئے عالم انسان سے الگ ہو جاتا ہے اور ملکوتی
 خصائص میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ اسی وقت سے اس کے دل و دماغ میں فوق
 الہی کا سرچشمہ موہیں مارنے لگتا ہے۔ کوہ سینا کا پہرہ صلا پیغمبر (حضرت موسیٰ علیہ السلام)
 جب توراۃ عینہ پاتا ہے تو چالیس شبانہ روز بھوکا اور پیاسا رہتا ہے۔
 کوہ سینا کا مقصد اسے والا (حضرت عیسیٰ) اس سے پہلے کہ اس کے مونہ میں
 انجیل کی زبان گویا ہو۔ چالیس شب و روز بھوکا اور پیاسا رہا، اسی طرح
 نارمان کا آتشیں شریعت والا پیغمبر (حضرت علی) ابراہیم علیہ السلام، نزول قرآن

سے پہلے پورے ایک جہیز حرام نامی مکہ کے ایک غار میں ہر قسم کی عبادتوں میں
مصرف رہتا ہے اور بالآخر اسی آثار میں ناموں اکبر اَقْرَبُ بَاعِثُ اَلْبَشَرِ
الْكَذِبِ حَقِّقْ کافر دُجائے کفر کے گرد ہوتا ہے۔

یہ واقعہ کس ماہ مبارک کا تھا ؟

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ - رمضان

ماہِ مہینہ جس میں قرآن آتا۔

یہ کس شب اُترنے کی داستان ہے ؟

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ - ہم نے قرآن کو برکت کی

رات میں اتارا۔

اس مبارک رات کو ہم کس نام سے جانتے ہیں ؟

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ - ہم نے قرآن کو

شب قدر میں اتارا۔

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ رمضان وہ مقدس مہینہ ہے جس میں قرآن سب سے پہلی مرتبہ دنیا میں نازل ہوا، اور پیغمبر اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم
والسلام کے عالم کی رہنمائی اور انسانوں کی دستگیری کے لئے ہر سال ہر سال
کا سب سے پہلا صفحہ عنایت کیا گیا۔

قرآن کا حامل اور اس وحی الہی کا قہبط ان دنوں غارِ حرا کے کوئے
میں کیہ و تنہا بھوکا اور پیاسا سر پہ زانو تھا۔ اسی بنا پر اس اور ست ۲ میں
بھوکا اور پیاسا رہنا (یعنی روزہ رکھنا) اور کسی عبادت تمام دنیا کی
تنہا رہنا (یعنی اعتکاف) اور تزلزل وحی کی خاص رات، (لیلۃ القدر) میں
بیدار اور سر بسجود رہنا تمام پیر و انجمن کے لئے ضروری ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يَّحْبِبْكُمْ اللّٰهُ - اگر
 تم اللہ کو محبوب رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تمہیں محبوب رکھے گا۔
 اس سے واضح ہوتا ہے کہ روزہ، اعتکافات اور ایلة القدر کی
 حقیقت کیا ہے اور رمضان میں روزوں کی تخصیص کس بنا پر ہے۔
 اس ماہ میں بقدر امکان ان ہی جذبات سے متکیف ہونے کی
 سعی کرنی چاہئے جن میں وہ حامل قرآن غرق تھا، تاکہ دنیا کی رہنمائی اور
 ہدایت یابی کی یادگار قائم رہے۔
 یہ جذبات اور کیفیات جنہیں قرآن کے مبلغ کی پیروی میں ہم اپنے
 اوپر طاری کرتے ہیں یہی اس ہدایت کے پلنے پر بہاری شکرگزاری اور اللہ
 کی بڑائی ہے۔ ویسے اسلام میں مسنون اور مستحب روزے اور بھی ہیں،
 اور تعزیری بھی !

حج

حج کے معنی میں قصدِ ارادہ اصطلاح میں مذہبی قصدِ ارادہ سے
 کسی مقدس مقام کے سفر کر کے کو حج کہ جاتا ہے۔ مسلمان عرب کے شہرِ مکہ
 جا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی مسجد، خد نہ مکعبہ، طواف
 کرتے ہیں اور مکہ کے اور چند مقاماتِ مقدسہ میں نہ نہر جو کہ کعبہ، عرب اور
 اعمال بجا لاتے ہیں۔

حج اسلامی عبادت کا چوتھا رکن ہے اور توحید سمیت اسلام کا
 پانچواں رکن۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آبائی وطن عراق تھا۔ اُن کے لوگ
 ستارہ پرست تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ پرستی کے خلاف
 اوزر بلند کی اور فقط اللہ واحد کی پرستی کی دعوت دی۔ اُن کے باپ، اُن کے
 خاندان، اور اُن کی قوم نے اس بات پر انہیں اتنا ذوق کیا کہ وہ ہجرت کرنے
 پر مجبور ہو گئے اور عرب و شام کی سرحدی طرف آ گئے۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے جتنیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اربعہ دن میں آباد کر دیا۔
 اور اپنے جیسے۔ نہت اسحق علیہ السلام کو کنعان میں۔ اور دوسرے بیٹوں ممدین
 وغیرہ کو بحر احمر کے کنارے اس جگہ بسایا جو بسا خلدین کہلاتی ہے۔ اور سب
 سے چھوٹے بیٹے حضرت اسمعیل علیہ السلام کو قازان کی رادہ میں پہنچا دیا۔
 حضرت ابراہیمؑ کا قاعدہ تھا کہ جہاں کہیں انہیں روحانیت کی کوئی جھلک
 دکھائی دے جاتی تھی وہاں ایک پتھر نصب کر دیتے تھے اور زبانِ توریت
 ”بیت ایل“ یعنی بیتِ اشر بنا دیتے تھے۔ مکہ میں اشر کا یہ گھر حضرت ابراہیمؑ
 نے حضرت اسمعیلؑ کی مدد سے بنایا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ کی بڑی بڑی آزمائشیں ہوئیں۔ مگر حضرت اسمعیلؑ کی
 قربانی سب سے بڑی آزمائش تھی حضرت ابراہیمؑ دیکھ رہے تھے کہ ہر خیر کا ثبوت
 سے رستہ پروردگار ہوتا ہے اور اپنے عزیز ترین بیٹے کی قربانی سے۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمعیلؑ دونوں شخصیتیں تھیں کہ ان کے لئے تیار ہوئے
 یہ سبب ورف کا دو استخوان تھے جن کے بغیر دنیا کی پیشواؤں اور ائمہ کی صلاہت
 نہیں میراثی کہ اذابتی ابراہیمؑ زبداً یحکمتاً فالتصویر
 تالی رانی بنا علف اللہ اسما جب ابراہیمؑ کے سامنے آئیں،
 کئی باتوں میں آزمایا اور وہ سب میں پورے اترے، کہ فرمایا میں تمہیں
 لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ (راغبیہ) تم سے تمہاری اتباع کروں گا،
 ذلک فی الصطفیۃ فی الذنبا ورائہ فی الاخصرۃ کن الصالحین
 ہم نے دنیا میں ات کو منتخب کیا اور آخرت میں ان کا درجہ سے کا ہو گا۔

دنیا کی تمام بڑی بڑی قومیں، حضرت ابراہیمؑ کو اپنا بڑا مافی ہیں۔
 یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کا تعلق حضرت ابراہیمؑ سے سب

میرے پاس آکر رہے۔ جبکہ میرے پاس آکر رہے ہیں اور میرے پاس آکر رہے ہیں۔
 میرے پاس آکر رہے ہیں اور میرے پاس آکر رہے ہیں۔

میرے پاس آکر رہے ہیں اور میرے پاس آکر رہے ہیں۔
 میرے پاس آکر رہے ہیں اور میرے پاس آکر رہے ہیں۔

میرے پاس آکر رہے ہیں اور میرے پاس آکر رہے ہیں۔
 میرے پاس آکر رہے ہیں اور میرے پاس آکر رہے ہیں۔

میرے پاس آکر رہے ہیں اور میرے پاس آکر رہے ہیں۔
 میرے پاس آکر رہے ہیں اور میرے پاس آکر رہے ہیں۔

میرے پاس آکر رہے ہیں اور میرے پاس آکر رہے ہیں۔
 میرے پاس آکر رہے ہیں اور میرے پاس آکر رہے ہیں۔

پہلے موجود تھا۔ حضورؐ نے اس کی اصلاح کی ہے اس میں مشرکانہ رسوم اور یہود و گیاں شامل ہوئی تھیں۔ انہیں دور کر دیا ہے۔

مکہہ ایسا اہم مقام ہے کہ بیت المقدس سے قبل عبادتوں کی اس کے سوا اور کوئی سمت تھی ہی نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اسے اول بار نہیں بنایا تھا۔ یہ ذرا پرستی کا ہمیشہ سے مرکز تھا۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا سَلَامًا سب سے پہلا خانہ خدا جو لوگوں کی عبادت کے لئے بنایا گیا وہی یہ ہے بککہ میں ہے۔

لوگوں نے یہ بت یعنی مکہ کو بھلا دیا تھا اور بے نشان کر دیا تھا جنتہ ابراہیمؑ نے بنیادیں ڈھونڈیں اور ان ہی بنیادوں پر عمارت کھڑی کی، اور اس میں تو حید کا چراغ از سر نو روشن کیا۔

حج ابراہیمی یادگار ہے۔ حضرت ابراہیمؑ جب بیٹے کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو گئے اور چھری سے کہ بیٹے کو ذبح کرنے لگے تو ایلہ نے کہا: يَا اِبْرَاهِيْمُ اِنَّكَ صَدَقْتَ اِنَّكَ كَذَّابٌ فَجَزَيْتُكَ بِمَنَاسِكَ ابراہیم! تم نے خواب کو سچ کر دکھایا (ہم نہیں اس کا صدارت دیں گے اور نیک بندوں کو ہم اسی طرح صلہ دیتے ہیں اِنَّ هٰذَا كَبُوْرٌ اَلْبَسُوْا اَطْيَافًا وَفَضَّلْنَا اِبْرٰهِيْمَ بِذَنبِهِ عَظِيْمًا درحقیقت یہ انبات زبردست اور نمایاں آناشیں تھیں۔ ہم نے ایک عظیم قربانی بھیج کر ابراہیمؑ کے بیٹے کو بچا لیا وَكَوْنَا عَلَيْهِمْ فِي الْاٰخِرِيْنَ كِي سَلَّمُوْا عَلٰى اٰبَرٰهِيْمَ كُنَّا اَوَّلَ كُفْرٍ فَجَزَيْتُكَ بِمَنَاسِكَ اور اُنے دلی سدا میں ابراہیمؑ کی

یہ بیٹے کی قربانی کا حکم خدایا میں ملا تھا۔

جگہ پہنچ جائیں۔ اور یہ سفر اس غرض سے بھی کریں کہ قربانی کے (مقررہ) ایام
 میں اُن کو بخیر و برکت اللہ کے اہم فیض سے ملنے کے ہیں (وقتِ نحر) اللہ کا نام
 میں۔ پھر راتِ قربانی کے وقت میں سے تم خود بھی کھو دو اور تنگ حالِ شیر کو
 بچو کھو دو۔ (قربانی کے بعد لوگوں کو چاہئے کہ اپنا میں کھیلین و درگاہیں دیکھیں
 یہاں دیکھیں، سر منڈوا لیں، ناخن تراشوا لیں) اور اپنی مجلسِ بزمی کریں۔

اور اس قدر شکر ادا کرنا۔ یہ
 تیری جگہ ہے: کَبَّيْنَاكَ اِنَّكَ لَمَكْنُوتٌ مِنْ ذُرِّيَّتِنَا بِمَا دَيَّا
 نَجْمُ ذُرِّيَّتِنَا عِنْدَ بَيْتِكَ اَمْعِزْهُمْ اَنْ يَكْتَلِبُوا الصَّلَاةَ
 فَجَعَلْنَا فِتْنَةً لِّمَنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَلَيْسَ لِكُلِّ فِتْنَةٍ عَذَابٌ
 الشَّرَّاتِ كَعَذَابِهِمْ كَيْدُ الْكَافِرِيْنَ ۝۵۰ ایسا ہے کہنا۔ اس کے پڑھنے
 میں اپنی کچھ اولاد تیرے حرم گھر کے پاس وادیاں میں جو باڑیاں ہیں
 نہ بٹائی ہے۔ اے ہمارے پروردگار! (سورت اس سورت) کہ وہ (وہاں)
 باقاعدہ نماز (وغیرہ) ادا کریں (اور ادا کریں) پس تو لوگوں کے دوسرے کو ایسا
 کر کے کہ اُن کی طرف مائل ہو جائیں اور (اپنی قدرتِ کاملہ سے اس سنگستوں
 میں) انہیں جیل کھلا (اور اُن کے خروٹوں کا انتظام فرما) تاکہ وہ تیرا
 شکر کرتے رہیں۔

اُمّتِ محمدی پر کئی فرض ہے کہ دنیا کے گوشے گوشے سے بیک وقت
 مکہ معظمہ حاد زبہاں اور روحانی اور ہر قسم کے چکر و زواریں اس اجتماع
 سے اُٹھائیں۔ سورتِ براہیم کے کتبہ ہونے کی جگہ دیکھیں اور وہ جگہ دیکھیں
 جہاں حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرنے کے لئے لایا گیا تھا۔ قربانی کی یادگار میں
 قربانیاں کریں اور عمر بھر اسے خوب پیٹ جھریں۔ ویسے امن و سلامتی کے

پیکر ربہا پس چھوٹی جگہ کی جاو، تہ نہیں۔

اسلمانیوں اپنے تئیں اللہ کے حضور میں نذر کر کے جاتے ہیں اور بریت لہذا
کے گردسات و فتنہ بچ کر تصدق ہوتے ہیں۔ اور اہل کفر کے نذرانے میں سے کفر نہیں
پہنچتے بخیر و شہادت۔ بال نہیں کتر و تے۔ سر نہیں ڈھانکتے، اور کسی
والہ انداز سے اللہ کے گھر پہنچتے ہیں جو انار حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل
میں سے ہیں۔ سفر کے گرد و غبار میں اسٹ، دوڑے دوڑے آسکتے۔ پھر
جس کے لئے ان دونوں نے آئے ہیں بیکہ کہا تھا وہی تین ہزار میں قبل کا شمار
آج کے لئے ان دونوں کا راجش و ہراتی ہیں، لیکن اللہ کے لئے
بیکہ، اور فریاد اللہ بیکہ، ان کے لئے اللہ بیکہ،
اللہ و اللہ اللہ اللہ میں دانہ دین۔ اللہ اللہ میں اللہ اللہ —
میں حاضر ہیں۔ یہ کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہیں۔ — سب اللہ میں
(خیر و برکت) اور سب نعمتیں تیرے ہی پاس ہیں، تو سب نعمتیں تیرے ہی
اللہ —

نہا اور میں پر کھڑے تھے چھپٹ جاتی ہے اور ریل سے بھی نہ کہتا ہوں
کہ کیا ہے۔ ہر شے کا تینوں رنگوں کا نام ہوتا ہے۔ غرض ایسا بھی مرا ہے
کے مجھ سے کہ نام نہ ہے۔

نہایت کی آگاہی اور توجیہ نظر اظہار ان تمام مقامات اور جزئیات سے
پچھتے ہر جہاں جن ان دور میں انہما کے نقوش قدم برچھتے تھے۔ وہاں
سے بروئے کار لاتے ہوئے جاتے ہیں۔ کیونکہ حضرت اہل بیتؑ اصناف سے مروت و پاک
درد کرنے تھے۔ مگر وہ ہیں انہیں حضرت اسماعیلؑ کو قربان کرنا تھا۔

میدان عرفات: ان بیڑیوں کی دنیا کا خاص مقام تھا، وہاں مسلمان

رتے ہیں اور گڑگڑاتے ہیں، اور عیدِ بیتِ و اطاعت کا نبیاعہدِ وہبان یا ترہنۃ
ہیں۔ یہی حج کا حقیقی اور اہم ترین جزو ہے۔ لاکھوں نہرنگانِ خدا، ایک لباس
میں ملبوس اور ایک جذبے میں سرشار اس بے آب و گیاہ خشک میدان کے
اندازِ جھلکے اور جھلجھلے پہاڑوں کے نیچے مغفرت کی پیکار اور اپنی کوتاہیوں
اور تباہ کاریوں کے اقرار سے کہرام مچا دیتے ہیں۔ یہ احساس کہ یہاں حضرت
ابراہیمؑ سے لے کر حضورِ سرورِ کائنات ﷺ تک نہ جاننے کتنے انبیا اسی حالت
اور اسی صورت میں کھڑے ہو چکے ہیں، ایسا گداز، ایسا کیف اور ایسا منظر
پیدا کر دیتا ہے کہ انسان اس کا نقشہ نہیں کھینچ سکتے

حضرت ابوسعید کی پیروی اور اپنی روحانی قربانی کی مثال کے طور پر
بالفردیہ کے جاتے ہیں۔ قربانی کرتے وقت بھی مسلمان اس اطاعت اور
سرفروشی کا اعلان کرتے ہیں جو کہیں دنیا کے سب سے پہلے نہ اچھا تو میرے
اپنے عین اور اپنی زبان سے ظاہر کی گئی : اِنِّیْ سَلَمْتُ لَكَ بِجَسَدِیْ
بَلَدِیْ وَطَرِ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ حَبِیْبًا اَوْ مَدَامِنًا
اَللّٰهُمَّ كُنْ - میں اپنا سب سے بڑا حصہ بتاتا ہوں صرف (اور
ذات پاک) کی طرف کرتا ہوں۔ جس نے اس سوال اور زمین کو پیدا کیا ہے اور
میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں دلچسپ بنانے والے کو آپ بخت و ب
ہو جانے والے آفتاب و مانتاب اور باختر کے من شہرہ بتوں کو نہ ہی مانتا
اِنَّ صَلَاتِیْ وَنَسُوکِیْ وَمَحَیَّاتِیْ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ
اَلَا تُشْکِرُ لَکَ کَذٰلِکَ وَبِذٰلِکَ اُعِزَّتْ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ
میری نماز اور میری ہر عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنے کا سبب اللہ کے
شہ جو سارے جہان کا انتہا، رب ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں اور مجھے

یہی حکم دیا گیا ہے کہ ہر عساکر کے لئے ہونا چاہئے) اور میں سب سے قبل
قرآن برداری کا اقرار کرتا ہوں۔

یہاں اور زکوٰۃ عام عربوں کے لئے یا کھل نئی چیزیں تھیں جو ضرور کماؤت
حق اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتدریج موجودہ شکل تک پہنچایا۔ نماز کے
ارکان اور اوقات آہستہ آہستہ مکمل ہوئے اور زکوٰۃ خیرات و صدقات
سے ترقی کر کے زکوٰۃ بنی۔

روزے نے بھی کئی قالب بدلے، یوم عاشوراء سے چلا اور رمضان
میں فرض کیا گیا۔ لیکن حج کی رفتار تدریجی نہیں رہی۔

حج عرب میں اسلام سے پہلے موجود تھا۔ صرف اس کے اصول اور اکلن
کا محل اور طریقہ عمل بدل گیا تھا اور ان میں مشرکانہ شان آگئی تھی، اسلام
نے جملہ مفاسد کی اصلاح کر کے ایک دم حج کی فرضیت کا اعلان کر دیا۔
اہل عرب نے حج کو نام و نمود کا ذریعہ سمجھ لیا تھا۔ مناسک سے فارغ
ہو کر تمام قبائل منیٰ میں آجاتے تھے اور ذکر الہی کی بجائے ہر قبیلہ اپنے اپنے
آباؤ اجداد کے محاسن اور کارنامے بیان کرتا تھا۔

قربانی کرتے تھے تو جانور کے خون سے خانہ کعبہ کی دیواریں رنگ
دیتے تھے۔ حج کے لئے چلتے تھے تو زادِ راہ لے کر نہیں چلتے تھے اور بھیک
مانگتے پھرتے تھے۔

اس حج کے لئے اُس وقت جانا چاہئے جب اہل و عیال کی ضرورتوں کا سامان
کر لیا جائے اور جب تعرض کا بد چھ نہ رہے، اور اتنا روپیہ ساکت ہو کہ دورانِ
سفر میں بھیک مانگنی نہ پڑے۔

خانہ کعبہ میں ایک تختہ رکھا رہتا تھا، باہر سے جو عورتیں، مرد یا بچہ کو گئے
 آتے تھے وہ کپڑے اتار کر اس تختے پر ڈال دیتے تھے اور انہیں زبردستی
 ہر جگہ تھے۔ یہ عقیدہ بن گیا تھا کہ فقہ قریش کپڑے پہن کر طواف کر سکتے
 ہیں یا جسے تمغیش اپنی اُترن دے دیں وہ اس اُترن میں اہلبیت میں جو کوئی نہ
 کر سکتے تھے۔ جس کو قریش کی اُترن نہ ملتی تھی انہیں برہنہ ہی طواف کرنا
 پڑتا تھا۔

تمام قبائل عرب میدانِ عرفات میں حاضر ہوتے تھے۔ مگر قریش
 حدودِ حرم سے نکلتا اپنے منصب کے خلاف خیال کرتے تھے اور دروغ
 میں لک جلتے تھے۔

جج، جج کہہ گیا تھا، میلہ زیادہ بن گیا تھا۔ جج میں وہ حرکتیں کیا جانے
 لگی تھیں جو میلوں میں کی جاتی ہیں۔ مثلاً عورتوں سے چھوٹی چھوٹی شرمگاہ
 فسق و فجور۔ جج کا تقدس منقطع رہا۔

ایک خاموش جج ایجاد کر لیا گیا تھا۔ احرام باندھنے کے بعد لوہیت نہ
 تھے جج کے لئے پیادہ پا جانے کو قراب کا کام تصور کرتے تھے
 عورتیں جج کے لئے نیچے سر اور نیچے پاؤں جانے کی منت مانہی تھیں۔

ابو حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ اپنے دو بیٹوں کا
 کام سہارا لئے پیادہ پا جج کرنے جا رہا ہے حضور نے فرمایا: اللہ اس سے بے نیاز ہے
 کہ یہ اپنی جان کو عذاب میں ڈالے۔ حضور نے حکم کیا کہ سواری پر جائے۔
 کہ حضور نے اس قسم کی عورت کو دیکھ کر فرمایا: اسے سوار ہونا اور دو تیرہ اور ہٹنا
 چاہئے۔ پریشان حال بننے کا اللہ کوئی معاوضہ نہیں دے گا۔

فرمان فرمایا کہ اگر چاہتے ہو تو میری طرف سے تمہاری ساری ضرورتیں مل سکتی ہیں۔
 اگر تمہاری ضرورتیں یہ ہیں کہ تمہاری ساری ضرورتیں مل سکتی ہیں۔
 چچ کو یہ کہہ کر وہ بہت خوش ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ چچ کو یہ کہہ کر وہ بہت خوش ہوا۔

چچ کو یہ کہہ کر وہ بہت خوش ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ چچ کو یہ کہہ کر وہ بہت خوش ہوا۔
 چچ کو یہ کہہ کر وہ بہت خوش ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ چچ کو یہ کہہ کر وہ بہت خوش ہوا۔

چچ کو یہ کہہ کر وہ بہت خوش ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ چچ کو یہ کہہ کر وہ بہت خوش ہوا۔
 چچ کو یہ کہہ کر وہ بہت خوش ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ چچ کو یہ کہہ کر وہ بہت خوش ہوا۔

چچ کو یہ کہہ کر وہ بہت خوش ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ چچ کو یہ کہہ کر وہ بہت خوش ہوا۔
 چچ کو یہ کہہ کر وہ بہت خوش ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ چچ کو یہ کہہ کر وہ بہت خوش ہوا۔

یہ قرآن مجید میں ہے: لَئِنْ يَدْرَأَكَ تَكَلُّمُ الْبَشَرِ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَئِنْ يَكْفُرْ بِهَا الْفُلُكُ جَدًّا تُؤْوَى إِلَيْكَ مِنَ الْبَشَرِ مِنْ أَجْلِ مَا فِيهَا مِنْ نَفْسٍ مُرْسَلَةٍ
 اختصاراً کہ ہے کہ احرام باندھنے کے بعد گھر میں دیر اوروں پر سے چھلانگیں مار کر
 یا جھوٹا سا پر سے کود کر کہتے ہو گھر میں چھپو اور زیادہ اندھے سیدھے بستوں
 سے، غصہ ہونا کوئی نیکی نہیں ہے۔ یہی یہ ہے کہ پرہیزگار بنا جائے گھروں
 میں قرآن کے پڑھنے سے آواز نہ آئے۔
 یہ غصہ کرنے کی بجائے تو کھیل کودی۔

یہ قرآن مجید میں ہے: لَئِنْ يَدْرَأَكَ تَكَلُّمُ الْبَشَرِ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَئِنْ يَكْفُرْ بِهَا الْفُلُكُ جَدًّا تُؤْوَى إِلَيْكَ مِنَ الْبَشَرِ مِنْ أَجْلِ مَا فِيهَا مِنْ نَفْسٍ مُرْسَلَةٍ
 ۷ دوران میں اللہ کے فضل (یعنی روزی) کی تلاش کرو تو دس سے تم پر کوئی
 گناہ درنایا نہیں ہوگا (احرام باندھے ہوئے تجارت میں مشغول رہ سکتے ہو)

ایام حج میں عمرہ کرنے کو برا جانتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ
 اسلام نے غور و ساختہ حج کو اصلی حج میں تبدیل کر دیا۔
 جس طرح نماز کی نیت کا اعلان تکبیر ہے، اسی طرح حج کی نیت کا
 اعلان احرام ہے۔ احرام باندھ کر انسان معمولی زندگی سے ایک خاص
 زندگی میں داخل ہو جاتا ہے۔ زندگی کا گزشتہ باب ختم ہو جاتا ہے اور
 نیا باب کھل جاتا ہے۔

طواف کے متعلق حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
 ہے کہ ”طوافِ خانہ کعبہ ایک عثم کی نما ہے۔“ فرق اتنا ہے کہ اس میں بولنا
 منع نہیں ہے۔ مگر نیک بات کے سوا اور کچھ مت بولنا۔“

حجر اسود طواف کے شروع کرنے اور ختم کرنے کے لئے ایک نشان
 کا کام دیتا ہے۔ ہر طواف کے خاتمہ پر اس پتھر کو چومنا جاتا ہے۔ یہ پتھر
 حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے خانہ کعبہ کی تنہا یادگار ہے
 اُس زمانے کا اور کوئی پتھر باقی نہیں رہا ہے۔ حضرت ابراہیم کا بیٹا ہوا
 خانہ کعبہ کئی دفعہ گرا۔ کئی دفعہ آگ سے جلا اور کئی دفعہ سیلاب میں
 بہا ہے۔

کعبہ کی ایک ایک اینٹ اور مکہ کا ایک ایک ذرہ بدل گیا، بلکہ
 دنیا بدل گئی۔ لیکن حجر اسود اپنی جگہ قائم ہے۔ اسے حضرت ابراہیم
 علیہ السلام سے لے کر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کے
 انبیاء نے چوما اور چھوا ہے اور خلفائے راشدین اور دیگر اکابر اسلام

کے لبوں اور ہاتھوں نے اسے مس کیا ہے۔
 یہ چمنا اور چھونا اس ہتھکڑی کی تعلیم کی غرض سے نہیں ہوتا۔ یہ سوجھ بوجھ
 کا نتیجہ ہے جو نزرگانِ سلطنت کے ساتھ ہیں ہے۔ چچا جبراسود کو خبر ہے کہ وہ
 چھوٹے بغیر بھی بوجھاتا ہے۔

صفا اور مردہ کعبہ کے قریب دو پہاڑیاں تھیں جن کے اسیں نشانے
 رہ گئے ہیں۔ صفا کے متعلق روایت ہے کہ حضرت امیر المومنین علیؓ نے
 اپنے نوکروں اور سواری کے کہہ دیں کہ یہاں چھوڑ دیا تھا اور یہاں سے
 حضرت اسماعیلؑ ان کے ہمراہ اکیلے گئے تھے۔ مردہ وہ مقام ہے جہاں
 حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کی جارتی تھی اور اسے غیبی نے اسے روک رکھا
 دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ یہیں
 اکیلے گئے تھے اور حضرت اسماعیلؑ کو پیاس لگی تو حضرت ہاجرہؑ پانی کی
 تلاش میں صفا اور مردہ کے درمیان دوڑی تھیں اور چشمہ آبِ زم زمؑ بھی
 تلاش کیا۔ صفا اور مردہ کی بھی حضرت ہاجرہؑ کی مضطر بانہ دوڑ کی یاد تازہ ہے۔

بہر حال دورانِ حج میں اپنے سفا پر چڑھتے ہیں اور پھر مروجہ اور
تعبہ کی طرف سونپ کر کے اللہ کی حمد کرتے ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ
إِنَّ اللَّهَ مَا مَسْرُوعٌ عَيْنُهُ ثُمَّ يَنْزِلُ فِيهِمْ الْمَنَّانُ (اور اللہ تعالیٰ کہ اللہ تعالیٰ یہاں
بٹھانے کے لئے کہ صبر و شکر سے ہماری تاب برداشت کرے۔) اور اللہ تعالیٰ ہر
اللہ تعالیٰ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ ہر شے کی یادگار میں کوہِ سفا سے کہے
مروجہ کہ ایک ادب گاہ قرار دے دیا ہے کہ لوگ آئیں اور تقاضا یہ ہیں
سات مرتبہ اللہ کے درمیان دو تہائی صفا اور مروجہ اللہ تعالیٰ شکر

میدانِ عرفات کا نظارہ اپنی آپ مثال ہے۔ دوسری کوئی قوم ایسا شاندار اور مؤثر منظر نہیں پیش کر سکتی۔ حج دراصل یہی ہے۔ دنیا کے ہر حصے کا مسلمان ایک قسم کا لباس پہنے۔ کوسوں اور عمارتوں کو سولہ اقدھر، جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے، اتنی تعداد میں دکھائی دیتا ہے کہ روزِ حشر کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

نوالِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک یہاں اللہ کی حمد و ثنا اور دعاؤں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ لوگ روتے ہیں۔ توبہ کرتے ہیں اور اللہ سے نیا عہد بنا رہتے ہیں۔ یہاں پتھر کے دل بھی پاؤں پر چلنے لگتے ہیں۔ اسی میدان میں جبلِ رحمت کے قریب کھڑے ہو کر اسلام کا امیر خطبہ دیتا ہے اور مسلمانوں کو ان کے فرائض بتاتا ہے۔

عرفات سے حاجی مزدلفہ آتے ہیں، جہاں مسجد حرام ہے۔ یہ بھی عبادت کا اہم مقام ہے۔ رات بھر حاجی مشعرِ حرم کے ارد گرد گھومتے ہیں اور صبح کی نماز پڑھ کر کچھ دیر اور عبادت میں گزارتے ہیں۔

پھر ایک اور میدان ہے، جس کا نام منیٰ ہے وہاں سب حاجی جمع ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے جان پہچان پیدا کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو کھاتے چلاتے ہیں قربانی منیٰ ہی میں کی جانی ہے اور قربانی کے سہوٹی ہی میں منڈوایا جاتا ہے۔ یہاں بازار بھی لگتے ہیں اور خوب خرید و فروخت

ہوتی ہے۔ منیٰ مکہ معظمہ سے چند میل کے فاصلے پر ہے۔ منیٰ میں تین وزعیم رہتا ہے۔ گویا تین روز تک حاجی حج کی عید منیٰ میں مناتے ہیں۔

منیٰ کے میدان میں تین ستون کھڑے ہیں۔ روایت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ کو قربانی کے لئے رے رچنے تو شیطان نے ان کے دل میں دوسو سو ڈالاکھ حضرت ابراہیمؑ نے شیطان کے نکمریاں ماریں۔ یہ اُس زمانے میں اظہارِ رخصت کا طریقہ تھا اسی لئے شیطان کو ”رجیم“ کہا جاتا ہے۔ یعنی نکمریوں سے پٹا ہوا۔

مسلمان اللہ کی حمد و تسبیح کرتے جلتے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کی اتباع میں عیدالمنیٰ کے یمنی ستونوں پر نکمریاں برساتے جلتے ہیں، اور شیطان کے دوسو سو سے بچنے کی دعا مانگتے جلتے ہیں۔

حج کا مقصد خدا قول تو اللہ کی یاد ہے۔ لیکن مقصد ثانی ان مقامات سے جو مقدس روایتیں وابستہ ہیں انہیں قائم و برقرار رکھنا اور ان میں تائید کی کیفیت پیدا کرنا بھی ہے۔

حاجی کے لئے لازمی ہے کہ احرام باندھنے سے احرام اتارنے تک ہرگز صلح و رشتی ہو جائے۔ نیکی و پاکیزگی کی تصویر بن جائے۔ اگر کسی حاجی سے اس کے خلاف حرکت سرزد ہوتی ہے تو اُسے اس کا کفارہ دینا پڑتا ہے۔ اسلام کے جتنے ارکان ہیں۔ توحید، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج سب

(نوٹ صفحہ ۱۴۶) لہٰذا تہذیب کے ابتدائی دور میں سرمنظرِ انارکلامی کی علامت تھا۔ قربانی حج کے منظر اور حاجی اللہ کی دائمی غلامی کا اقرار و اعلان کرتے ہیں۔

نکاحاً منشا ایک سبب ہے۔ ایک کا ہو جانا نہ ایک بن جانا۔ یہ ساری رسیں جن کی
 اوپر مضامین کی گئی ہے مسلمانوں کو اللہ واحد کی طرف متوجہ کرتی ہیں
 اور اِنْ صَلَوَاتُكَ وَتُسْكُنُكَ وَتَحْيَاكَ وَتَمَاتُكَ لِلَّهِ رُفْعٌ
 اَعْلَمُ مِنْكَ۔ کہنے والے کی امتیاز میں اللہ واحد کا ہو جانا سکھاتی ہیں
 اور ان ساری رموز کو مسلمان تنہا الگ الگ انجام نہیں دیتے، ایک عبادت
 اور نیکہ کی تمام لب بزا کر انجام دیتے ہیں۔

پانچ وقت کی نمازوں میں پانچ وقت محلے کے مسلمانوں کو مل کر
 بیٹھے کا موقع ملتا ہے۔ جمعہ کی نماز میں سبکی بھر کے مسلمان مل لیتے ہیں،
 اور عیدین میں دیر انداز کے مسلمان اور حج میں دنیا کے گوشے گوشے کے
 مسلمان۔ پھر ان اجتماع سے کام لیا جاتا ہے، سفر اور آمد و رفت کی
 آسانیاں نہ ہونے کے باوجود اسلام کے احکام جو چند سال کے اندر شہر شہر
 سے ملک ملک پہنچ گئے تھے، یہ حج کے اجتماع ہی کا اعجاز تھا۔ دنیا بھر کے
 مسلمانوں کی اسلامی تنظیمیں گھسیاں حج میں بٹھ جاتی تھیں۔

خلافت راشدہ کا تذکرہ کیا، بعد کے مسلمان بادشاہ بھی خلیفہ
 سے رستہ نہیں توڑتے تھے اور اپنے آپ کو اس کا راجت مانتے تھے
 اور اگر کسی بددھن میں سب مسلمان بادشاہ ایک دوسرے سے بڑھتے
 رہتے تھے۔

مختلف ممالک کے حاکم اور والی حج کرنے آتے تھے تو اچھے لوگوں
 مسلمانوں سے ملنے آتے تھے اور انہیں سلجھا کر لے جاتے تھے۔
 مختلف ممالک کے حاکم کو حکام سے کچھ شکایتیں ہوتی تھیں تو ان
 کو جیست سوانہ کی بجائی تھی۔

چشمہ اجتماع دم کے دم میں سبزہ کا غم اسپین میں اور اسپر کی
نقشبند سرائیں پہنچا دیتا تھا۔

چچا میں اکثر محدث اور ائمہ مجتہدین ایک دوسرے سے ملاقاتیں کرتے
تھے اور حج ہی وہ فریضہ تھا جس نے عوطا، صبح بخاری، صبح مسلمہ اور احادیث
کے متعدد دفتر پیش کروائے اور ائمہ مجتہدین کے لئے ممکن ہو لے لے کا کہہ سنے
معاشرہ کے خیالات و معلومات سے فائدہ اٹھائیں۔

چچا کا اشراف اور یہ اثر آج تک ہے کہ معمولی سے معمولی حاجی بھی
: برف، یخ، فٹری بہت دیکھ لیتا ہے۔ زمانے کا رنگ پہنچانے لگتا ہے
اور اسلام آباد، راون کے حالات و واقعات سے متاثر ہوتا ہے۔

یاقوت رومی نے اپنے جغرافیہ تقویم البلدان کے مقدمے میں جغرافی
معلومات کی ترقی کا ایک بڑا ذریعہ اسی سفر حج کو قرار دیا ہے۔

آج ترقی یافتہ اور فنی اقتدار قومیں انسانی برادری قائم کرنے کا
خوبہ دیکھ رہی ہیں، ملت ابراہیمی کی ابتدائی دعوت اور ملت محمدیہ کی
تجدیدی پکار اس خواب کی تعبیر سینکڑوں اور ہزاروں برس پہلے پیش
کر چکی ہے۔

تمام دین کے لئے ایک زبان (اسپرنتو) کا غلغلہ ہوئی جس میں پچیس
سال قبل اٹھ اٹھا۔ خانہ کعبہ کی مرکزیت نے ملت محمدیہ کے سعادت دروازے
بونی یہ مسئلہ حل کر دیا ہے۔ عربی زبان ہارتی اسپرنتو حج کے موسم میں
مختلف ممالک کے رہنے والے محض ایک لیا س: ہی نہیں پہنتے، ایک بونی
میں اللہ سے باتیں بھی کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا تھا: کَسْبًا اِلٰی اَسْلَکَتُ رَسَدًا

ذُرِّيَّتِي لِيَوِّدَ غَيْرِي ذِي زُرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّرِ لَا
 تَبْنَا إِلَيْهِمْ وَلَا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْعِدًا مِّنَ النَّاسِ
 تَهْوَى إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الشَّجَرَاتِ لَهُمْ يُشْكُرُونَ
 سنہ سیرے رب! میں نے اپنی بچھڑا دی ہے محترم گھر کے پاس (مکہ) میں
 جس جگہ (پائیک) ناقابلِ زراعت ہے (لاکھ آباد کی ہے)۔ اے میرے
 پروردگار! رحمت اس لئے کہ وہ (وہاں) باقاعدہ نماز ادا کریں (اور
 گرائیں) پس تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف مائل ہو جائیں
 اور اپنی قدرت کاملہ سے اس سنگستان میں، انہیں پھل (وغیرہ) کھلا
 (اور ان کی غریب و نوحی کا انتظام فرما) تاکہ وہ (تیرا) شکر ادا کرتے رہیں
 اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کا سروضہ لفظیہ بلفظ قبول
 کر لیا۔ بے شمار اللہوں کے دل آلِ ابراہیمؑ کے والد و شہید ہیں اور
 مکہ معظمہ کے بازار تازہ سے تازہ پھلیوں۔ سبز لیوں اور ترکاریوں
 سے بھرے ہوئے ہیں۔

حج کا ایک مقصد تجارت کو فروغ دینا اور طلبِ رزق ہے طلبِ
 رزق اسلام میں عبادت ہے۔ مکہ معظمہ مسلمانوں کے عالم گیر تجارتی
 کاروبار کا مرکز اور مسابکِ اسلامیہ کی صنعتوں کی سالانہ نمائش گاہ ہے
 اور اسے ترقی دی جا سکتی ہے۔ لیکن زیر سایہ یورپ و امریکہ نہیں۔
 حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ اس
 ملک میں اسلام کے سوا کوئی دوسرا مذہب، کعبہ کے سوا کوئی دوسرا قبلہ، اور
 قرآن کے سوا کوئی دوسرا حقیقہ نہ پہنچے دیا جائے اور خانہ کعبہ کے متعلق تو قرآن
 کا حکم ہے کہ مشرک و کافر اس ادب والی مسجد کے قریب نہ آنے پائیں۔

فرانچھہ رائے اور سندے۔ مولانا عبدالمجید صاحب دریا بادی آپ سے
 اور مجھ سے اور خود اپنے آپ سے کیا کہہ رہے ہیں۔ ارشاد ہے کہ ”دنیا
 آپ کی کتاب کو نہیں، صرف آپ کو پڑھنے کی اور آپ ہی کو پڑھ کر آپ کے دین
 اور آپ کے نظام اور دستور العزت کے متعلق رائے قائم کرے گی۔“

مولانا دریا بادی نے خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کا ایک بیان اخبار صدق
 جدید، مندرجہ بدرجہ اولیٰ سطور میں شائع کیا ہے کہ مولانا عبید العزیز صاحب
 امر بوس، اسٹالن سے ملے تو انہوں نے اس کے سامنے اسلامی تہذیب اور
 تمدن کا موقع کھینچ کر رکھ دیا۔ مولانا سندھی بے حد خوش و تقریر تھے۔ اسٹالن
 ان کی تقریر چپ بلیٹ سمجھتا رہا۔ تقریر ختم ہوئی تو اس نے بس اتنا پوچھا
 کہ اس وقت کوئی مملکت اسلامی میں یہ تہذیب و تمدن اور یہ نظام رائج ہے
 میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ عملاً اس تجربے سے کیا نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔
 مولانا سندھی اس بات کا کیا جواب دیتے اور کس ملک کا نام بتاتے
 سر جھکا کر بے۔ کار بند۔ اس پر آج کوئی اسلامی ملک نہیں ہے لیکن ہندوستان
 اور مقبوضہ حیات یہی ہے۔ اسٹالن نے کہا، اچھا جب کوئی قوم اس پر عمل
 کرے گی تب ہم کوئی رائے قائم کر سکیں گے۔

مولانا دریا بادی نے مندرجہ بالا فقرے خلیفہ عبدالحکیم صاحب کے
 بیان کو شائع کر کے لکھے ہیں۔

نشان راہ دکھاتے تھے جہتاروں کو
 ترس گئے ہیں وہ مروان راہ دال کے لئے

جہاد

عرف عام میں جہاد نام ہے دین کے دشمنوں سے لڑنے کا۔ جہاد کا یہ مطلب صحیح ہے۔ لیکن جہاد کا مطلب فتنہ بھی نہیں ہے۔ جہاد جہاد سے مشتق ہے، اور محاذ پر کمال لفظ بنا ہوا تھا وہ بھی جہاد سے مشتق ہے۔ جہاد کے معنی ہیں محنت اور کوشش۔ اصطلاحاً جہاد حق کی سرپرستی کے لئے ہر قسم کی جدوجہد کرنے کو کہا جاتا ہے۔ جدوجہد جسمانی ہو یا مالی سب جہاد ہے۔ مخالفین حق کے حملوں اور مکرر جہاد کی انتہائی شکل ہے ایک دفعہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت زید بن خطابؓ کو فوج کے سالار بنائی بنا کر چاہا تو حضرت زیدؓ نے کہا۔ مجھے معمولی سپاہی رہنے دیجئے۔ رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شہادت نصیب نہیں ہوتی۔ اب چاہتا ہوں کہ ضرور شہید ہو جاؤں۔ سپہ سالار بن کر اس سعادت کا حصول دشوار ہے۔ سپہ سالار جنگ میں عملی حصہ

لے۔ اور حضرت عمر فاروقؓ

کبار ملے سکتا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت ابو حذیفہؓ بن عقیبہ بن ربیعہ کو بلایا۔ انہوں نے بھی یہی عذر پیش کیا اور انکار کر دیا۔

پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی نظر حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہؓ پر پڑی۔ لیکن وہ بھی تیار نہیں ہوئے۔

چوتھے صاحب حضرت خالد بن ولیدؓ تھے۔ انہوں نے عہد قبلہ کو سبیل

جو حضرت جہاد کی انتہائی شکل کے اتنے متناقض سہ ہوں۔ ان کے معمولی جسمانی وانی جہادوں کا کیا ٹک نہ ہو گا اور جو لوگ دین کے لئے جہاد میں جہاد معمولی ایثار اور معمولی قربانی نہیں کر سکتے وہ دین کے لئے جان کی بازی کیا لگائیں گے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن تعلیم و شریعت کو لے کر تشریف لائے تھے وہ سرتاپا عمل ہے۔ اسلام میں اللہ کی توحید رسولوں و صحیفوں اور فرشتوں کی تصدیق اور جہاد سمر کے اعتقاد کے بعد ان کے مطابق جہاد جہاد کرنے پر نجات موقوف ہے۔ یہ جہاد جہاد اگر تو اللہ کے حکم کی تعمیل میں ہو تو نفل پڑھتے رہنے اور مراعات کرتے رہنے سے افضل ہے جنگی جہاد کے لئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ غیر فرض عبادتیں حکماً چھڑا دیتے تھے اور مسجروں سے نکال نکال کر میدان کارزار کی طرف بھیجتے تھے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لمحہ نبیؐ بچو جانا ہزار نفل پڑھ لینے سے زیادہ مفید تھا۔ لیکن حضورؐ کے طلبہ و متبعین

کی جدوجہد کوں پر ترجیح دی۔ ایک دفعہ حضورؐ کی مجلس کے سامنے سے کوئی لڑکا جان گزرا اور کسی دکان میں گھس گئے۔ حاضرین نے کہا، کیسا شخص۔ ہے۔ پہچان نہیں آیا۔ دکان میں چلا گیا۔ حضورؐ نے فرمایا، اعتراض مت کرو، ممکن ہے طلبِ معاش کرے گیا ہو۔

قرآن مجید نے جہاد کی ضد و تعین بیٹھے رہنے کو کہا ہے لَا يَسْتَوِي الْقَاعِظُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرِ أُولِي الْقُلُوبِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ - معذور نہ ہونے کے باوجود (لگڑوں میں) بیٹھے رہنے والے مسلمان جان و مال سے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔

بیٹھے اور جہاد کرنے کے تقابل سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ جہاد کی حقیقت نصستی برتنے اور آرام ڈھونڈنے کے خلاف ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کی ابتدا سستی نہ برتنا اور آرام نہ ڈھونڈنا اور انتہا جان کی بازی لگانا اور قتال فی سبیل اللہ کرنا۔ جہاد فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ الگ الگ الفاظ ہیں اور ہم معنی نہیں ہیں۔ ان دونوں میں عام اور خاص کی نسبت ہے۔ جہاد عام، قتال خاص یا جہاد کی مختلف قسموں میں سے ایک قسم قتال ہے۔

مسلمان اپنی ہر ملکیت اسلام پر قربان کر دیتے تھے۔ یہ بھی جہاد تھا اور مسلمان تیر اور نیزے سے چھد جانے اور تلوار سے کٹ جلنے کو تیار رہتے تھے، یہ بھی جہاد تھا۔ مسلمانوں نے ابتدا میں جتنی تکلیفیں اٹھائیں وہ سب جہاد کے تحت آتی ہیں۔ ہجرت سے قبل دوسروں کی جانیں

انے رسول یا تم (لوگوں کی) بہترین نصیحت و حکمت (کی باتوں) کے ذریعہ اپنے
 پیروکار کے سامنے کی طرف بلاؤ اور (مباحثے کا موقع آئے تو) اس طریقے
 سے مباحثہ کرو جو (نتیجہ خیر اور) بہتر ہے۔

جہاد بالنفس کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اذکار
 بتایا ہے۔ جہاد بالنفس کو اللہ تعالیٰ جہاد کبیر کہتا ہے وَجَاهِدْهُمْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ
 كَيْفَ يَشَاءُ۔ دلائل شریفان کے ذریعے اُن سے جہاد کبیر کرو۔

جہاد بالنفس جہاد بالنفس سے کم اہم نہیں ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ
 جہاد بالنفس کے بغیر جہاد بالنفس بے اثر رہتا ہے اور جہاد بالنفس وہ شخص
 بھی کر سکتا ہے جو جہاد بالنفس کی اہلیت نہیں رکھتا۔

جہاد کی تیسری قسم جہاد بالمال ہے۔ صحابہ کرام نے غربت اور ناداری
 کے زمانے میں ضرورت پڑ جانے پر جیسا جیسا جہاد بالمال کیا ہے اُس کی مثال
 دنیا کی تاریخ میں نہیں ملے گی۔ جسما فی جہاد ہر وقت نہیں ہوا کرتا لیکن مالی جہاد
 کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔ کوئی تحریک سرسبز کے بغیر نہیں چل سکتی۔
 جہاد کی ان تین اقسام کے علاوہ ہر نیک کام میں اپنی قوت صرف کرنا
 اسلام میں جہاد ہے۔

ایک صاحب مین سے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
 خدمت میں آئے اور پوچھے کہ جہاد کی نیت سے حاضر ہوا ہوں، حضور نے
 پوچھا۔ تمہارے ماں باپ زندہ ہیں۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ جی ہاں حضور
 نے فرمایا فَذَرِهِمَا فَجَاهِدْ۔ تم ان کی خدمت گزاری کا جہاد کرو، یعنی
 ماں باپ کی خدمت کرنا بھی جہاد ہے۔

علیٰ ہذا نظر ناک مواقع پر حق کا اظہار بہت عظیم جہاد ہے۔ حضور

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : رَأَيْتُ مِنْ أَكْظَفِ
 النَّبِيِّينَ كُنُومَةً كَذَلِكِ الْعَصَا وَمَنْصَابٌ جَائِرٌ عَظِيمٌ
 جہا کسی لازم ہو کم کے سامنے انصاف کی بات کہہ دینا ہے۔

جہاں کو خسرے میں ڈالنے اور جان سے بے پروا : جو جانے کی
 انتہا کی شکل دین کے دشمنوں سے مقابلہ کرتا اور انہیں اظہار حق اور
 شہادت حق کے راستے سے ہٹاتا ہے۔ اس میں دشمنی ہی کی جائز
 نہیں جا تیں، اپنی جائیں بھی دی جاتی ہیں۔ مسلمان کو جان لینے سے
 زیادہ جان دینے کا شوق ہوتا ہے۔ جان دینے والا شہید کہلاتا ہے
 اس کی پابست ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اُسے مردہ مت کہو۔ وہ زندہ
 ہے۔ اُسے ایسی حیات مل گئی ہے جس کا تم اس عالم میں احساس نہیں
 کر سکتے وَلَا تَقُولُوا مَيِّتٌ يَتَّقِلُ رَفِئُ سَيِّئِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ
 يَدُ أَحْيَاءُہُمْ وَآلِہُمْ لَا تَشْعُرُونَ

اور جو شہادت نہیں پاتے مگر شہادت حاصل کرنے کی نیت
 سے مرنے میں انہیں بھی بڑا اجر ملتا ہے۔ وَهَنٌ يُفَاتِلُ فِي سَبِيلِ
 اللَّهِ فَيُقْتَلُ أَوْ يَغْلِبُ فَسَوْفَ نُوَفِّيهِ أَجْرًا عَظِيمًا
 بے اندازہ کام میں لڑتا ہے وہ ہار جیتے یا غالب ہوئے ہم اُسے بڑا اجر
 عظیم دے دیں گے۔

خیال کیجئے اس تعلیم و تربیت سے مسلمانوں میں مشکلات سے نمٹنے
 اور دشمنوں سے نہ ڈرنے کی کیسی روح پیدا ہو جاتی ہے۔

جب ہے جہاد کے علم نے جہاد کو اتنی اہمیت کیوں نہیں دی
 جتنی اہمیت کا قرآن و حدیث کی رو سے جہاد سچا جہاد تو اکان اسلام

میں شمار ہونے کے لائق چیز تھی۔ مگر علما سلسلہ عبادات میں بھی اس کا ذکر کم ہی کیا کرتے ہیں۔

جہاد ایمان کی کسوٹی ہے۔ قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنِّي زَعَمْتُكُمْ أَكْثَرُ أَوْلِيَاءَ بِلَدٍ مِّنْ دُونِ النَّاسِ كَتَمْتُمُورَ الْأُمُوتِ إِنِّي كُنْتُمُ صِدِّيقِينَ دَاوُدُ بْنُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یہودیوں سے کہو کہ یہودیو! تمہیں اگر دعوے ہے کہ تمام بندوں میں فقط تم اللہ کے ولی (اور دوست) ہو (تو اس کی پہچان بہت آسان ہے اللہ کی راہ میں) مرنے کی تمنا کرو۔ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو گے (تو) مرنے سے قطعی نہیں گھبراؤ گے۔

تو ولایت کی پہچان کیا ٹھہری۔ مرنے سے نہ گھبرانا اور مرنے کے لئے آمادہ رہنا۔ اور مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ وہی اللہ کا ولی اور دوست نہیں ہوتا۔ اللہ بھی اس کا ولی اور دوست ہوتا ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ آمَنُوا۔ اللہ اہل ایمان کا دوست ہے۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اللہ مومنوں کا دوست ہے۔ لہذا مرنے سے نہ گھبرانا اور مرنے کے لئے آمادہ رہنا حض و ولایت نہیں۔ ایمان کی کسوٹی ہے۔

تقویٰ

انسان میں فجور اور تقویٰ یعنی گناہ کرنے اور گناہ سے بچنے، دونوں کے دائرے رکھے گئے ہیں۔ گناہ کرنے کی قابلیت نہ ہو تو گناہ سے بچنے کا سوال باقی نہیں رہتا۔ **فَالِهَمَّهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا** غلط کاری بھی اُس کے جی میں ڈال دی ہے اور غلط کاری سے بچنے کی طاقت بھی اُسے دے دی ہے) اب یہ انسان کا کام ہے کہ غلط کاری کو ٹھوکر مارے اور تقویٰ اختیار کرے۔ **یا تقویٰ** سے بے نیاز ہے اور غلط کاری میں عمر گزارے جائے۔

حُذَیْبِیہ کا واقعہ اس کی بہترین مثال ہے۔
 حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے بعد پہلی دفعہ
 ایک غلاب کی بنا پر عمرہ کی نیت سے مکہ جا رہے تھے۔ چودہ سو صحابہ

لہ تو یہ کی اہمیت طاقتِ گناہ ہی کے زمانے میں ہے۔ علامہ سبکی فرماتے ہیں۔
 اے حسن تو یہ اُن زماں کر دی کہ ترا طاقتِ گناہ نہ ماند

بے خوف و خطر، امن و امان کے ساتھ داخل ہو گئے (بعض) سرمنڈلتے ہوئے اور (بعض) بالی تڑواتے ہوئے اللہ کہ ان باتوں کا علم حاجن سے تم آگاہ نہیں تھے یہ جس خواب کی تعبیر نکلنے سے قبل اللہ نے بتی زمانے میں ایک اور فتح جسے عریبیہ کی عسرت میں عطا فرمادی۔ قوسحابہ کی آنکھیں کھل گئیں۔ غم کے بادل چھٹ گئے اور لغزش کی جگہ تقویٰ نے لے لی۔ تقویٰ لغزش سے بازی لے گیا۔ اسی لغزش کے چھڑنے اور تقویٰ اختیار کرنے کا ذکر: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقْوَاهُ ۖ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ** (مائدہ)۔ اذْجَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ الْحَمِيَّةَ اَلْجَاهِلِيَّةَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَنِينَ عَلَى رَسُولِهِ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَ اَلْوَمَّهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا طجب کفار نے اپنے دلوں میں عندیہ کر لی۔ ضد بھی کہیں، جاہلیت کی (ضد) تو (اس کے مقابلے میں) اللہ نے اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر تسکین (وطمانیت) نازل فرمائی اور ان کو تقویٰ کی بات پر قائم اور ثابت قدم رکھا، اور وہ اس (تسکین و طمانیت) کے مستحق اور اہل تھے۔

بچہ گرتا ہے اور سنبھلتا ہے گرتے گرتے اور سنبھلتے سنبھلتے اسے نہ کرنے اور سنبھلے رہنے کی عادت پڑ جاتی ہے، لیکن گرنے کا امکان عمر بھر ختم

لے صح حدیبیہ سے تبلیغ کے راستے کھل گئے جو لوگ اسلام کے نام سے بھڑکتے تھے وہ مسلمانوں سے ملنے جلنے لگے اور حق و ناحق پر غور کرنے لگے اور دو سال کے سکون سے مسلمانوں کی قوت اس قدر بڑھ گئی کہ یا کفار مکہ مسلمانوں کو مکہ میں گھسنے نہیں دیتے تھے یا مکہ بے رطے فتح ہو گیا اور کل عرب مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا۔

نہیں ہوتا۔ صحابہ جیسے انسان ٹھوکر کھاسکتے ہیں تو عوام کا کہاں اٹھکانہ ہے
 دنیا کے سوا ہر بڑے سے بڑا شخص ٹھوکر کھا سکتا ہے اور گر سکتا ہے،
 ہنرا اگر نئے سے بچنے کا در بیان ہمیشہ اور بہ وقت رکھنا چاہئے۔ گناہ
 سے بچنے اور قہرین قدرتی کا کچھ اشت کرنے کا خیال پس ہی تقویٰ ہے۔ درستی کو
 اسلام نے حسب نسب اور رنگ و وطن اور تمام خصوصیات امتیازات کی یکساں
 واحد معیار مشرقت و بزرگی قرار دیا ہے۔ ہندو سرور کا انسانی تامل اللہ
 ہاں وہ آدم و سلم نے فرمایا ہے کہ عرب کی کچھ برادر گوئے کو کالے پر برتری نہیں ہے
 برتر صرف وہ ہے جس میں اتنی زیادہ ہے اللہم اتقوی بزرگی و شرافت تقویٰ کو کہتے
 ہیں اتقوا سے تنگ نظری جاتی رہتی ہے اور کشادہ طری پیدا ہو جاتی ہے
 قرآن مجید میں ہے: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا**
(اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ط اے لوگو! ہم نے تم
(سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ (اوم اردو) اس کے
علامہ اور کوئی نہیں ہے جس سے انسانی نسل چلی ہو۔ (یہ) قومیں اور
قبیلے (جو ہیں۔ یہ) ہم نے اس لئے بنا دیئے ہیں کہ ایک دوسرے کو
شناخت کر سکیں۔ (جس طرح افراد کے نام ہوتے ہیں اسی طرح قوموں اور
قبیلوں کے نام ہیں۔ محض نام رکھ لینے سے عزت کا استحقاق حاصل
نہیں ہو جاتا، اللہ کے نزدیک تم میں جو (حق بنا) زیادہ صاحب تقویٰ
اور گناہوں سے بچنے والا ہے وہ (اتنا) عزت کا حق دار ہے (اللہ
نے نزدیک عزت کا انحصار تقویٰ کے علاوہ اور کسی بات پر نہیں

ہے۔)

تقویٰ کے لفظی معنی تو بچنے کے ہیں لیکن اصطلاح میں تقویٰ اس کیفیت کا نام ہے کہ انسان اللہ کو خائفہ نظر کرنے اور اس کا دل اچھا کرنے کی طرف راغب اور برائی سے گریزاں رہے : وَمَنْ يُعِظِمِدَّ شَأْنَهُ عِندَ اللَّهِ فَاَحْسَنُ مَقَرًّا لِّقَلْبِهِ الْقَلْبُ الْمُنِيبُ ۝ (جو جو باتیں شعائر اللہ ہیں) ان کی جرح و شخص تعظیم و توقیر کرے گا (و یقیناً متقی) در پرہیزگار ہونے لگے گا) یہ (تعظیم و توقیر شعائر) دلوں کے تقویٰ کا ثبوت ہے یعنی جس کے دل میں اللہ کا خوف ہو، اور جو نیک دل ہو گا وہی نیک یا تقی کا ادب و احترام کرے گا اور اپنے فرض کو پہچانے گا۔

اس کیفیت پر اعتراض نہیں چاہئے۔ اور غیر اللہ سے اس کا عہدہ نہ پائنا چاہئے۔ اِسْتَأْذِنُکَ اور ہر دل غریب نے کا شوق یہ دولوں پر تقویٰ کو تقیے انہیں رہنے دیتے۔ تقویٰ خالص اللہ کے لئے ہونا چاہئے۔ تقویٰ اللہ کے لئے ہو تو اللہ ایسے شفی سے محبت کرتا ہے اور اِس کا دست بن جاتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھتا ہے۔ وَاللّٰهُ وَحِیُّ الْمُتَّقِیْنَ اللہ متقیوں کا دوست ہے۔ وَاعْبُدُوْا اَنَّ اللّٰهَ کَعِ الْمُتَّقِیْنَ یاد رہے کہ اللہ ان کا ساتھی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں گناہوں سے بچتے اور نیکیاں کرتے ہیں۔ یعنی متقی ہیں) اِنَّمَا یَتَّقِیْ اللّٰهَ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ اور اللہ عز و جل بھی فقط متقیوں کی قبول کیا کرتا ہے۔ هٰکِیْ لَکُم مَّقَاصِدُ قُرْآنٍ اَنْ کُوْصَحَ وَکَرِیْطُوْا اَللّٰہُ جہ متقی ہوتے ہیں۔ وَاللّٰہُ قَرِیْبٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ (انجام اچھا متقیوں ہی کا ہو گا۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ) اللہ تعالیٰ کے لئے تمہاری ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ

جَبَلْتِ التَّعْيِيمِ اِہْلِ تَقْوٰی كے لئے اُن کے پروردگار کے پاس نعمتوں کے بلوغ میں اِنَّ اَلسَّٰقِیْنَ فِیْ مَقَامِ اٰمِیْنِ اِہْلِ تَقْوٰی امن و امان کی جگہ ہوں گے۔

لہ مرنے کے بعد ہی نہیں، موجودہ زندگی میں بھی۔ — قرن اہل کا تصور کیجئے۔ صحابہ نے یادِ متقی کو نہ ہو سکتا ہے۔ دنیا کے لئے اُن کا درجہ ہے۔ اُس زمانے کے ہر مسلمان کو دینا ہی نعمتیں جس تھیں۔

نوع انسانی کا عروج یہ نہیں ہے کہ چند اشخاص اور چند خاندان قریبے حدود حساب دولت مند ہو جائیں اور باقی انہیں سہم سہم کر دے۔ کچھتے رہیں۔ نوع انسانی کا عروج یہ ہے کہ ساری ملت کو آرام اور آسائش و میسر آئے۔ مسلمانوں کا ایک دور ایسا گزرے کہ زکوٰۃ و خیرات لینے والے ”دعا“ نہ ملتے تھے وہ دور پھر سکنا ہے۔ ایشہ طیکہ صاحب مقدرت مسلمان شراب و کباب اور عیش و عشرت میں رویمے نہ لگائیں اور قرآن کے حکم کے مطابق اپنی جائز ضروریات پوری کر کے جتنا روپیہ بچے اُسے ملت پر خرچ کریں۔

دنیا کی صحیح کامیابی اہل تقوٰی ہی کا حصہ ہے۔

لہ دنیا میں بھی اہل تقوٰی کو سکون و اطمینان حاصل رہتا ہے یہی تو میں جن کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لَا خَوْفٌ عَلَیْہُمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ
مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے غیر متقیوں کی طرح ان کی نیندیں خراب نہیں ہوتیں۔ اور نیک کاری کے باوجود انہیں کسی قسم کا چرکہ لگ جاتا ہے تو وہ اُسے تنبیہ سمجھتے ہیں اور اُس کا سونگ مناتے ہیں۔ تھوڑے سے محتاط اور ہو جلتے ہیں۔

اسلام کو نذر اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ انسانوں میں تقویٰ پیدا
کرے اور مجرمانہ اور باغیہ ذہنیت انسانوں کے دل و دماغ سے نکال
دے۔ عبادت کا عام حکم ہے تو اس واسطے کہ تم متقی ہو جاؤ۔ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُونَ (اور عبادت کو اس واسطے کہ تو اس کا مقصد بھی یہی ہے تاکہ
تم متقی ہو جاؤ کہ کہ تَتَّقُونَ تقویٰ کے لیے سلام ہمارا اور رضا کچھونا
بنانا چاہتا ہے۔ قریب (تَتَّقُونَ) اتقوا ہی اتقوا محبت قریب و زینت
کی بنا پر تقویٰ کے لیے لیا گیا ہے۔ محبت میں کچھ نہیں ہے۔ اَعْبُدُوا اللَّهَ
اَقْرَبَ لِلتَّقْوَىٰ۔ انصاف سے کام لو، انصاف کرنا تقویٰ کے
قریب تر ہے۔ اَقْرَبَ تَعْلَمُوا اَقْرَبَ لِلتَّقْوَىٰ معاف کرنا بھی
تقویٰ سے قریب کرتا ہے۔ اِنَّ تَصَابِرُوا وَتَتَّقُوا فَانَّا لَذٰلِكَ
عِزٌّ عَزِيزٌ اَلْمُؤْمِنِ۔ منہا ہی سے بچنے اور امر کی تعمیل میں تکلیفوں
کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انہیں اگر برداشت کرو اور منہا ہی سے بچنے اور
امر کی تعمیل کی تک و دو کی جاؤ تو یہ اللہ کے ہاں تمہارا بڑا کارنامہ
مانا جائے گا وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ اُولَٰئِكَ
هُمْ الْمُتَّقُونَ۔ منہا ہی سے بچنے والے اور امر کی تعمیل کرنے والے
یعنی متقی ہیں ہی وہی جو زمانہ کے ہر شعبہ اور کام کے ہر پہلو میں سچائی
برائی اور ابدی سچائی کو سچ جانیں (ظاہری فائدوں اور نقصانوں سے
متاثر نہ ہوں اور راہ راست پر چلے رہیں۔ مَنَ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَآمَنَ بِمَا نَزَّلْنَا مِنَ الْكِتَابِ وَآتٰنَا اٰمَنًا
عَلٰی صُلْبِهِ ذٰلِكَ الْمُنْتَقِي وَالْمُسٰكِينِ وَالْمَسْكِيْنَ
السَّيْلِ وَالسَّائِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ جَ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ

رَأَىٰ فِي الزَّكَاةِ وَلَمْ يُفَوِّتْ بِعَهْدِهِ إِذَا عَاهَدُوا
 فَاصْبِرْ فِي أَلْيَا سَاعٍ وَالصَّبْرُ أَجْرٌ وَحَيْثُ النَّاسُ أُولَٰئِكَ
 الَّذِينَ صَدَقُوا وَأَمَّا الْكَاذِبُ هُمُ الْمُتَشَقُّونَ - جبرائیل
 اور قیامت پر اور ملائکہ پر اور گزشتہ صحیفوں اور گزشتہ نبیوں پر ایمان رکھیں
 اور اپنا مال اللہ کی محبت میں قربت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں،
 اور سالکوں کی ضروریات، اور (غلامی وغیرہ سے مظلوموں کی) گردنوں (کے)
 چھڑانے، پر لگائیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جو عہد کر کے عہد کو
 پورا کریں اور مفلسی، بیماری اور حالت جنگ میں صابر (و ضابطہ) رہیں۔ یہی
 لوگ (یہاں جنہیں کہنا چاہئے کہ اسلام کے) صادق ہیں اور یہی لوگ ہیں کہ
 منتقی کہلائے جانے کے مستحق ہیں ۱۵

جس طرح بُری صحبت، بُری تربیت اور بُری تعلیم اور بُرے کاموں
 کی مشق سے گناہ کا مادہ بڑھتا چلا جاتا ہے اُسی طرح اچھی صحبت، اچھی تربیت
 اور اچھی تعلیم اور اچھے کاموں کی مشق سے نیکی کا فوق پرورش پاتا ہے۔
 وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادْهُمْ هُدًى وَالَّذِينَ كَفَرُوا
 جبرائیل (راست) پرائے گئے، اللہ نے ان کی سوچ اور بڑھائی اور انہیں تقویٰ
 کی اور توفیق عطا فرمائی

۱۵ ان سب علامات سے دل کی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔

اخلاص

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ بڑے کام تو کئے ہی نہ جائیں اور اچھے کام کئے جائیں تو اللہ کی اطاعت گزاری کے خیال سے کئے جائیں۔ اُن کا مقصد طلبِ شہرت یا جلبِ منفعت نہ ہو۔ (اسی کا نام اخلاص ہے۔ اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ط خبردار خالص اطاعت گزاری اللہ کا حق ہے۔۔ د اللہ کی اطاعت گزاری میں کسی مخلوق کو شریک نہ کرنا۔

انسانی خواہش کا دخل اللہ پسند نہیں فرماتا۔ ارشاد ہے :
 اَرَاۤیْتُمْ مَنِ اتَّخَذَ الْهَوٰیَ ۙ هُوَ الَّذِیۡ ۙ
 جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔۔

اخلاص کی تاکید قرآن مجید میں کئی موقعوں پر آئی ہے۔ اور بار بار
 اَبٰی کَیۡنَ مُخْلِصًا لِّہٖ الدِّیۡنَ کہاہے اور کہیں مُحَمَّدٍ صِدِّیۡکَ لَہٗ
 الدِّیۡنَ ۔

دنیا میں بھی اخلاص کامیابی کی کنجی ہے۔ کوئی نظام ہر کتنا ہی اچھا
 کام کرے مگر اس کے متعلق شبہ ہو جائے کہ ذاتی اغراض پیش نظر ہیں

پانائش کا بھوکا ہے تو وہ پیاس کا استراام نہیں کرتی، جیسا کہ ہندوستان اور
 پاکستان کے اکثر سیاسی لیڈروں کا عشر ہوا اور جس کے متعلق یقین ہو کہ
 مختار ہے اُسے دنیا بھلائے نہیں بھولتی، جیسے بزرگان دین۔ وہ
 اللہ کی خوشنودی کے سوا کچھ نہیں چاہتے تھے لیکن اللہ نے دنیا
 میں اپنی انہیں نوازا، اتنی عزت عطا کی کہ بادشاہوں کے ڈمکے ناموش
 ہو گئے، فقیروں کے گونکے بجے جلتے ہیں۔

ہر حق نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ عَنِیْهِ سُبْحٰنَہٗ
 تہیں سیدھے رستے پر ڈالنے کا ہم تم سے براؤ نہ اور بارہ نہیں مانگتے
 اِنْ اٰجُرْہِیْ اِلَّا عَلٰی رَحْمَۃِ رَبِّیْکُمْ ہمارا معاوضہ اور بدلہ
 رب العالمین کے پاس ہے۔ اور محسن ربان سے نہیں کہا تھا اس کے مطابق
 عمل رکھا تھا حضورؐ اور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل بکریاں
 چرانے والوں کے ہارموں میں بادشاہتیں لوٹنے لگی تھیں اور دین کی دولت
 کے ساتھ دنیا کی دولت سے بھی وہ والا مال ہو گئے تھے مگر حضورؐ نے خود
 اپنی زندگی مطلق نہیں بدلی۔ حضورؐ جس مختصر سے کچھ بچے مکان میں ہجرت
 کے پہلے سال رہتے تھے اُسی میں آخری سانس تک رہتے ہی کھلے اور پہنے
 کا معیار بھی نہیں بڑھایا۔ ازواج مطہرات نے اُسے محسوس کیا۔ ان سے
 اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ تمہیں جنت چاہئے تو نبی کے ساتھ ٹھہرو اور مال
 چاہئے تو نبی سے طلاق لے لو اور مال دار مسلمانوں سے نکاح کر لو، نبی
 کے ہاں عیش و آرام ممکن نہیں ہے۔ ازواج مطہرات بہر حال ازواج مطہرات
 تھیں۔ انہوں نے جنت کو ترجیح دی۔ اسی واقعے کے بعد تمہیں کہا کہ
 کا خطاب ملا تھا۔

ان سے بڑے نیازی انسان کے اختیار کی بات ہے۔ لیکن تحسین و شہرت
 نہ ہونے پر انسان کے اختیار میں نہیں ہے جو وہ تحسین و شہرت کے طلبکار
 رہتے ہیں ان کی اتنی تحسین و شہرت نہیں ہوتی جتنی تحسین اور شہرت ان
 کی ہونے لگتی ہے جو اسے طلب نہیں کرتے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم یہ اختیار بے نیازی ساری دنیا سے فائق ہیں۔ ان کو
 تو حضور نے ہاتھ نہیں لگایا مگر تحسین و شہرت وہ سب چیزیں ہمارے ہاتھ میں
 شہرت حضور کی دنیا بھر سے زیادہ ہوئی۔ لہذا ہم بڑے نادان ہیں اگر
 اپنے اچھے کاموں کا بدلہ اللہ کی خوشنودی کے سوا کچھ اور چاہتے ہیں
 اپنی! ہمیں اتنی دے کہ ہم ہر آن اور ہر لمحے میں تیری خوشنودی محسوس
 رہیں۔ ہمارے اچھے کام تو شہ اور بارگاہی ہو کر نہ رہ جائیں۔ ہمارے
 اچھے کاموں سے اخلاقی و روحانی نتائج برآمد ہوں۔ ہمارے عبادتوں
 میں اخلاص پیدا کرے تاکہ تو انہیں قبول فرمائے۔ ہمارے حقوق و مطلق
 مخلصانہ بنانا کہ وہ عبادت کو درجہ پائیں۔ ہمارا ہر عمل، اخلاص کی کسوٹی
 پر پورا اُتار۔

آج کل ایسے شخص کو جو صرف رخصتے کا میت نہیں ہوتا انھیں کہہ
 دیا جاتا ہے تحسین و شہرت کی طلب آج کل جاگز ہے لیکن اسلام کا
 معیار اخلاص بہت اعلیٰ ہے۔ اسلام تحسین و شہرت کا تصور بھی ہی
 و دماغ سے نکلاتا ہے۔

آپ اچھے کام کریں گے تو تحسین و شہرت تو ہوگی ہی۔ مگر آپ کا
 علو اس میں ہے کہ آپ تحسین و شہرت کی پرواہ نہ کریں۔ اَلَا بُنْعَاجِر
 وَجْہِ رَبِّہِ الْاَعْلٰی یعنی ذات باری تعالیٰ کی خوشنودی کے

کے سوا اور کوئی غرض پیش نہ رکھیں۔

خلوص میں بڑی کوشش ہے۔ معمولی تعلق کا اثر پڑتا ہے۔ بشرطیکہ تعلق ہو۔ اکثر اوقات ذی اقتدار لوگوں سے اُن کے خدمت گزار وہ کام نے لیتے ہیں جو امر اور مروت سا نہیں دے سکتے۔

اللہ کی جتنی نعمتیں کفار و مبین سب کے لئے عام ہیں اُن کے علاوہ خاص نعمتوں کی خواہش ہے تو اللہ سے تعلق پیدا کیجئے۔ اُس کے گھر کے آدمی پیشہ یقین اور حرفت سے ذرا آگے قدم بڑھائیے۔

صدر پاکستان محمد یوسف خاں کو میں نے نہیں دیکھا لیکن میں ان کے ہونے اور صدر پاکستان ہونے کا یقین رکھتا ہوں۔ اتنا ہی یقین اگر مجھے اللہ تعالیٰ کے جہود اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ہے تو کیا سرف اتنے یقین کی بنا پر صدر یوسف خاں میرے ساتھ خصوصیت برت سکتے ہیں؟ صدر یوسف خاں سے تعارف ہو جائے، یعنی نعمت معرفت میسر آ جائے تو بھی کوئی غیر معمولی عنایت نہیں کی جائے گی۔ غیر معمولی عنایت کا مستحق وہ ہوتا ہے جو عنایت کرنے والے کا ہو جاتا ہے۔ اُس کے اشاروں پر چلتا ہے اور اُس کی رضا کے نکلا کسی کا کہنا نہیں مانتا۔

خلوص کی گلی بیٹی کا غم مت کیجئے۔ تھوڑا تھوڑا کر کے اسے ترقی دیکھئے۔ بانیوں جیسا خلوص پیدا نہیں ہو سکتا لیکن ولیوں جیسے خلوص کے دروازے بند نہیں کئے گئے ہیں۔

اس بات کو دماغ پر لکھ لیجئے کہ اخلاص عمل کی روح ہے۔ روح نہیں تو عمل کی حیثیت کیا ہے؟ زہی جو جسم بے روح کی ہوتی ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: **اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ**

مُضْغَةً إِذَا صَلَّحْتَ صَلَّحَ الْجَسَدُ مَعَكَ وَإِذَا فُسَدَتْ
فُسَدَ الْجَسَدُ مَعَكَ. أَلَا دَهَى أَتَقْلِبُ۔ آگاہ رہو جسم میں
گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست ہوتا ہے
اور جب وہ نادرست ہو جاتا ہے تو سارا جسم نادرست ہو جاتا ہے۔ آگاہ
رہو کہ گوشت کا وہ ٹکڑا اول ہے۔

اخلاص دل کی ایک کیفیت ہے۔ دل میں یہ کیفیت نہیں تو عبادت
اور دیگر اعمال میں کبھی کہاں سے آئے گا۔

ہم جو کام بھی کرتے ہیں وہ دو چیزوں کی مدد سے انجام پاتا ہے۔ ایک
جسم کے ظاہری اعتدال کی جنبش سے۔ دوسرے دل کی نیت سے۔ کام
کی بقا اور برکت دین و دنیا میں دل کی نیت، اور نیت کی کم زوری و قوت
پر منحصر ہے۔

جو کام جتنا زیادہ اچھی نیت کے ساتھ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس
کے کرنے والے کو دین و دنیا میں اتنی ہی فوز و فلاح بخشے گا۔ کام کو اتنی ہی بزرگی
عطا ہوگی اور کام کے کرنے والے کو اتنی ہی خوشنودی باری تعالیٰ اور بقولیت
وہر دل عزیز میسر آئے گی۔ اچھی نیت سے کام کرنے والے جماعتوں اور
قوموں کے محسن کہلاتے ہیں اور بری نیت سے کام کرنے والوں کا نام بھی
نہیں لیا جاتا۔

آپ دوستوں عزیزوں اور ملک و ملت سب کے ساتھ اخلاص
برتنے، مگر یہ سمجھ کر کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اپنے ہر عمل کا کنکشن اللہ سے
جڑا رکھئے۔

عمل میں اپنی طبیعت کے اتباع کی انبیاء تک کو اجازت نہیں ہے،

حضرت داؤد علیہ السلام سے کہا گیا تھا: يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً
فِي الْأَرْضِ فَلْيُكْمِلْ بَيْنَ الْأَمْسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ
فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ - اسے داؤد ہم زمزمیہ کی پہلی کتاب
بنیاد ہے۔ تم (ہماری) مخلوق کے درمیان حق (و انصاف) کا (اللہ کی ہدایت
کے مطابق) فیصلہ کرنا، اپنی طبیعت کا امتیاز نہ کرنا یہ (طبیعیات کا امتیاز)
تمہیں اللہ کے راستے سے بڑھکا دے گا (اور صحیح المسئلہ پر نہیں رہنے دے
گا، اور تصور سرور کا سات صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق اور تائید: وَمَا
يُضِلُّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ هُوَ الْهَوَىٰ وَهُوَ الْأَوَّلِيُّ وَهُوَ الْآخِرِيُّ وَهُوَ
فِي الْأَرْضِ هُوَ الْأَوَّلِيُّ وَهُوَ الْآخِرِيُّ - جو کچھ کہتے ہیں وہ اللہ کی ہدایت ہے جو ان پر
نازل کی جاتی ہے۔

لہذا اس کا مطلب کوئی صاحبِ تمیز و تفکر کی فنی نہ سمجھ بیٹھیں۔ مگر یہ و تفکر کی تو قرآن مجید نے بابِ اِرتاکید کی ہے۔ مطلب صرف اتنا ہے کہ اپنے ہر عمل کا کنکشن اللہ سے بٹھا رکھئے اور اللہ کے احکام کو اپنی عقل کی کسوٹی بنائیے، اپنی عقل کو اللہ کے احکام کی کسوٹی نہ بنائیے۔ انسانی عقل دوسرے انسانوں کی عقل کے مقابلے میں فیل ہو جاتی ہے۔ لہذا بڑے سے بڑے انسان کی عقل اللہ کی کسی بات کے ادراک سے عاری رہے تو تعجب کیا ہے۔ ویسے اللہ کی ہزاروں باتیں کا ادراک عام انسان کر سکتے ہیں اور اللہ سے کنکشن بٹھا رہے تو اس بات کا ادراک کر سکتے ہیں جس کا ادراک ”بڑے انسان نہیں کرتے۔“

عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ط کلام میں ان سے مشورہ لو (اور) پھر
 جمید بات متھارے دل میں نہیں چلے گی اور اُسے کر گذر اور اللہ پر بھروسہ رکھو
 إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۝ اللہ اپنے اور پس بھروسہ رکھنے والوں
 سے محبت کرتا ہے إِنَّ يَنْصُرْكُمْ اللَّهُ فَلاَ غَالِبَ لَكُمْ فَتَن
 إِنَّ يَهْزِمَكُمُ اللَّهُ فَلاَ مَكْرَاحَ لَكُمُ ۚ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُم مِّنْ بَعْدِهِ
 اللہ اگر ہاری مدد کرے تو کوئی تم پر قابض نہیں رہتا اور اگر وہی تمہیں
 ہار دے تو اس کے بعد کون تم کو مدد دے سکتا ہے وَ عَلَيَّ الدِّينُ
 قَلِيلٌ وَكُلُّ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (ہذا) چاہیے کہ مسلمان اللہ ہی
 پر توکل کریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ مددگار ہے تو کوئی ہم کو ناکام نہیں کر سکتا اور
 اللہ چاہے تو کسی کی مددگار آمد نہیں ہر سکتی۔
 دشمنوں کے ترخے میں ہونے کے باوجود حضور سرور کائنات صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت عبادت گزار مسلمانوں کو دیکھنے نکلا کرتے تھے
 یہ برات اور بے خوفی توکل علی اللہ کی وجہ سے تھی۔ اس توکل اور رحمتِ الہی
 ہیں تعلیم دی گئی ہے۔

اسلام کی تبلیغ اور دعوت کی مشکلوں میں بھی اللہ ہی کے اعتماد اور
 ہمت سے پرکام کرنے کی ہدایت ہے وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا
 وَنَذِيرًا ۚ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجَبْتُمُ
 لَسَاءَ لَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا إِلَىٰ رِيبَةٍ سَبِيلًا ۚ وَتَوَكَّلْ عَلَىٰ الْحَيِّ
 الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۚ (اے رسول!) ہم نے تم
 کو (حجت کی) بشارات دینے والا اور (نہضت سے) ڈرنے والا نہیں کر

بھیجا ہے۔ (لہذا تم اپنا فرض منصبی ادا کئے جاؤ اور کافروں کو مخالفت نہ کرو
 غم نہ کرو۔ اور اس سے کہہ دو کہ میں اس (فرض کی انجام دہی پر تم سے کہتا
 ہوں کہ مواضع نہیں مانگتا۔ ہاں یہ (مذہب چاہتا ہوں) کہ (تم میری بات
 سنو اور اسے سوچو سمجھو۔ پھر تم میں سے) جو چاہے اپنے پروردگار (میں
 پہنچے) اور نجات (ابدی) حاصل کرنے کے لئے (ایک) راستہ بنا لے
 (یہ میری کوئی محدود ضابطہ نہیں ہے۔ اس میں سراسر ہمت و شجاعت ہے۔ یہ بات کہیں ہوسکتی
 زفات پاکہ) حق (واقیم) پر بھروسہ رکھو جس کو (بھی) موت نہیں آئے گا۔
 اس کی (حمود) سنائش کے ساتھ تسبیح (وتہلیل) کرتے رہو۔

ہر موقع پر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے
 نے تاکید کی ہے کہ کبھی پر بھروسہ رکھو، جو کچھ کروں گا میں کروں گا میرے
 سوا یا اختیار اور کہے کون۔

اپنا کام کئے جاؤ اور مخالفتوں کی پروا نہ کرو اور کہہ دو عَلَیْہِ
 کَوَکَلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝ میں تو اللہ سے بھروسہ
 رکھتا ہوں۔ (وہ میرا مالک ہے) اور وہی (تمام مخلوقات و عرش عظیم
 کا مالک ہے عَلَیْہِ کَوَکَلْتُ وَہُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝ میں نے اللہ کو
 دیا۔ پر بھروسہ کیا ہے اور (ہر بات میں) اس کی طرف رجوع کرتا ہوں
 عَلَیْہِ کَوَکَلْتُ ۝ کہ میں نے اللہ پر بھروسہ کر رکھا ہے
 اور اتنے ہر طرف سے توجہ ہٹا کر صرف اس کی طرف رجوع رہتا ہوں۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے (ایسا کوئی
 یہ تعظیم دی گئی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اعلان کیا: لَیْسَ بَعْدَیْکَ کَانَ
 کَثَرٌ عَلَیْکُمْ مَّقَامِحِی وَتَذِکْرِی بِآیَاتِ اللّٰهِ فَعَلٰی اللّٰہُ کَوَکَلْتُ

فَلَجَرِ حُومٍ أَمْزَكُمُ وَشَرُّ نَآءٍ كُمُ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْزَكُمُ
عَلَيْكُمْ مَوْعِنَةٌ شِمَا أَفْضَلًا إِلَىٰ قَلَا تَنْظُرُونَ ۝ اے میری
قوم! نامر ا اگر تم پر میرا یہاں رہنا اور اللہ کی آیات کے حوالے سے کفر و کفریت
کرناراں گذرتا ہے تو (جاؤ) میں اللہ پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ تم اپنی تدبیر
کو اور اپنے شریکوں کو خوب مضبوط کرلو۔ تمہاری کوئی تدبیر دنیا نہ رہ جائے
ہر تدبیر مجھ پر آندا اور مجھے ہمت منت دو (میرا ذرہ برابر کھانا دست کرو)
حضرت ہود علیہ السلام نے اعلان کیا: اِنِّیْ اَشْهَدُ اللّٰهَ وَاَشْهَدُ
اَنَّیْ بُرْہٰنَیْ قَدِیْمًا فَتَشْرِکُوْنَ لَا مَعِیْ دُوْۤنَہٗ فَاَکِیْدُ فِیْ حَبِیۡۃٍ
شِدَہٗ لَا تَنْظُرُوْنَ ۝ اِنِّیْ کُوۡتِلْتُ عَلٰی اللّٰہِ کِتٰبًا وَاَکْیِدُ
میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں اللہ کے علاوہ (تہا کے)
عائن (تمام معبودوں) سے جنہیں تم (اللہ کا) شریک ٹھہراتے ہو (بالکل)
بیزار ہوں (اور ہمیشہ بیزار رہوں گا) سو دم میں اور تمہارے شریکوں
میں پچو دم ہے تو تم سب (مل کر) میرے ساتھ برائی کر کے دیکھو اور
کوئی رعایت نہ کرو۔ میں نے اللہ پر بھروسہ کر رکھا ہے جو میرا بھی رہے
اور تمہارا بھی رہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اعلان کیا اِنِّیْ اُرِیۡتُ
اَلَا اَکْۡصَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا کُوۡفِیۡتُنِّیْۤ اِلَّا بِاللّٰہِ طَعَلِیۡہٗ
کُوۡتِلْتُ وَاَکِیۡدُ اٰیۡتِہٖ ۝ میں تو یہاں تک مجھ سے ہو سکتا ہے،
اصلاح چاہتا ہوں اور مجھے (عمل اور اصلاح کی) جو توفیق ہوتی ہے
اللہ عنایت سے ہوتی ہے۔ میں اُسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور دہر معاملے
میں، امی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ غرض کہ ان مجید میں بہت سے نبیوں کے
خود قول کہنے اور اپنے پیروؤں سے یہ نقل کرنے کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ

نے فرمایا ہے مَنِ كَذَّبَ ثُمَّ تَابَ فَلَهُ فَتْحٌ حَسْبُهُ۔ جو اللہ پر پھر دوسرے کرے گا۔
(اللہ اس کے کام سوار سے نوازے گا، وہ اس کے مقاصد پر راکھنے کے لئے بہت
بخشنے لگے گا۔)

لیکن پھر سن لیجئے کہ ہمارے بغیر یا پھر ہاتھ پاؤں ہلانے کی طاقت
کس کے بغیر اللہ سے توقعات بنائے جانے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ اللہ نے ہاتھ پاؤں
کام کرنے کے لئے دے دیے ہیں۔ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جانا آئین فطرت کے خلاف ہے۔
اللہ کا کام ہے استقلال اور استحکام کے ساتھ نکلنے والے کو پسند کرتا ہے کام میں
مشکلات پیش آئیں، رکاوٹیں پڑیں، اور محال فیقن حائل ہوں تب ہی تو اللہ پر
بھروسہ کرنے کے کچھ معنی ہیں نہ۔

دنیا دار لا اسباب اور دارالغایب ہے۔ یہاں اسباب اور تلباسیر کو
تقریباً انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسباب اور تلباسیر کے بے پرواہی اسلام نے قطعی نہیں
سکھائی ہے۔

حدیث ہے کہ ایک بدوی ادنیٰ پر سوار، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لَهُ وَصَنَ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلُ لَدَيْهِ مَخْرَجًا وَيَدْرُفُنَّهُ مَوْتٍ حَيْثُ لَا
يَحْسِبُ طَوْسًا يَتَوَكَّلُ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ط إِنَّ اللَّهَ بَرِيعٌ
أَمْرًا ط قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ
اس کے لئے (مشکلات، مصائب سے) چھٹکارے کی (کوئی نہ) کوئی شکل نکال دیتا
ہے اور جو اللہ کا خوف نہ کرے وہ بھی نہیں ہوتا عیاں ہے (اُسے) روزی پہنچا ہے۔ اور
جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے (اللہ اس کے کام سوار دیتا ہے) اللہ اس کے
وقت ضرور سے کرسکے، لئے بہت کافی ہے۔ اللہ جب کچھ کرنا چاہتا ہے اسے کر کے
رہتا ہے (کوئی اس کے ارادے اور مشیت میں دخل اندازی نہیں کر سکتا، اللہ نے نئے چیز
کے لئے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔)

فرمایا ہے: مَنْ كَتَبَ رَجُلٌ كُنِيَ اللَّهُ بِهِ خَسْبًا جِوَاللّٰہ پر بھروسہ کرے گا۔
 (اللہ اس کے کھم سوار ہے) وہ اس کے (مقاصد پر) کرنے سے فائدہ بہت
 بخشتا ہے۔

لیکن پھر سن لیجئے کہ: خَسْبًا بمعنی یا بھروسہ یا تھپاؤں ہلانے کی طاقت
 کوئے بغیر اللہ سے توقعات پر مبنی فی اسلام ایذا دینا نہیں دیتا۔ اللہ نے ہاتھ پاؤں
 کام کرنے کے لئے دے دیے ہیں۔ ہاتھ پاؤں توڑ کر بٹھیر جانا آئین فطرت کے خلاف ہے۔
 اللہ ہم میں استقلال اور استحکام کے ساتھ نگر رہنے کو پسند کرتا ہے کام میں
 مشکلات پیش آئیں، رکاوٹیں پڑیں۔ اور محنتیں حاصل ہوں تب ہی تو اللہ پر
 بھروسہ کرنے کے کچھ معنی ہیں نہ

دنیا دار لا اسباب اور دار التدا بیر ہے۔ یہاں اسباب اور تدا بیر کو
 نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسباب اور تدا بیر کے بے پرواہی اسلام نے قطعی نہیں
 سکھائی ہے۔

حدیث ہے کہ ایک بدوی اونٹ پر سوار، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لَهُ يَكُونُ يَتَّقُ اللَّهَ يَجْعَلُ لَدَيْهِ مَخْرَجًا وَيَكُونُ فِتْنَةً مِّنْ حَيْثُ لَا
 يَحْتَسِبُ ط وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ اللَّهُ لَهُ مَخْرَجًا ط إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ
 أَعْمَرُ ط وَقَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ جِوَاللّٰہ سے ڈرتے ہیں اللہ
 اس کے لئے (مشکلات، مصائب سے) چھٹکارے کی (کوئی نہ) کوئی شکر نکال دیتا
 ہے اور جہاں کا انسان کو خدا ایچ نہیں ہوتا وہاں سے (اُسے) روزی پہنچاتا ہے۔ اور
 جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے (اللہ اس نے کھم سوار دیتا ہے) اللہ اس کے
 مقاصد پر دے کرے گا، لئے زبست کافی ہے۔ اللہ جب کچھ کرنا چاہتا ہے اسے کر کے
 رہتا ہے (کوئی اس کا رادے اور شینت میں دخل اندازی نہیں کر سکتا) اللہ نے ہر چیز
 کے لئے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آتے ہی اُس نے پوچھا۔ اونٹ کو باندھ دوں یا اللہ پر توکل کر کے یوں ہی کھلا چھوڑ دوں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اونٹ کو باندھ کر اللہ پر توکل کرو۔

میں نے اس مضمون میں جدوجہد کرنے اور اسباب و تدابیر سے کام لینے پر زور دیا ہے، لیکن اتنا اور عرض کر دوں کہ جدوجہد اور اسباب و تدابیر کا تعلق جدوجہد نہ کرنے اور اسباب و تدابیر سے کام نہ لینے سے بھی زیادہ بڑا ہے۔ جائز جدوجہد نہ کرنے اور جائز اسباب و تدابیر سے کام نہ لینے کا نتیجہ قیہ ہوتا ہے کہ پھر ناجائز جدوجہد کرنی پڑتی ہے اور ناجائز اسباب و تدابیر سے کام لینا پڑتا ہے۔ مثلاً دوسروں کی کمائی کھانے کے لئے ڈھونگ رچنے پڑنے ہیں۔ بھیک مانگنی پڑتی ہے اور چوری ڈکیتی کرنی پڑتی ہے لیکن جدوجہد اور اسباب و تدابیر کا گھمنڈ عاقبت خراب کر دیتا ہے اور دنیا میں بھی اس کی سزا دیرسویر ضرور مل جاتی ہے۔ سزا پانے والے مبسوطیوں گھمنڈیوں کو میں جانتا ہوں جدوجہد اس لئے کرنی چاہئے اور اسباب و تدابیر سے اس لئے کام لینا چاہئے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور اللہ کا قانون ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہے اور اللہ کے قانون کو توڑنا ہے۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک آدمی سے پوچھا تم کیا کرتے ہو۔ اُس نے کہا۔ عبادت کرتا رہتا ہوں۔ حضرت عیسیٰؑ نے پوچھا کھلتے پیٹے کہاں سے ہو۔ اُس نے کہا۔ میرا بھائی کھلا پلا دیتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا۔ تمہارا بھائی تم سے زیادہ عابد ہے۔

ایک بزرگ کا قول حضرت امام غزالیؒ نے نقل کیا ہے کہ تاجرانما دار عابد شب زندہ دار سے افضل ہے۔ تاجرانما دار ہر وقت جہاد میں لگا رہتا ہے شیطان لین دین اور بھاؤ تول کے پردے میں اُس کا ایمان بگاڑنا چاہتا ہے مگر وہ اُسے مار کر بگاڑتا ہے۔

حدیث۔ احمد سنبل سے سوال کیا گیا کہ ایسے شخص کی بابت کپا کہیہ بلے
 سے جو بات دن بعد دیتا کہ یہ سہارہ اللہ کی فراموشی کا منتظر رہتا ہے۔ حضرت ابیہ و حضرت
 نے فرمایا۔ وہ جہاں۔ ہاں شریعت سے اس کی نیت ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ محنت و مشقت سے کشتہ بغیر
 مت کہا کرو کہ یا اللہ بڑی دے۔ اللہ آسمان سے سونا چاند کی بہنیں بڑھا
 میری تو تمنا ہے کہ طلب حلال کونے کرتے مجھے موت آئے۔

ہاں دنیا میں یہ تین محرم بیان بد بختی کی نشانی ہے۔ دنیا پر مٹنے والے
 سے آخرت پر مٹنے والا فردور فانی ہے۔ اسلام اعتدال کی روش سکھاتا ہے۔
 اسلام اللہ کے احکام کے مطابق دنیا سے تعلق رکھنے کو دین قرار دیتا ہے میوٹ
 اس خیال سے حاس کی جائے کہ معاویہ کی طرف متوجہ ہونے کے لئے معاش کی
 طرف سے اطمینان رہنا ضروری ہے۔

صبر

صبر کے معنی ہیں سہا رنا، برداشت کرنا، ثابت قدم رہنا اور اپنے آپ کو اضطراب سے روکنا۔ بے اختیاری کی خاموشی اور انتقام نہ لے سکنے کی مجبوری صبر نہیں ہے۔

حنید سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی دعوت دینی شروع کی تو سارا عرب مخالفت کرنے کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسکین آئی کہ ہم تمہارے نگہبان ہیں۔ گھبراؤ مت۔ وَأَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا۔ تم اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر (و استقلال) سے بیٹھے رہو۔ (اور مخالفوں کی سرکشیوں اور زیادتیوں کا اصلاح خود نہ کرو) کہ تم (ہر آن) ہماری نظروں کے سامنے درہتے ہو۔ وَتَسْبِحُ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ۖ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ۔ (اور اپنی توجہ کو اپنے اللہ کی طرف رکھو جب (پچھلی رات میں) اٹھائے کرو (تو) اپنے رب کی حمد (و ستائش) کے ساتھ (اس کی) تسبیح (و تفسیر) بیان کرو)

یہ یعنی ناز و تجر پڑھا کرو۔

اور رات کے کچھ اندھ حصے میں بھی اس کی تسبیح (و تقدیس) بیان کیا کرتا اور تاروں کے غریب ہونے کے بعد بھی ﷺ

صبر کرنا اور اللہ کے آگے گڑا کر ڈالنا۔ مصائب دور کرنے کے لیے صبر یہی دوشنہ ہے جو خود اللہ نے تجویز فرمائے ہیں۔ قَامُوا صَابِرِينَ وَلَا تَبْصُرُوا عَازِلِينَ۔ صبر و صلوٰۃ کے ذریعہ (اللہ کی) مدد طلب کرو انہی قوت پکڑو مشکلات کا ظلم ان ہی دو کھیلوں سے کھلتا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے ہزار سچھانے کے باوجود ان کا کہنا نہ مانا تو حضرت یونسؑ مایوس ہو گئے اور قوم کو چھوڑ کر چل گئے۔ جنہیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ لَا تَكُن مِّنَ الْكَافِرِينَ۔ اپنے رب کے فیصلے کا جم کر انتظار کرو اور مچھلی (کے پیٹ میں جانے، دلے (یونس) جیسے نہ بنو۔ فَاصْبِرْ اِلَى الْعَاقِبَةِ لِنِعْمَتِ رَبِّكَ۔ تم صبر سے کام لو نیک انجام۔ (اللہ سے) ڈرنے والوں اور) پرہیزگاروں ہی کا ہے (آخر کار کامیابی اللہ والوں ہی کو ہوتی ہے) فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ۔ پامردی کے ساتھ وقت کا انتظار کرو۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔

حضرت یونسؑ بتوں سے سنتے ہیں کہ (حضرت یوسفؑ کو بھیڑنے نے کھایا تو کہتے ہیں: بَلْ نَسُوکْتَ کَلِمَ الْفُسْکٰہِ اَمْراً ط فَصَبْرٌ حَبِیْبٌ ط وَاللّٰہُ الْمُسْتَعٰنُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ (نہیں یوسفؑ کو بھیڑنے نے نہیں کھایا، تم بھڑکتے ہو بلکہ تم نے اُس پر کوئی ظلم ڈھایا ہے اور اپنے اور اپنے الزام ہٹانے کے لئے، تم نے اپنے دل سے ایک بات گھڑ لی ہے۔ خیر (اب) صبر بہتر ہے اور تم جو باتیں بنا رہے

ﷺ مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھا کرو ۵۱ نماز فجر پڑھا کرو۔ اس کا مطلب کوئی صاحب یہ سمجھیں کہ ظہر اور عصر کی نمازیں فرض نہیں ہیں۔

یہ (یہ) اُس پر (اپنے) اللہ سے مدد چاہتا ہوں۔ وہ میرا مددگار ہے۔
(وہ کہتا ہے) دام فریب سے یوسف کو نجات دلا دے گا۔

دوسرے بیٹے کے مصر میں بھنس جانے پر بھی حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہی فرمایا کہ تَكُنْ أَوْ تَكُنْ أَمْراً ط فَصَبِرْ جَمِيعاً ط عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنَّكَ بِهِنَّ جَمِيعاً ط (ریات نامن ہے۔ بن یا بن چوری کے جرم میں ماخوذ نہیں ہو سکتا، تم نے اپنے دل سے بات گھڑ لی ہے۔ خیر (پھر صبر کرتا ہوں) صبر ہی بہتر ہے (صبر کرنے سے امید ہے کہ) (میرا) اللہ (مجھے) نہ کبھی میرے حال پر ضرور رحم کرے گا (ان) ان سب کیمیرے پاس لے آئے گا جن کا مجھے انتظار ہے)۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے جس رضا و تسلیم کی شان سے جہانی اور مالی تکلیفیں برداشت کیں۔ اُن کی مدح اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں کرتا ہے مَا أَشْأَنُ وَجَدْتُكَ صَابِراً ط نَعَمْ الْعَبْدُ ط إِنَّهُ أَقَابَ ه بلاشبہ ہم نے ایوب کو صابر پایا۔ وہ کیا ہی اچھا بندہ تھا، ہر وقت اپنے رب کی طرٹ (رجوع رہنے والا)۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام چھری کے نیچے گردن رکھ کر تیار ہو چکے تھے یَا بَتِّ اْعْمَلْ مَا لَوْ كَرِهْتَ تَسْتَحْدِقُنِي اِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ (باب کا خواب سن کر بیٹے نے کہا) آپ کو جو حکم ہوا ہے اُس پر عمل کیجئے انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس وقت تبلیغ و دعوت کے لئے فرمایا گیا ہے تو ابتداء ہی میں کہہ دیا تھا: اُولَئِكَ فَاَصْبِرْ یعنی اپنے رب کی رضا جوئی، کے واسطے صبر کرنا۔ حالانکہ ابھی مخالفتیں اور تکلیفیں پیش نہیں آئی تھیں اور جب مخالفتیں اور تکلیفیں پیش آئیں تو کہا: فَاَصْبِرْ لِمَا صَبَرَ اُولَئِكَ مِنَ التَّوَسُّلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ

قَبْلُ (ظہن طرح پچھلے) اور العزم پیغمبر (مخالفتوں اور تکلیفوں پر) صبر کرنے رہے (اسی طرح) تم (بھی) صبر کرو اور مخالفوں کے (درست ہونے اور راہِ راست پر آنے کے لئے) جلدی نہ کرو۔

تو تو صبر حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ سے ٹوٹ گئی جائے:
 فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ
 ضُحًى الشَّمْسِ وَاقْبَلِ الْغُرُوبَ ۚ وَمِنَ اللَّيْلِ
 فَسَبِّحْهُ ۚ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ۝ (اے رسول! مخالف) جو کچھ
 کہتے ہیں اُس پر صبر کرو اور سورج نکلنے سے پہلے اور اُس کے ڈوبنے سے
 پہلے اپنے پروردگار کی حمد (و ثنا) کے ساتھ تسبیح (و تقدیس) کرتے رہو
 اور رات میں (بھی) تھوڑی دیر اُس کی تسبیح (و تقدیس) کرو۔ اور (باقی)
 نمازوں کے بعد بھی)۔

مخالفوں سے الجھنا نہیں چاہئے۔ بلکہ خوب صورتی کے ساتھ اُن سے
 رخصت ہو جانا چاہئے۔ فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُزْ
 هَاجِرًا جَوِيدًا ۝ (مخالف) جو کچھ کہتے ہیں اُس پر صبر کرو اور خیر
 فوری کے ساتھ اُس سے الگ ہو جاؤ۔ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا
 بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ط وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُو
 خَيْرٌ ۚ لَّصَابِرِينَ ۝ وَأَصْبِرْ مَا صَابِرُوا إِلَّا بِاللَّهِ
 وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَلٰلٍ مِّمَّنْ يَلْعَنُونَ
 اور (اے مسلمانو! تم بھی سن لو) اگر تم (مباحثہ کے اندر اپنے مقابل
 پر) غصہ کرو تو اُتنا ہی کرو جتنا کہ (مقابل کی طرف سے) تم پر کیا گیا ہے
 اور اگر تم (غصہ کی بجائے) صبر کرو تو (بہتر ہے) صبر تو صبر کرنے والوں
 کے حق میں بہتر (ہی ہوتا) ہے۔ اور (اے ہمارے رسول!) تم تو (جہاں)
 تک ممکن ہے صبر کیا کرو، اور (اللہ سے) قریق صبر کی دعا مانگا کرو۔ کیوں کہ

تم (شری کی مدد سے صبر کر سکتے ہو۔ دشمن (کی باتوں) پر تم غلامانہ نہ کرو اور یہ جو تمہارے خلاف طرح طرح کے (مکر و فریب) کر رہے ہیں اس سے بھرنا، دل تنگ نہ ہو۔ (جو صبر سے کام میں گئے، فرشتے انہیں مبارک باد و نیک گئیے اور کہیں گے۔)
سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَبِعَدَةِ الْحَبْلِ أَمَّا الْيَوْمَ (تم پر) (آج) سلامتی ہے، اس وجہ سے کہ تم (دین حق پر) ثابت قدم اور دُتیا کے مستانک پیہ صابر رہے
تمہارے اعمال دینیوں کا بدلہ اچھا دے۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں: (ایک خاص بات: اس آیت میں خیال کرنے کے لائق ہے کہ اس آیت میں (اور پر) کوئی نیکیوں کا ذکر نہیں ہے، مگر نماز، خیرات، برائی کی عکس بھلائی، مگر فرشتے جس صفت پر ایمان کو سامیاتی کہ وہ نادیدہ گئے وہ صرف صبر کی صفت ہے۔ کیونکہ یہ وہ صفت ہے جو ایمان والوں کی صفت ہے۔ آسان کر دیتی ہے اور مصیبتوں کو برداشت کراتی ہے اور برائی کا جواب بھلائی سے دلاتی ہے۔ اَلَا لَشَدِيدُ الْحَسَنَةِ وَالْاَسِيَّةِ الْاَشَدُّ وَالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ وَذَٰلِكَ فِي كِتَابِكَ وَيَبْلُغُكَ هَٰذَا وَفَاةً كَمَا جَاءَ فِي حَبِيبِمْ وَمَا يُنْفَخُ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوا وَوَاوَدَّكَ نَحْوُ اَلَا ذُو حُظٍّ عَظِيْمٍ بھلائی اور برائی یکساں چیزیں ہیں ہیں بھلائی کا اثر کچھ اور ہوتا ہے اور برائی کا اثر کچھ اور تم بڑا اور کچھ جواب بھلائی سے دیتے ہیں گئے اور تمہارا رے درمیان دیتی ہے وہ ایک بار (تمہارا) قریب دوست بن جائے گا۔ یہ (ہمت) انہی کو حاصل ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ نعمت انہی کو ملتی ہے جو بڑی قدر داری سے جو لوگ مسلمانوں کو ستاتے ہیں اور فساد برپا کرتے ہیں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ انہیں اور بڑھ کر اور فساد کو ہوانوں و درنائل کا شمار بھی فسادوں میں ہو گا صاحبِ غرضان کا ہونا ہے کہ ظلم برداشت کرے بلکہ ظلم کر لے والے کو معاف کر دے۔ اِنَّا السَّبِيْلُ عَلٰی الَّذِيْنَ يُظْلَمُوْنَ النَّاسِ وَيُجْعَلُوْنَ فِي الْاَذْيٰنِ لِيُغَيِّرَ الْحَقُّ

[illegible]

یہاں تک کہ اس نصیر کا بیان تھا جو تمام حالات میں کرنا چاہیے۔ اب نہاد
جنگ کے نصیر کا بیان کا شروع ہوتا ہے۔ جنگ سربراہ پر ہے تو میدان جنگ
میں جو امر دینے کو چاہیے ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا لَنَنبِئُكُمْ**
بِشَيْءٍ مِّنْكُمْ لَا تُحِبُّونَ وَأَن تَكُونُوا فِي الدِّينِ كَذِبِينَ لَّعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ
وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَتَّبِعُوا أَعْيُنَ فَتَفْشَلُوا وَلَا تَرْجَبُوا
بِرَيْبِهِمْ **وَأَعِيزُوا لَهُ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الشَّاهِدِينَ** (اے
مسلمان! جب تمہارا (کفر کی) کسی جماعت سے مقابلہ اچھے تو (چند باتوں
کا نو در خیال رکھو، اول یہ کہ میدان جنگ میں، ثابت قدم رہو۔ اور دوم یہ کہ
اللہ کو زیادہ یاد کیا کرو، تاکہ تم (اللہ کی عنایت سے مشکلات پر قابو پا سکو
اور سیشہ مقصد میں کامیاب ہو جاؤ اور (سوم یہ کہ) اللہ اور اس کے
رسول کو فرماں برداری کرو (اور ان کی ہدایات کو نہ بھولو) اور چہارم یہ
کہ) آپس میں جھگڑو نہیں (اور ایم و وقت کے فیصلے کے آگے) دن حج بکا دیا کرو
خود دوسری اور باہمی نا اتفاقی وہ بری بلا میں ہیں جو تمہاری قوتوں کو منتشر اور
شیراز سے کھجیر دیں گی۔ اگر تم نے ان باتوں کی پروا نہ کی تو تم کم ہمت اور سست
ہو جاؤ گے (اور تمہاری ہوا اٹھڑ جلے گی۔ اور (پنجم یہ کہ) میدان جنگ میں
کسی سے کسی شدید تکلیف اٹھانی پڑے (اسے) نصیر (اور) احتیاط سے
برداشت کرو۔ اللہ نصیر کرنے والوں کا رکن بختی ہے۔) **وَاللَّهُ**

فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَاءِ وَحَيْنَ الْبَأْسِ ط أُولَئِكَ الَّذِينَ
 صَدَقُوا ط وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝ جو مفلسی، بیماری اور
 حالت جنگ میں صابر (وضابط) رہیں، یہ وہ لوگ (میں جنہیں کہنا چاہیے
 کہ اسلام کے) صادق ہیں۔ اور یہی لوگ ہیں کہ (اصلی معنوں میں نیک اور)
 پرہیزگار (کہلانے کے مستحق ہیں۔ لَئِيْلَهَا النَّبِيُّ يَرْضَى الْمُؤْمِنُونَ
 عَلَى الْقِتَالِ ط اِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا
 مِائَتِينَ ۚ وَ اِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا اَلْفًا مِّنْ
 اَكْذِبِينَ كَقُرْمٍ اِذْ رَعِبَتْ دَلَاوُ (اور انہیں آگاہ کر دو کہ) اگر تم میں سے
 دس ثابت قدمی کے ساتھ لڑنے والے اور مصاب (و تکلیف پر صبر کرنے والے
 میں بھی ہوں گے تو وہ (اپنے سے دس گنوں، یعنی) دوسو پر غالب رہیں
 گے۔ (اس قسم کا موقع آجائے تو مقابل سے غرت نہ کھایا جائے اور میدان
 جنگ سے بھاگا نہ جائے) اور اگر تم میں سے (اس قسم کے) سو ہوں گے تو وہ
 ہزار کھاپر غالب رہیں گے۔ اس لئے کہ تقار (دین و مذہب کو) کچھ نہیں سمجھتے
 (اور انہیں غیبی امداد کا علم نہیں ہے) اَلْكَفَّ حَقَقَ اللّٰهُ عَذَابَكُمْ وَ
 عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ صُغُفًا ط وَ اِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا
 صَابِرَةً يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ اَلْفٌ
 يَغْلِبُوا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ
 (میں اور دوسو کا مقابلہ نہ ہوا ہی ہوگا، فی الحال اللہ نے تم پر سے اپنے
 حکم کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔ اس نے جان لیا ہے کہ (تعداد کی کمی کی وجہ سے)
 تم میں (درا) ضعف ہے (تو خیر) تم میں سے اگر سو صابر (مسنان) ہوں
 تو وہ دوسو (کافروں کا مقابلہ کریں۔ اللہ کے فضل سے وہ دوسو پر
 (تو) ضرور غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے (اس قسم کے) ایک ہزار

مسلمان ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے دہرائے (کافروں) پر غالب آئیں گے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حق پرستوں، ثابت قدموں اور تکالیف پر سبر کرنے والوں کا اللہ ساتھی ہے۔ وَأُذِرْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَظْعَمُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَعَارِبَهَا أَكْثَرُ بَرَكْنَا فِيهَا طَوَافًا وَكُنْتُمْ كَلِمَةً زَيْلُكَ الْحُسْنَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ ۖ يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَبِرُوا وَرَوِّدْنَا مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ وَمَا كَانُوا يُعْمَلُونَ ۝ ہم نے اُس قوم (بنی اسرائیل) کو جو (فرعون کے مقابلے میں بھلے) کمزور تھے جاتی تھی زمین (شام) کے مشرق و مغرب کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے (بڑی) برکت رکھی ہے۔ (اُس کی سرسبزی و زرخیزی کا کچھ ٹھکانہ نہیں ہے)۔ اور تمہارے رب کا (وہ) وعدہ خیر (کہ ہم تمہیں ملک شام کا وارث بنا دیں گے، بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے فرعون کے مظالم برداشت کرنے میں) صبر سے کام لیا اور فرعون اور اُس کی قوم (کے لوگوں) نے (اپنی شان و شوکت دکھانے کے لئے) جو چیزیں بنائی تھیں اور جو اونچی اونچی عمارتیں تعمیر کی تھیں ان سب کو مٹا دیا۔

حقانیت کا یقین محکم اور حقانیت کی خاطر تکلیفوں اور مصیبتوں کو جھینا، اسی میں قوموں کی ترقی کا راز ہے۔ أَمْرٌ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَكَمْ يَظُنُّ أَلَّا يَمَسُّهُ الْإِثْمُ أَنَّ هَؤُلَاءِ فِي الْإِثْمِ الضَّالِّينَ ۝ کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ جنت میں (لوں ہی) چلے جاؤ گے حالانکہ اللہ نے بھی نہ ان کا امتحان کیا ہے جو جہاد کرنے والے ہیں اور نہ ان کو جانچا جو (لڑائی میں) ثابت قدم رہتے ہیں۔

سرت سے انسان مغرور نہ ہو جائے اور غم انسان کو بد دل اور اُداس نہ کر دے، اِن دونوں عیبوں کا تریاق صبر اور ضبط نفس ہے۔ وَلَكِنْ رَدِّدْهُنَا الْآرْضَانَ جَنَّتَا رَحْمَةً لِّمَنْ تَرَعَاهَا صَبْرٌ جِدٌّ ۝

یہ جو سی لفظوں کا ایک آرتھ ہے۔ نعمانہ کو ایک غصہ اور مسکندہ
 کہتے ہیں۔ اس کی اسکیات کھینچنا۔ اس کے کفر کی توجہ دینا۔ اگلا
 انگریزین صبر کرو اور حکموں کی مطاعت کرو اور ان کے حکموں
 کی تعمیری باتیں کیجئے۔ ہم انسان کو اپنی تہذیب کی
 لذت چھاکر پھر (اس تہذیب کی لذت کو) اگر چھین جائے تو وہ مایوس اور
 ناشکر ہو جائے (اور ہر نفی شکایت کرنے لگتا ہے) اور ہم اس کے فی تکلیف
 کے بعد جو جس کو اپنی تہذیب پر راجح یا کسی توہین پر تہذیبوں کو بھی
 بھول جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اب یہ مجھ پر سنا ہے تو یہ وہ غلط فہمی
 آگیا۔ ایسا اس پر کبھی کوئی مصیبت نہیں آئے گی۔ جسے مشہدستان بہت
 زبردست غریب ہو جائے والا اور (بڑا) شیخی خیر ہے۔ مگر یہ غریب و مضبوط ہے
 کام لینے والی اور ملک عمل میں (وہ ایسے نہیں ہوتے) مغزرت اور اجر عظیم
 جن کے لئے ہے وہ یہی لوگ ہیں (جنہوں نے صبر کیا اور نفس کو قابو میں رکھا اور
 اپنے کام کرتے رہے) ان کو نرم بستریوں سے اٹھ کر خدا کے آگے سر بسجود ہونا۔
 نفع کو خوابِ حری لذت سے کنارہ کش ہو کر دو گناہ ادا کرنا۔ اللہ ان نعمت کی
 لذتوں سے محروم ہو کر روزے رکھنا۔ تکلیف و مشقت نہ ہونے کے باوجود
 خطرناک موقعوں پر بھی سچائی سے پائزہ آنا۔ قبول و حق کی راہ میں شدائد کو
 راحت اور آرام جان کر جھیل جانا۔ سود کی دولت سے ہاتھ ڈھکی لینا۔
 حسن و جمال کی بے قید لذت سے مستمع نہ ہونا۔ غرض شریعت کے احکام کی
 بجا آوری اور پھر اس پر عمل پیرا ستواری۔ صبر کی بہت ہی بڑی منزل ہے۔
 اُولَئِکَ یُجْزَوْنَ الْکَافِرَۃَ بِمَا صَبَرُوا اِنَّ کَوْنَهُمْ لَکَاجِرٌ
 بدلے میں ملے گا۔ اس لئے کہ وہ صبر کرتے رہے یا لے

دیکھ کر کہ ان کا مہر لگا کر نہ جن کا معاوضہ نہ جنت۔ چہرہ۔ وقت شاق
 گذرتا ہے پھر نہ ہوا۔ کہ وہ کوہ جن کی منزلہ زندگی ہے اس وقت دنیا میں ٹہرے
 پر رطبت اور زندگی ختم ہوتے ہیں۔ اس ماریشی ناموشی یا خوشی کی پروا
 کیے بغیر احکام الہیہ کا پیر کیا کرنا جیسے صبر اور برداشت کی بات ہے۔ لہ
 الحمد للہ صبر سے کام لینے والوں کو جو انعامات ملیں گے ان کا شمار نہیں
 کیا جاسکتا۔ اِنَّا بَعِثْنَا رُسُلًا فِي كُلِّ شَاوَرٍ رَجُلًا يَحْكُمُ بِهِ حَسَابًا
 صبر کرنے والوں کو ان کی مزدوری بے حساب ملے گی۔

لہ یہ عبارت بڑے سید صاحب کی ہے ۱۵۱ حدی

شکر

زبان سے اور دل سے توحید اور رسالت کا اقرار۔ نماز، رکوع، روزہ اور حج۔ یہ پانچ ارکان اسلام ہیں اور تقویٰ، اخلاص، توکل۔ صبر اور شکر حاصل ارکان۔

ارکان نے ان پانچ اوصاف کو نہیں اُجھارا تو کچھ نہیں کیا۔ ارکان کی تعلیم تک انسان زیادہ سے زیادہ بس مولوی جلال الدین رومی ہو سکتا ہے لیکن تقویٰ، اخلاص، توکل، صبر اور شکر کے اوصاف اُسے مولائے روم بنا دیتے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

مولانا رومی کا بیان ہے :

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

ارکان اسلام اور تمام جانی و مالی عبادتوں کا اصلی جوہر یہی اوصاف ہیں۔ بیکہنا چاہئے کہ ایمان میں جان ان ہی اوصاف سے آتی ہے۔ دل میں تقویٰ، اخلاص، توکل۔ صبر اور شکر کی کیفیات نہ اُبھریں تو سمجھ لیجئے کہ اقرار توحید، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج اکھی بے جان اور

بے روح ہیں۔ دل پر ان کا اثر نہیں ہے۔ تقویٰ، اخلاص، توکل، سیر اور شکر کا نام دل کی عبادت رکھا جاسکتا ہے۔

”ہر اچھے کام کرنے اور برے کام سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ تمہیں پاک احساس سیر اور خیر و شر کی تمیز کرتا رہے اسی کو تقویٰ کہتے ہیں۔ خیر اچھے کام کے کرنے اور برے کام سے بچنے کو اللہ کی رضا مندی کے سوا ہر غرض غایت سے پاک کر لیا جائے اسے اخلاص کہتے ہیں۔ اور اچھے کام کرنے میں اللہ کی مدد پر بھروسہ کیا جائے اسے توکل کہتے ہیں۔ اور اس کام میں رکاوٹیں پیش آئیں تو اللہ سے اس نہ توڑی جائے اور رکاوٹ ٹوٹنے والوں کا برا نہ چاہا جائے اسے صبر کہتے ہیں۔ اور کامیابی کی نعمت ملے تو مغرور ہونے کی بجائے اسے اللہ کی مہربانی سمجھا جائے اور جسم و جان اور زبان سے اس کا اظہار کیا جائے اور اچھے کاموں کے کرنے میں مزید انہماک برتا جائے اسے شکر کہتے ہیں۔“

تقویٰ، اخلاص، توکل اور صبر پر مضامین لکھے جا چکے۔ اب شکر کی بابت عرض کیا جاتا ہے :

شکر کی ضد ہے کفر۔ کفر کے معنی ہیں دوسرے کے احسان پر پردہ ڈالنا اور شکر کے معنی ہیں احسان کو ماننا، احسان کی قدر کرنا۔ اِنَّا هَكَذَا الْمَسْدِيْلُ اِمَّا شَاكِرًا وَاِمَّا كَفُوْرًا ۝ ہم نے انسان کو راستہ بتا دیا (اور ہدایت پہنچا دی۔ اب دو ہی باتیں ہیں۔) یا تو وہ ہماری ہدایت کا قدردان ہو اور اس کے مطابق چلے یا ناقدر (بنے اور کفر و سرکشی میں مبتلا رہے) لَكِنْ نَشْكُرْكُمْ لَا رَيْدَ تَكْمُمْ وَلَكِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝ اگر تم (ہمارا) شکر ادا کرو گے تو ہم تمہیں اور زیادہ نعمتیں دیں گے۔ اور اگر تم ناشکری کرو گے تو ہمارا عذاب (ناشکروں کے لئے) بہت

لے ”ہر اچھے کام سے لے کر“ اسے شکر کہتے ہیں“ تک علامہ سید سلیمان جے، لہذا اظہر۔ (ادامی)

سخت ہے۔

احسان تین طریقوں سے مانا جاتا ہے :

۱) دل سے (۲) زبان سے (۳) اعضا و جوارح سے۔

دل احسان کا احساں کرتا ہے زبان اس کا اقرار کرتی ہے اعضا و جوارح سے ایسی حرکت عمل میں آتی ہے جس سے احسان مندی اور قدر شناسی ظاہر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا احسان ماننے کے بھی یہی طریقے ہیں کہ اُس کے احسانوں کا احساس اور اقرار کرنے کے بعد اُس کے احکام کی تعمیل کی جائے۔ اُس کے حکم کے مقابلے میں کسی اور کا حکم نہ ماننا جلئے۔ صرف اُس کا تابع رہنا ہر جا جلئے۔

صرف زبان سے اقرار کرتے نہ رہنا چاہئے۔ احساس کا جو حق ہے وہ جہاں

ہوتا چاہئے اور تابع داری کا جو حق ہے وہ تابع داری ہونی چاہئے، پھر اُس کی شانِ کبریٰ کے حوصلے دیکھئے اور لکْنْ شَكَرْتُكُمْ لَا زِيْدَ شُكْرِكُمْ کا مشاہدہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے خیر اور اسے کاموں کی قدر کرتا ہے، اور اُنہیں انعامات سے نوازتا ہے۔ شَاكِرًا لَا نَعِيْمَ اَجْنَبِيَّةً وَهَذَا اِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ۔ وہ اللہ کے احسانوں اور نعمتوں کا شکر ادا کرتا تھا۔ اللہ نے اُسے چُن لیا اور اُس کو سیدھی راہ دکھا دی۔ اِس سے بڑھ کر قدر کیا ہوگی کہ اللہ کسی کو اپنے کام کے لئے منتخب فرمائے اور اُسے سیدھے راستے پر ڈال دے کَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا۔ اللہ قدر پہچاننے والا اور علم والا ہے۔ شاکر کے معنی قدر پہچاننے کے ہیں۔ انسان اللہ کے احسانوں اور نعمتوں کی قدر پہچاننے والا اور اُس قدر کی قدر کرے گا۔

اللہ انسانوں سے دو باتیں چاہتا ہے (۱) ایمان (۲) شکر۔ ساری

عباد میں شکر گزاری کی مختلف شکلیں ہیں۔ صاحبِ علم کے ذریعہ اللہ کے بندوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ یہ بھی اللہ کی شکر گزاری ہے۔ وہ نعمتِ علم کا شکر ادا کرتا ہے۔ اور صاحبِ درجے علیہ سے اللہ کے بندوں کی خدمت کرتا ہے یہ بھی اللہ

کی شکر گزاری ہے۔ وہ نعمت و دولت کا شکر ادا کرتا ہے۔ علیٰ ذلک و رزق و کرم و رزق
 کے کام آئے۔ اُن کی امداد و اعانت کرے۔ انہیں ظالموں سے بچائے۔ یہ بھی اللہ کی
 شکر گزاری ہے۔ طاقت و رزق و قوت کی نعمت کا شکر اس طرح ادا کر کہ کتاب
 زبان سے اللہ کا شکر حمد کی شکل میں ادا کیا جاتا ہے۔ انسان کو اس اعتبار
 سے اختیار دے دیا گیا ہے۔ وہ چاہے تو ہر طرح شکر ادا کرتا ہے اور نہ چاہے
 تو مطلق نہ کرے۔ انسان کے عا اور کوئی مخلوق نہیں ہے جو اللہ کی حمد کی تسبیح
 نہ عرضی ہو۔ رِزْقٌ قَبْلَ شَيْءٍ اِلَّا نَيْسَبُحُ بِحَمْدِكَ۔ انسان
 سے مطالبہ ہے۔ نَسَبُحُ بِحَمْدِكَ حَرِّقْ بِحَمْدِكَ بِحَمْدِكَ بِحَمْدِكَ بِحَمْدِكَ بِحَمْدِكَ
 دوسری مخلوقات پر یہ ناسب ہے کہ اس فرشتہ کو پتہ کرتی ہے۔ لَمْ يَكُنْ لَكَ
 فِي السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ اِنْسَانٌ فَرَسٌ بِمَا كَرِهَ كَلِمَةً اَوْ لِسَانًا
 فَرَسٌ يَرْفَعُ اَمْرًا اَوْ يَنْزِلُ اَمْرًا۔

انسان کو اپنے چیزوں کی طرف تو ہر ذر ذرہ کو اسے جن سے شکر گزاری
 کا جبراً مجبور ہے۔ شَدَّ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ حَيْثُ كَانَ اَبْطُونِ اَمْتِهَ اَلَمْ
 كَ تَقْسَمُونَ كَيْفَ لَا وَحْبَنَ الْمَشْرِعِ وَالْاَبْسَانِ وَالْاَقْبَانِ
 لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ اللہ نے ہمیں ہماری باتوں کے بتیوں سے باہر نکالا
 اس وقت تم کسی بات کو بھی نہیں جانتے تھے (اللہ نے پھر تم کو عتس عتس
 فرمایا) اور تمہارے سامنے دیکھتے اور سوچتے سمجھنے کے واسطے کائنات اور
 انھیں اوروں کے لئے تاکہ تم (اپنے خالق و معاد کی شناخت کرو) اور
 اس کی نعمتوں کا (شکر ادا کرو) اَلَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاوَاتِ بُرُوجًا

وَجَعَلْنَا فِيهَا سَبْعًا وَاقْصَرَ مَجْمَعَهُ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ
الْبَشَرَ وَالْمَلَكُوتَ خَلْقَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَنْ يَشَاءَ أَوْ أَرَادَ
تَشْكُرَ إِنَّ بَرِيَّ بَرَكَةِ الْمَلَائِكَةِ وَجَعَلْنَا فِيهَا سَبْعًا وَاقْصَرَ
مَجْمَعَهُ (سبحانك ما أنت أعزُّ عبادك) چنانچہ اس نے
روشن چاند بنایا۔ اور آسمان میں سب درجہ کو آگے پیچھے لے کر بنایا اور
ہر اس شخص کے لئے جو اللہ کی قدرت میں غور و فکر کرنا چاہے یا جو
اللہ کے بے شمار عنایات کا شکر ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو (اللہ تعالیٰ) یہ
کئی بار دست نشانی فرمادیا۔ اِنَّكَ عَلِيمٌ الْغَيْبِ يَدُكَ تَشْكُرُ
الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَ وَلَقَدْ وَبَّاهُ
خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ نَّاسٍ
مِّنْ مَّاءٍ مَّحِينٍ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهِ
وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَا حَسِيبَ
مَا تَشْكُرُونَ ۝ یہی وہ اللہ جو ہر غائب و حاضر اور مخفی و
ظاہر سے خبردار رہے اور سب پر غالب (اور) مہربان ہے۔ (اور) جس
نے (دنیا کی) ایک ایک چیز کو عمدہ ترین طریقے سے بنایا اور انسان کی آفرینش
کا آغاز مٹی سے کیا (اور) پھر نیچرے ہوئے حقیر پانی سے اس کی اولاد کو پیدا
(اس طرح کہ پانی سے پتلا ہوا) پھر اس (پتے کو) اس نے متناسب اعضاء
کمر دیا اور اس میں اپنی روح بھونک دی۔ اور اسے اولاد بخود ہی تمہارے
(سننے کے) لئے کان اور (دیکھنے کے) لئے آنکھیں اور (سوچنے کے) لئے

لیئے۔ وہ دیکھ کر بڑے غصے سے زبان درہ درہ کرتے ہوئے چلے گئے۔ وہاں پر
 ان نعمتوں کا تہہ پہنچا تھا۔ شکر گزار ہونا چاہیے۔ لیکن، اگر بہت کم شکر
 گزار کرتے ہوئے شکر یہ ہے کہ تجھ کو اللہ تعالیٰ احسن سے احسن
 جس طرح، تیرے لئے، دے رہا ہے۔ خود اپنے ہی کئے تم بھی دے دے۔ خدا
 ساتھ، بعد از کرم۔

اللہ تعالیٰ تیرے لئے جو کچھ چاہتا ہے، وہ تیری حق سے نہیں
 ہے۔ حتماً خلق کا فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ کے لئے
 تمہیں اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن ہم ضرورت اللہ تعالیٰ کے پروردگار میں اللہ تعالیٰ
 ہے اپنا تیرے قرض وصول کرنا چاہتا ہے۔ یا تو افسوساً اللہ تعالیٰ قرضاً احسن
 اللہ کو قرض حسنہ دے گا۔ جو اب یہ تمہیں انعام و اکرام سے مالا مال کر دیتا ہے
 ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کہے گا۔ اے آدم کے بیٹے!
 میں بیمار پڑا تو تو نے میری عیادت نہیں کی۔ بندہ عرض کرے گا۔ یا رب! کیا
 تو سارے جہان کا پروردگار ہے۔ میں تیری عیادت کیسے کرتا۔ اللہ کہے
 گا، تجھے معلوم نہیں، میرا فلاں بندہ بیمار تھا۔ تو اس کی عیادت کرتا، تو
 مجھے اس کے پاس دیکھتا۔ پھر اللہ فرمائے گا۔ اے آدم کے بیٹے! میں نے
 تجھ سے کھانا مانگا، تو نے مجھے کھانا کھلایا، بندہ عرض کرے گا۔ یا رب! کیا
 تو سارے جہان کا پروردگار ہے۔ میں تجھے کھانا کیسے کھلاؤں گا۔ اللہ فرمائے گا۔
 تجھے معلوم نہیں، میرا فلاں بندہ بیمار تھا، تو نے اس کو کھلا دینا تو آج

میں کا بدلہ پاتا۔

۱۰۔ اللہ کے اوصاف میں ایک وصف حمید بھی ہے یعنی حمد سے بھرپور حمد سے پُر۔ حمد کو نہ مبالغہ نہ نہیں: آپ اس کی حمد کرتے ہیں تو اپنی انسانیت اور آدمیت کا ثبوت دیتے ہیں اور اس کی مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک اور برتاؤ کر کے اس کا شکر بخواتے ہیں تو اپنی انسانیت اور آدمیت کا ثبوت دیتے ہیں۔ وہ حمد، شکر اور تمام چیزوں سے بے نیاز ہے۔ وہ تو کمال انسانیت اور آدمیت سکھاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اُن دافعوں سے فرماتا ہے: اَعْمَلُوا لِي ذَا ذِكْرٍ
لِّشُكْرِهِ اے آل دافعو! شکر ادا کرنے کے لئے اچھے عمل کرو یعنی صرف
نہ ان سے الحمد للہ اور شکر اللہ کہنا کافی نہیں ہے۔ عمل سے ثابت ہونا
چاہیئے کہ دل پر احسانات کا اثر ہے۔ ایک انسان آپ پر احسان کرتا
ہو تو آپ پر نہیں رہتے ہیں کہ احسان کرنے والے کی کسی خدمت کا ہمیں بھی
موقع ملے۔ وہ آپ سے کچھ نہیں اور ہم اللہ سے کریں۔ اسی طرح اللہ کے احسان
سے مت شکر اور اس کے احسان کی تعمیل کے لئے بے چین رہنا چاہئے۔

انسانوں کا احسان ماننا بھی اللہ کا احسان ماننا ہے حضور سرور
الکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ
لَا يَشْكُرِ اللَّهَ۔ جو انسان انسانوں کا ممنون نہیں ہوتا وہ اللہ کا ممنون
کیا ہوگا۔ انسان شکر کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرے تو بھلائی کو ملے گا یہ
بہترین قدیر ہے۔ آپ کے ہم اور آپ مل کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کو

دریں۔ کہتے کہ خلیفہ اہل اللہ نے فرمایا کہ میں نے
 اُنھیں کھانے پر بھی بلائے۔ رات کے آٹھ بجے
 کھانا لایا اور خلیفہ پر حرمین نے کھانا کھا لیا۔
 ابھی مجھے توفیق دے کہ میں تیرے سر "وہم کا جو تیرے چہرہ پر اور میرے
 زانہ پر کیا ہے۔ زانہ حرمین شہزادہ شریف، شریفیہ، کامیاب، کامیاب
 بننے سے خوش ہو جائے اور مجھے اپنی مہربانی سے اپنے دل میں شامل کرے۔



ہیں جو نعمتیں حاصل ہیں اُن کی بابت نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ نعمتیں ہیں
 سب کو ملتی ہیں۔ میں میں گئیں تو کیا ہوا۔ اور نہ یہ سمجھنا چاہئے کہ نعمتیں ہیں تو
 خاص نہیں انہیں ہم نے اپنے نعم و منرا اور خاندانی وجاہت و رجب سے
 جس کی ہے۔ ہم دوسرے انسانوں سے اونچے انسان ہیں۔ ان نعمتوں سے
 اہل اور مستحق۔ دونوں قسم کے خیال ناوانی اور یہ عقلی کے خیال ہیں۔
 جو نعمت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے حاصل ہوئی ہے نہ بڑے بڑے
 والے اور خاندانی وجاہت و منرا دھکے کھاتے پھرتے ہیں جنہیں دیکھ کر عورت
 پکڑے اور ان نامکمل کو بھی دیکھ کر ہرگز تک صاحبِ تخت و تاج سے اور اُن ذلیل و خوار
 ہیں۔ وَلَٰ تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمُ ۚ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ
 اللہ نے تمہیں جو نعمت عطا کی ہے اس پر اتراؤ نہیں۔ اللہ اترانے والے (اور
 شیخی غلام کو پسند نہیں کرتا۔

اسلام اور اخلاقِ حسنہ

اللہ جل شانہ کے اوصاف کی برابری کوئی نہیں کر سکتا۔ برابری کا خیال لانا بھی شرک ہے۔ لَئیسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔ لیکن اللہ کے اوصاف کی جھلک انسان پر قطعی پڑ سکتی ہے۔ چنانچہ اخلاقِ حسنہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنہ و اللہ کی صفات کا پر نور کہلاتے ہیں مَحْسُنُ الْخَلْقِ خَلَقَ اللَّهُ الْأَعْظَمُ خلقِ حسنہ وہی ہے جس میں پیروی اخلاقِ اللہ کی جھلک پائی جائے تَحْكُمُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ۔ خواہ پیروی کی حیثیت سمندر کے آگے قطرے جیسی ہو بلکہ یہ نسبت غلط ہے۔ قطرہ جیسی بھی نہ ہو۔

اللہ اپنی مخلوق سے جتنا تعلق رکھتا ہے ویسا تعلق دوسروں کے ساتھ رکھنا ان کے لئے محال ہے۔ ماں باپ کا سا تعلق ماں باپ کے علاوہ کہیں نہیں ملتا، اللہ کا سا تعلق کیا ملے گا۔ لیکن بہر حال دوسروں کے ساتھ اچھا تعلق رکھنے اور اچھا برتاؤ کرنے اور دوسروں کے حقوق سے ٹیک نہ دینی

میر نے کیا نام اخلاقِ حسنہ ہے۔ اللہ میں تو بعض وصفت ایسے ہیں جو انسان میں تو آج نہیں سیکھتے مثلاً واحد ہونا۔ خالق ہونا اور کبریائی لہذا نسبت کا تصور چھوڑیے۔ بس اس نسبت سے اخلاقِ حسنہ کی اہمیت کا تصور کیجئے۔

اسلام اسحاق حسن کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ عبادت کی درستی کو
امان کی نشانی۔ عبادت کا معیار ٹھہرتا ہے۔

ایمان کی نشانی اور عبادت کا معیار سمجھنا ہے۔
حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اَلْحَمْدُ
بِعِدَّتِ الْاَنْعَامِ مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ میں بھیجا اسی واسطے گیا ہوں
کہ اخلاق حسنہ کو پکچر بنائیں کر دوں۔

جس طرح حضورؐ نے دین کی اور تمام باتوں کی تکمیل کی ہے۔ اسی طرح اخلاق حسنہ کی تکمیل کی ہے۔

حضرت اخلاق کے سلسلے میں اپنی ہدایت کی دعا مانگا کرتے تھے۔
 وَ اٰخِرُنِيْ بِالْحَسَنِ الْاَخْلَاقِ۔ اے اللہ! بہتر سے بہتر اخلاق کی
 مجھے ہدایت فرما۔

ایک حدیث ہے : خَيْرُكُمْ أَحْسَنُكُمْ اخْلَاقًا۔ تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

۱۰۔ کبریا جیو، صفت کا اکتساب مقابل کی صفت پیدا کر کے کیا جاسکتا ہے
مثلاً کبریائی کے مقابلے میں فروتنی اور خاکساری پیدا کی جائے۔

کیا۔ اور سریش ہے : مَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُوَضَّحُ فِي الْوَيْتَانِ
 اَلْمُتَّحِدَيْنِ مِثْلَ مَوْسَىٰ وَخَلْقِ (تیمست کی) ترازو میں حسنِ خلق سے زیادہ
 وزن ہے چڑھائی نہیں ہوتی۔

ایک تھانے کو کہتے ہیں : قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا جس نے نفس
 کو بڑے کر لیا اور فحش یا باج ہو گیا۔

حضرت سرورِ بیتِ ارض فرمے ہیں : اِنَّكَ لَتَنَالِي خَلْقَ عَظِيمٍ
 آپ کو نہایت عظیم الخلق سے ملے گا اور حضور کی تعریف میں ان الفاظ میں فرمائی ہے
 وَبَشَرٍ مِّثْلِيٍّ جَبَلٌ - یہ چھبڑا پہاڑ ہے : اَلْخَلْقُ سَكَنَاتُ سَبْعِ دُورٍ وَفَتْحٌ كِي بِنَا سَتُونَ
 اور آواز بھر سے پانچ سو کے مساوی مستحضر ہوتا ہے۔

مصلحت کے نام پر باپ اطوار و عیال - زمان و تہذیب - عمر و اقسام -
 اہمیت و احباب - مسلم و غیر مسلم - اہل محنت - اہل وطن - حق کہ حیرت
 نباتات اور حیوانات سب کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیم دے ہے۔ انسان انسان کی
 اگر پابند کرنا رہے اور ڈو لگا کے نہیں تو زمین پر بہت اتر آئے۔
 ایمان اور عمل والے مضمون میں معاملات کے حقوق مختصہ ہیں کچھ
 کچھ چھوڑ دیے۔ اخلاق و معاملات اس سے اوپر کی شے ہیں۔ بیسے انفاق ویسے
 معاملات۔ حقوق کے حقوق کی ادائیگی و عدم ادائیگی اخلاق کے تحت
 ہوتی ہے۔

ایمان لانے کے بعد مسلمان کو دو کام کرنے پڑتے ہیں۔ یا اسلام ان
 دو کاموں کا مجموعہ ہے۔ ایک حقوق اللہ کی ادائیگی۔ دوسرے حقوق العباد

کی ادائیگی۔

ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ بڑے ايمان تین فردوں میں تیار کئے جاتے ہیں۔ ایک فسق و شرک کی ہوئی۔ اس کی معافی نہیں دی جائے گی۔ دوسری فرد دوسرے گنہگار کی۔ بشرطہ فرد کی پرہیزگاری نہیں کرے گا۔ جس گنہگار کو چاہے جو بخش دے گا۔ یہ صرف دو گناہ ہوں گے جن کو قطعاً اللہ سے ہے یہ دو پستہ ہوں گے جو انسان نے خود اپنے اوپر کر دیے ہیں۔ قیصر و فرد بھی گناہگار ہوئی لیکن اس کی ایک ایک بات پکڑ لی جائے۔ یہ پکڑ نہ ہوا۔ جو انسان نے وہ بڑے انسانوں پر اٹھائے ہیں۔

جب انسان اجر و عیال کے تقاضے سے عہدہ برائے نہیں ہو جاتا اس وقت تک اللہ تعالیٰ اپنے دوست، زکوٰۃ اور حج چھوڑنے لگتا ہے۔ ان کی فرستیت غایب نہیں کرتا۔ اور نماز کی بابت فرماتا ہے کہ نماز میری حرکتوں سے بچاتی ہے۔ روزے کی بابت ارشاد ہے کہ روزہ تقویٰ لے سکھاتا ہے۔ روزہ زکوٰۃ تو یکساں انسانی مہمردی اور غم خواری کا سبق ہے ہی۔ علی ہذا حج مختلف طریقوں سے دوسروں کی امداد کا ذریعہ ہے۔ گویا عبادت کے مقاصد میں بھی اخلاقی حیلہ کی تربیت شامل ہے۔ اگر کسی غایب کے احوال صحیح نہیں ہیں تو اس کی عبادت بے خوشبو کا پھول اور بے پھل کا درخت ہے۔ حضرت امام غزالیؒ اگلی کتابوں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ”اللہ فرماتا ہے۔ میں ہر شخص کی نماز قبول نہیں کرتا۔ میں اس کی نماز قبول کرتا ہوں جو میری بڑائی کے سامنے سرنگوں ہو اور میرے بندوں پر اپنی بڑائی نہ جتائے

ایک اور روایت میں ہے کہ جس کو اس کی نماز میں کوتاہی سے نہ روکے جس کی نماز نماز نہیں ہے۔ (وہ اس کے افراط و تفریط کی بات ہے) کہ جو شخص روزے میں بھی جھوٹ اور فریب سے باز نہیں آتا اللہ کو راستے محسن مجبوراً پس منکفہ کی ضرورت نہیں ہے۔

مشہور آیت کَیْسَ الْبِرِّ اَنْ تَوَلَّوْا وُجُوْهُكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ط میں ارشاد ہے کہ صرف نماز پڑھ لینے کی کوئی وجہ نہ دینی، ایسے عہد اور صبر و ثبات وغیرہ اور صاف بھی کی ہیں) سورہ فرقان وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ سے وَجَعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَّا عَامًا تَاكِیْطًا جابجائے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ رحم والے اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم رفتار سے چلتے ہیں (ایٹھتے اور اڑتے اور زمین کو کھٹتے ہوئے نہیں چلتے) اور سب نا سمجھ لوگ اُن سے (نا سمجھی کی) باتیں کرتے ہیں تو وہ (جھگڑا نہیں بڑھاتے) سلام کہتے ہیں (اور رخصت ہو جاتے ہیں)۔ اور جو خرچ کے وقت نہ فضول خرچی برتتے ہیں اور نہ بخوشی اختیار کرتے ہیں بلکہ اُن دونوں کے بیچ سے سیدھے نکل جاتے ہیں اور جو کسی انسان کا بغیر جرم کے خون نہیں بہاتے (الساں کی جان لے لینا ایسی بڑی بات ہے کہ) جسے اللہ نے (خاص طور سے) منع فرمایا ہے اور جو بدکاری کرتے ہیں، کہ جو بدکاری کرے گا وہ گناہ سے پیوستہ ہو جائے گا۔ اور جو سکر اور دھوکے کا مول میں شامل نہیں ہوتے اور کہیں لغو یا ستہ مظاہرہ دیکھتے ہیں تو (وہاں سے) سنجیدگی اور وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں

اور جب اللہ کی آیتیں انہیں سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے اور بہرے نہیں بچتے۔ اور (جو) دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہمارے بیوی بچوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک بخش اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا کر دے۔

سورہ شوریٰ میں ہے : جو بے حیائی کی حرکتوں سے بچتے ہیں اور جو غصہ کی حالت میں معاف کر دیتے ہیں اور ہم نے انہیں جو کچھ دیا ہے اُس میں سے راہِ مولے میں خرچ کرتے ہیں۔ اور جب اُن پر حملہ ہو تب ہی وہ بدلہ لیتے ہیں۔ اور (یا درکھو) جوئی کا بدلہ برابر کی برائی ہے ورنہ بے مست کر بیٹھنا، اور جو معافی دیدے اور دُبرے کے ساتھ نیکی کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ اللہ ظلم کرنے والوں کو پیارا نہیں کرتا۔ (مگر خیر) کوئی مظلوم ہو کر (ظلم کے برابر) بدلہ لے لے۔ تو اُس پر ملامت نہیں کی جائے گی۔ ملامت اُن پر ہے جو از خود ظلم کرتے ہیں (اور ظلم کرنے میں پہل کرتے ہیں) اور زمین میں خواہ مخواہ فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں۔ انہیں دردناک عذاب ملے گا۔ ہاں جو مظلوم ہونے کے باوجود ظالم کو معاف کر دے اور (ظلم، سہ لے تو بے شبہ یہ بہت کا کام ہے۔) اُس کے اجر کا کیا کہنا)

سورہ دہر میں ہے : وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا اور وہ کھانے کے خود ضرورت مند ہوتے ہوئے اپنا کھانا مسکین، یتیم اور اسیر کو کھلا دیتے ہیں۔

اس قسم کی قرآن مجید میں بہت سی آیتیں ہیں۔ اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان آیتوں کے مطابق جیسا عمل کیا اور کرایا تھا اور عمل

کی جیسی تاکید فرمائی ہے اُس سے کتبِ احادیث چر میں ۔
 حضورؐ نے حیا کو اور راستے میں سے تکلیف دو چیزیں مٹا دیتے کو
 ایمان کی شانہ کہا ہے ۔

حضورؐ فرماتے ہیں : جس میں یہ تین چیزیں پیدا ہو جائیں اُسے ایمان
 کا مزہ آنے لگے گا (۱) حق پر ہونے کے باوجود جھگڑے نہیں (۲) فراحت کے
 باوجود جھوٹے بلوے (۳) یقین رکھنے کہ جو کچھ پیش کیا ہے وہ سزا پر پیش کیا
 تھا۔ حق نہیں سکتا تھا۔

حضورؐ فرماتے ہیں : تین باتیں ایمان کا جز ہیں ۔ (۱) منسی میں خیرات
 دینا ۔ (۲) دنیا میں امن پھیلانا ۔ (۳) اپنے مقابلے میں بھی انصاف سے موہ نہ
 موڑنا ۔

حضورؐ فرماتے ہیں : تم میں سے کوئی اُس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا
 جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے ۔
 حضورؐ فرماتے ہیں : مومن وہ ہے جس پر لوگ اتنا بھروسہ کریں کہ
 اپنی جان اور اپنا مال اُس کی امانت میں دے دیں ۔

حضورؐ فرماتے ہیں : جو دوسروں سے محبت انہیں کرتا اور دوسرے
 اس سے محبت نہیں کرتے وہ اچھا نہیں ہے ۔

حضورؐ فرماتے ہیں : مومن طعن و تشنیع ، بددعا ، گالی اور ہرزائی
 سے دور رہتا ہے ۔

حضورؐ فرماتے ہیں : اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے

کوئی شخص اس وقت تک جنت میں نہیں جا سکتا جب تک اس کا پروردگار اس کے غصے سے مسخوڑ نہ رہا ہو۔

آپ دیکھتے ہیں، اسلام کا اخلاقی شخص کتنا اونچا اور کتنا بلند ہے اب ہم فقط سیدھے مہذب بلبلینے کو خلق سمجھتے ہیں مگر کبھی قومیں کی قومیں اسلام کی اخلاقی تعلیم و تلقین سے متاثر تھیں حکما نے بھی اخلاق کا سبق دیا ہے لیکن اسے پڑھ کر کوئی صاحب اخلاق نہ بن سکا۔ دنیا کی تعلیم و تلقین میں جو کچھ فلاحیت تھی، اس نے لوگوں کو اخلاق کے بڑے بڑے مدارج پر پہنچایا۔ آج دنیا کے کسی حصے میں حسین اخلاق کی تھوڑی سی کرن نظر آتی ہے تو وہ تبت ہی کا فیضان ہے۔

سنو رومرو کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو شبیر اعلیٰ ریش میں محفوظ ہے اور اس طرح محفوظ ہے، جیسے منصورؒ نے منجھوڑا ہوا پتھر اپنے خنجر کے ذریعہ اخلاق سکھایا ہے میں نے حضورؐ کے سوانح مطالعہ فرمائیے۔ محدثین نے حضورؐ کے فرمان کو میرے ہر قول و فعل کی ایک دوسری تک پہنچاؤ۔ جو مجھے خلوت میں کرتے دیکھو، اسے مملکت میں کہہ دو۔

سیدھے مہذب ہونا بھی خوش اخلاقی ہے۔ ترش روئی برتنے کو منع کیا گیا ہے وَلَا تُصْعِقُوا خَدَّكَ لِئَلَّا يَكُونَ لَكَ عَيْنٌ مِثْلُ بَعْدِي۔ لوگوں سے ترش روی مت برتنو۔ قرآن کا حکم ہے۔ لیکن خوش اخلاقی سیدھے مہذب ہونے پر ختم نہیں ہو جاتی خوش اخلاقی بڑی وسیع چیز ہے۔ خوش اخلاقی ممکن اسلام ہے۔

اور پیغمبرؐ میں کہتے سنو آکر کوچیت، پر حریف نہ رہنا، روز اور الا فلیبلغ
 ایشاھن الغار کب۔ کن پوری پوری تقسیم کی ہے اور بقول سورہ
 باسورہ صحتہ حد در کیا زندگی کو روز روشن کے مانند نمایاں کر دیا ہے۔

ابن خنبل نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضورؐ
 کے اخلاق کیا تھے۔ ام المومنین نے فرمایا: كَانَ حُلُقُهُ الْقُرْآنَ جَوْزَيْنِ
 میں یہ حدیث الفاظ ہے، وہ حضورؐ کی سیرت میں یہ صورت عمل تھا۔

حضورؐ نے اہل حاجت کی مدد کے لئے دوسروں کی سی نہیں کہا،
 پہلے خود اس فرس کو ادا کیا۔ دشمنوں اور قاتلوں کو معافی دے دی کھانے
 میں نہ ملانے والوں سے وگھڑی۔ اپنی ذات کا انتقام کبھی نہیں لیا جنہوں
 نے انتہائی تکلیفیں پہنچائی تھیں، اُن پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔

پیغمبرؐ کے زمانے سے قبل کی زندگی کے متعلق بھی قرآن مجید حضورؐ
 کی طرف سے چلیج کر رہا ہے۔ فَقَدْ كُنْتُ فِيكُمْ عُمَا مِّن قَبْلِهِ
 اَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ (لے منکروں) میں اب سے قبل تمہارے درمیان عمر
 گزر چکا ہوں۔ کیا تم (میری گزشتہ زندگی کو جاننے کے باوجود مجھے سچا)
 نہیں سمجھتے۔

حضورؐ نے آپ بھی قرآنی تعلیمات کا اسوہ حسنہ بن کر دکھایا، اور
 اپنے زمانے کے مسلمانوں کو بھی اسی رنگ میں رنگ دیا۔ انہیں اللہ کے
 احکام بھی نہیں سنائے، اُن کو مصطفیٰ اور مژگے کر دیا۔ نَبِّئُوْا عَلَيْهِمُ
 اٰیٰتِهِ وَ يُزَكِّیْهِمْ۔ (وہ انہیں اللہ کی آیتیں سناتے ہیں اور اُن کو)

ترکیہ کرتے ہیں، حضورؐ نے وفات کے وقت کم از کم ایک لاکھ انسان عجبو حیرے
 تھے جن سے انلاق کی بنیادی باتوں پر دینا نہ مانگی میں پیش کر رکھی تھی، اور نہ
 مستقبل میں پیش کر سکتی۔ پھر یہ جماعت محض سمرقند و بلخ کی جماعت
 نہیں تھی۔ اس جماعت میں انسانی ترقی کی جملہ تقویٰ و انشووہا ہوئی، کہ
 مجاہدین، علماء، دانشور، دینی و سنی تھے، جس میں علم و فن کے جملہ شعبے قائم تھے جہاں
 ہر ترقی و ترقی کے لئے تھے اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق کمال حاصل
 کرتے تھے۔

عی۔ نہ نشہ۔ ابن عباس۔ ابن مسعود اور زید بن ثابت فقیہ ہو
 محدث کی ڈگری نہ کر سکتے۔ زائد۔ ابو عبیدہ۔ سعد بن ابی وقاص، اور
 عمرو بن العاص سپہ سالار بن کر۔

- طلحہ۔ زبیر۔ عاصم۔ سعد بن معاذ اور سعد بن جبیر نے مدبر سیکھا
 اور ابو بکر۔ عمر عثمان اور علی نے فرماں روائی کا سبق لیا۔

ابوذر، سلمان اور ابوذر وہابی طبیعت خرقہ پوشی سے مناسبت
 رکھتی تھی، وہ زہد و تقویٰ میں ڈھل گئے، اہل صفہ کو طلب علم کا شوق
 تھا۔ وہ علم میں مستغرق ہو گئے۔ کوئی قانون، قضات اور گورنری کا اہل تھا۔
 کوئی دین بھر دے رکھنے اور رات بھر نمازیں پڑھنے کا۔ جیسی جس کی فطرت
 تھی اور جیسی جس میں صلاحیت تھی اسے حضورؐ کے فیضانِ صحبت نے
 بیدار کر دیا۔

حضورؐ کے صحابہؓ میں امیر بھی نظر آتے ہیں اور غریب بھی۔ لیکن اعزاز

کی ترازو امیری اور آقا فی نہیں ہے مجبور اللہ کے احکام کا زیادہ پابند رہے۔
 وہی زیادہ معزز ہے۔

اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس ملام جملہ کام اللہ کی خوشنودی کے
 لئے کرتا ہے۔ اخلاق برتنے کا مقصود بھی اسلام میں خوشنودی یا ہی توفی
 ہے۔ اسی خوشنودی سے مرنے کے بعد جنت ملے گی اور اسی خوشنودی سے
 موجودہ زندگی جنت بن سکتی ہے۔ اللہ خوش ہوتا ہے تو یہ اس زندگی کو کھجی
 جنت بنا دیتا ہے اور اللہ خوش ہوگا تو دوسری زندگی کو یہ جنت بنا دے
 گا۔ بلکہ یوں کہئے کہ اللہ کی خوشنودی ہی جنت ہے۔ اللہ کی خوشنودی
 اور اللہ کی نعمتیں الگ الگ شے نہیں ہیں۔ اللہ کی خوشنودی پر جتنے والا
 اپنے فوق اور اپنی پرواز کے مطابق العات پائے گا۔

جسمائے قدیم نے اخلاق کی بتا کر بیان کی ہے۔ اگرچہ ہنر کے سلسلے
 میں کئی وہ اختلاف رکھتے ہیں لیکن اخلاق کی غرض و نیت وہ یکساں ہیں
 نہیں بتاتے۔ اب اہلہ جدیدہ کیمینٹ کے قلم سے ایک فقرہ نقل کیا ہے
 کہ: "بغیر اچھے ارادے کے کسی کام پر اچھالی کو لیمیل نہیں دیکھا جائے۔"
 ہمارے اچھے آقا چودہ سو برس قبل ان صاۓۓ انذانیوں فرمائے ہیں :
 اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ انسان کے اعمال اس کی نیت سے جتنے
 جائیں گے۔ پھر اس کی مزید تصریح ان الفاظ سے کر دی: ہر شخص کے
 واسطے وہی ہے جو اس کے دل میں ہو۔ جس کی ہجرت اللہ اور اس کے
 رسول کی خاطر ہے تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے

ساتھ ہی سلوک کرنے کا حکم ہے۔ ایسا مینہ یا آفت طوفان منظرہ ہے۔ قرآنی
 اَلْهَمَّ اَللّٰهُ عَلٰی حَبِیْبِہِ ذُوی الْاَلْمُنٰیہِ بِرَحْمٰتِہِ الْوَاسِعٰتِہِ اَمَّا سَاکِنِہِ
 وَابْنِ الشَّہِیْلِ وَالْمَسَاکِیْنِہِ فِی الْاَوْرَاقِہِ زَیْنَامَانَ
 اسدن محبت کی خاطر قرابت داروں۔ یتیموں۔ مسکینوں۔ اور۔۔۔ مسافروں اور
 سائلوں (کی ضروریات) اور (نظامی تدبیر کے تحت غلاموں کی) گردنوں کے
 چھڑنے میں لگائیں۔

مسکین اور اہل حاجت تو ایک سے ہیں۔ یہاں مسافر اور سائل
 کا اضافہ ہوا۔

ایک اور آیت میں ماں۔ باپ۔ قرابت دار۔ یتیم۔ مسکین۔
 اور مسافروں کے علاوہ ہمسایوں اور پڑوسیوں۔ پاس بیٹھے والوں (یعنی
 دوست احباب) اور (نزدیکی غلام۔ حتیٰ کہ حیوانات جو ہمارے قبضے میں
 ہوں، سب کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آنے کا ذکر ہے۔ وَ
 الْجَارِ ذِی الشُّرْبِی۔ الْجَارِ الْجَنَبِ وَالْمُصَاحِبِ
 بِالْجَنَبِ۔۔۔ وَمَا مَلَکْتَ اَیْمًا مِّنْکُمْ

نزدیکی غلام کی جگہ اب اما اور خدمت گار اور ماتحتوں کو سمجھ لیجئے
 اور مَا مَلَکْتَ اَیْمًا مِّنْکُمْ کے آگے ارشاد کیا: اِنَّ اللّٰہَ
 لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُصْحًاۃً فَعُوْا۟ لِّیْ۔ الَّذِیْنَ
 یَبْکُوْنَ وَکَاۡمُہُمْ اَدْنٰس۔ بِالْاَیْمِہِ رَکِیْمُہُمْ
 مَا اَشْہَمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہِ ط اللّٰہُ رَاۡنٌ نَّہْمُہُ اور
 اترانے والوں (اور اپنے تئیں) بڑا خیال کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا،
 جو خود غل کرتے ہیں اور (دوسرے) لوگوں کو (بھی) سچا قرار دے

نجلو کی ترغیب دینے پر (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) انہیں اپنا نہایت سے
دینی سب سے آگے کچھ ہوسہ دے دیتے تھے۔

مسکینوں - یعنی حاجت مندوں اور یتیموں، یعنی جن کا کوئی پروردگار
حال نہ ہے، ان سے سہولت، چھ سونک اور ان کی صرف خبر گیری کافی نہیں
ہے۔ بلکہ یتیموں کے حقوق غراوا : **لَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتَامَىٰ**
نہیں، تب ہی تم پر اس لئے لازم ہوئی کہ تم یتیموں کو عزت و تکریم نہیں کیا
کرتے تھے اور آپ یہ ہے : **فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ** یتیم
کو بھی لذت کی نگاہ سے مت دیکھو۔ اُسے کبھی نہ جھڑکنا یتیم کی توقیر کرنی
چاہئے اور مسکینوں کے متعلق کہا : **وَلَا تَحْضُونَهُ عَلَىٰ طَعَامِ**
الْمُسْكِينِ - اور (خود کیا کھلاتے دوسروں کو) ترغیب نہیں دیتے،
حاجت مندوں کو کھانا کھلائیں۔ اسے بھی نزول تہا ہی کا سبب بتایا۔
وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْسُورِ - ان کے مال
میں حصہ تھا اس کا جو (موہنہ سے) مانگتا تھا اور اس کا جو ضرورت مند
تھا (موہنہ سے نہیں مانگتا تھا)

موہنہ سے مانگنے والے کو بھی جھڑکنا ممنوع ہے : **وَأَمَّا السَّائِلُ**
فَلَا تَنْهَرْ - سائل کو جھڑکنا نہیں۔

ضرورت مندی میں کسی قسم کی قید نہیں لگائی۔ مقیم ہوا مسافر
سب کی ضرورت پوری کرنا مسلمان کا فرض ہے۔ اسلام نے ساری دنیا
کے انسانوں کو ایک برادری قرار دیا ہے۔ انسانیت میں سب شریک ہیں
جس پر وہ اسلام ہے وہ ضرورت مندی میں صوبہ - ملک - مسلم - غنیمت مسلم -
اپنا بیگناہ کچھ نہ دیکھئے گا۔ ہر ضرورت مندی کی مدد کرے گا اور مدد احسان

سمجھ کر نہیں کرے گا۔ ضرورت مند کا حق سمجھ کر کرے گا۔ وَفِي آيَةِ الْيَتَامَى
 وَالْمَسْكِينِ وَالْمُحْرَرِ - ایک دوسری جگہ ہے کہ اسے
 ذَالِقُرْبَى حَتَّىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ :
 قرابت دار کا اور ہر ضرورت مند کا اور مساکین کا حق ادا کرو۔

اللہ نے کسی کو دیکھنے کے لائق بنا دیا ہے اور کسی کو لینے کے لائق
 نہ بنے۔ دیکھنے والے کو غرض ہے کہ دے دے اور لینے والے کا غرض ہے کہ نہ گروا تو
 ضرورت ہے تو اللہ کا شکر کرے۔ دے دے۔ لے لے۔ وہ دیتے والے
 کی طرف سے بڑھ چکا افضل ہے۔ ہاں اسلام میں وجہ عزت نہیں ہے تقویٰ
 وجہ عزت ہے۔ بعض اوقات لینے والا اللہ کے نزدیک دیتے والے سے
 زیادہ معزز ہوتا ہے۔

دینے والا یا کسی کے ساتھ کوئی اور بھلائی کرنے والا اپنا مقصد نکالتی
 ہرگز نہ دیکھے۔ شکر یہ کہ طالب نہ ہو۔ کبھی یاد نہ دلائے کبھی احسان نہ
 جتائے۔ ان باتوں سے نیکی اور بھلائی، بری اور ٹپائی جاتی ہے۔ اللہ اور
 مومن کا کائنات علیٰ اللہ بنیاد ہے۔ اللہ کے پاس نیکی وحی کے بعد دوسری وحی
 اسی مقصد کی آئی تھی کہ وَلَا تَتَّبِعُوا مَن تَتَّبِعُونَ مَن تَتَّبِعُونَ مَن تَتَّبِعُونَ
 احسان نہ کرو کہ احسان کرنے کے بعد اس سے زیادہ دیکھا جاوے۔
 اپنے لئے اور بیوی بچوں کے لئے رزق اور ضروریات کی چیزیں جیتا
 کرنا مسلمان پر فرض ہے۔ جو باقر باقوں توڑ کر کھٹوٹا بیٹھا رہے اور اولاد
 تک کی پرورش نہ کرے۔ انہیں کھانے کو نہ دے۔ بیٹا بیویوں کو ان کا علاج
 نہ کرے۔ وہ گویا اولاد کا جان لیوا ہے اور جو اپنی اولاد کی جان لے لیتے
 ہیں۔ انہیں سخت تباہی سے سابقہ پڑے گا۔ كَجَسَرِ الَّذِينَ قَتَلُوا

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ سَاعَةً فِي نَفْسٍ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّهُمْ إِلَىٰ خُرَافَةٍ كَثِيرَةٍ
 صِدْقَ الْوَعْدِ وَذَرِينَا ۚ نَعْمَلْ لَكَ الْكَفِيلَ ۚ اے ہمارے پیارے دوست
 ہمیں نہ رونا بیویوں اور ہماری اولاد کو غمزدار سے ہم شکوہ کرنا۔
 زاور دل کو چین (خوف) نہیں ہو گا۔ تمہاری محبت میں یہ سزاؤں جاننے سے دست بردار
 نہ ہونا چاہیے۔ ایسے بیوی بچوں کی بہت جن کے لئے ناجائز طلب، ایسے
 معمولی دولت کے اختیار کے جائز ارشاد ہے۔ اِنَّ مِنْ اَرْوَاحِكُمْ
 وَاُولَادِكُمْ عُذْرًا لِّمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ تمہاری بعض بیویاں،
 اور تمہارے بعض بچے تمہارے دشمن ہیں (کہ تم ان کی محبت میں اللہ کے
 اللہ کے دین سے غافل ہو جاتے ہو) لہذا ایسے بیوی بچوں کی اس
 خرابی سے بچو۔

ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَجْعَلُ كَلِمَتُكُمْ
 أَنْ تَرْفُثُوا أَلْسِنَةً كُرْهًا ۚ وَلَا تَعْصُوهُنَّ لِيَتَّبِعُنَّكُمْ
 بِبَعْضِ مَا كَتَبْتُمْوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّكُمْ بِفَاحِشَةٍ
 مُّبِينَةٍ ۚ وَعَالِمُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِنْ كُرِهْتُمُوهُنَّ
 فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا
 كَثِيرًا ۚ اے مسلمانو! سوائے اس صورت کے کہ تمہاری بیویوں
 میں کلمی ہوئی بے حیائی آجئے تمہیں (بروقت یہ) اجازت نہیں ہے کہ
 بیویوں کو میراث تصور کر کے زبردستی ان پر قبضہ سا جاؤ۔ یا (اگر انہیں نباہ
 نہیں سکتے تو) اس نیت سے کہ تم نے جو کچھ انہیں دے دیا ہے اس میں سے
 تھوڑا بہت چھین لو (انہیں اپنے گھروں میں) مت مقید رکھو۔ بیویوں
 کے ساتھ سوک سے رہو۔ وہ تمہیں نہ بھائیوں تو (بھی کیا مضائقہ ہے)۔

عجب نہیں کہ ایک شخص تم کو پسند نہ کر اور اللہ نے اس کی بہت سی بھلائی رکھی ہو۔ یہ تمہارا غیبی اور صبر سے کام لو۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَؤُلَاءِ فَسَوَاءٌ لَّكُمْ أَعْمَلُوا فِيهَا وَيَحْكُمَ اللَّهُ يُبْدِي خَيْرَ أَعْمَالِكُمْ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَيُخَذِّبُهَا لَهُمْ﴾ (مائدہ ۵۱)۔
 اور بھاری جہرم ہونا چاہئے۔

مردانہ شہادت کا پورا شہادہ دینا آگے سے۔ اس کے لئے سب سے پہلے یہ نوع کی تباہی اور بربادی سے بچنا ہے۔ پہلے طریقہ اخلاق کی فکر کرے اور پھر اس کے لئے گھر کی فکر کرے۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَؤُلَاءِ فَسَوَاءٌ لَّكُمْ أَعْمَلُوا فِيهَا وَيَحْكُمَ اللَّهُ يُبْدِي خَيْرَ أَعْمَالِكُمْ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَيُخَذِّبُهَا لَهُمْ﴾ (مائدہ ۵۱)۔

ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَؤُلَاءِ فَسَوَاءٌ لَّكُمْ أَعْمَلُوا فِيهَا وَيَحْكُمَ اللَّهُ يُبْدِي خَيْرَ أَعْمَالِكُمْ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَيُخَذِّبُهَا لَهُمْ﴾ (مائدہ ۵۱)۔
 انہی۔ اپنے متعلق یہ بھی مت سمجھو کہ میرا ترک یہ ہوگا (اور میں) بل بوتہ پر جو لوگ (واقعی) متقی ہیں انہیں اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَؤُلَاءِ فَسَوَاءٌ لَّكُمْ أَعْمَلُوا فِيهَا وَيَحْكُمَ اللَّهُ يُبْدِي خَيْرَ أَعْمَالِكُمْ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَيُخَذِّبُهَا لَهُمْ﴾ (مائدہ ۵۱)۔
 زبان سے کیوں نکالتے ہو جسے غور کر کے نہیں دیکھتے۔

ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَؤُلَاءِ فَسَوَاءٌ لَّكُمْ أَعْمَلُوا فِيهَا وَيَحْكُمَ اللَّهُ يُبْدِي خَيْرَ أَعْمَالِكُمْ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَيُخَذِّبُهَا لَهُمْ﴾ (مائدہ ۵۱)۔
 انہیں۔ (کیا تا شہ ہے کہ) تم لوگوں کو تو نیکی کی تلقین (و تائید) کرتے رہتے ہو، اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔

ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَؤُلَاءِ فَسَوَاءٌ لَّكُمْ أَعْمَلُوا فِيهَا وَيَحْكُمَ اللَّهُ يُبْدِي خَيْرَ أَعْمَالِكُمْ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَيُخَذِّبُهَا لَهُمْ﴾ (مائدہ ۵۱)۔
 اور ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَؤُلَاءِ فَسَوَاءٌ لَّكُمْ أَعْمَلُوا فِيهَا وَيَحْكُمَ اللَّهُ يُبْدِي خَيْرَ أَعْمَالِكُمْ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَيُخَذِّبُهَا لَهُمْ﴾ (مائدہ ۵۱)۔
 (میں) ہمیشہ (یاد رکھو)۔ عہد (کنو اور وعدہ شکنی) کے متعلق (تجربے) بات پر اس کی جائے گی۔

ارشاد ہے: وَلَا يَجْعَلْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مَسَاجِدَ إِلَّا مَسْجِدًا وَاحِدًا مَقَامُ الْقِبْلَةِ الْمَسْجِدَ الْحَرَامِ الَّذِي فِيهِ كَعْبَةُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَمَنْ يَجْعَلْ لَكُمْ مَسَاجِدَ إِلَّا مَسْجِدًا وَاحِدًا مَقَامُ الْقِبْلَةِ الْمَسْجِدَ الْحَرَامِ الَّذِي فِيهِ كَعْبَةُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَمَنْ يَجْعَلْ لَكُمْ مَسَاجِدَ إِلَّا مَسْجِدًا وَاحِدًا مَقَامُ الْقِبْلَةِ الْمَسْجِدَ الْحَرَامِ الَّذِي فِيهِ كَعْبَةُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ

ان لوگوں کو دشمن جو (ایک نہ بنائے ہیں) تمہیں مسجد الحرام (میں جانے اور عبادت کرنے) سے روکتے تھے تم کو (اس بات پر) نہ اچھے لگے کہ (ان کے ساتھ کوئی) نہ بنائی نہ چھوڑا آپس میں (ایک دوسرے کی) نیکی اور پرہیزگاری کی (کے معصوف ہیں) کیا کرو گناہ اور ظلم (ایکے کاموں) میں (کبھی ایک دوسرے کی) مدد نہ کرو۔

جو کام انسانوں کے فائدے کا ہو اور اللہ کے قانون اور نشان کے خلاف نہ ہو۔ اس پر غیر مسلم سے بھی تعاون کیا جائے اور جس کام سے انسانی ترقی کی رفتار سست پڑے۔ تو وہ اللہ کے قانون اور نشان کے خلاف نہ کرنا چاہئے۔

ارشاد ہے: وَلَا يَجْعَلْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مَسَاجِدَ إِلَّا مَسْجِدًا وَاحِدًا مَقَامُ الْقِبْلَةِ الْمَسْجِدَ الْحَرَامِ الَّذِي فِيهِ كَعْبَةُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَمَنْ يَجْعَلْ لَكُمْ مَسَاجِدَ إِلَّا مَسْجِدًا وَاحِدًا مَقَامُ الْقِبْلَةِ الْمَسْجِدَ الْحَرَامِ الَّذِي فِيهِ كَعْبَةُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ

کی دشمنی کے باعث انسان کو ہاتھ سے مرث دو (سب کے ساتھ) انسان کو روک رہی بات اللہ کے قانون اور نشان سے قریب تر ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو اللہ کے قانون اور نشان کا برابر خیال رکھو۔

ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ - اے ایمان والو! انصاف کو ہر حال میں قائم رکھو۔

کبھی گواہ نہ بننا اور تو شہداء کے لئے (اللہ کی طرف سے گواہ) بن کر آؤ (اور خدا کی گواہی دو) سچی گواہ تو غلام خود تمہارے خلاف پڑے

(رَبُّكَ عَلِيمٌ خَلِيقَاتِ) (کونسی سی چیز) یا تمہارے اہل بائیں اور قربت فائدہ میں کے
 خلقت میں سے (اَوَلَا تَعْلَمُونَ) (اَوَلَا تَعْلَمُونَ) (نیز اہل محکمہ میں کوئی
 ماں مار نہیں یا فقیر ہو) (پاسداری کسی کی نہ کرو) اِنَّ كَيْدَ غَنِيٍّ اَوْ
 فَقِيرٍ - اللہ کی پاسداری، ان دونوں (یعنی اہل قربت اور اہل ولایت
 کی پاسداری) سے افضل ہے (فَاللَّهُ اَعْلَىٰ لِكُلِّ شَيْءٍ) (ہذا حق مشاہدات
 نفسانی کی پیروی مت کرو کہ (حق ہے) منحرف ہو جاؤ (فَلَا تَتَّبِعُوا
 الْهَوَىٰ اِنْ تَحْسَبُوْا) اور ارشاد ہے : (اِنْ تَلُوْا اَوْ
 تَعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا) اور
 اگرچہ جہاں میں، صحیح طرح سے کام لوگے یا (سرے سے کوئی ہی نہ دیکھ رہا ہے)
 گریز کرو گے تو ریا درگوشی اللہ (تمہارے تمام باتوں اور) تمہاری تمام حرکتوں
 سے واقف ہے۔ (تمہاری نیت کو جانتا ہے)

لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ط وَهُوَ يَكْتُمُ سَهْوًا
 فَاِنَّهُ اَشَدُّ قَلْبًا ط گواہی کو چھپاؤ نہیں جس نے گواہی کو چھپایا
 اُس کا دل سیاہ ہے۔

ایسا نہایت مکروہ عادت کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ کم انسان اس
 عادت سے بچتے ہیں۔ عادت یہ ہے کہ ادھر کی کوئی بات سنی، اُدھر بغیر
 تحقیق کئے اُسے پھیلانا شروع کر دیا۔ اور بات کو دُور گھر پہنچا دیا۔ ارشاد
 ہے : (وَلَا تَكْتُمُ الشَّهَادَةَ اِنَّ الشَّهَادَةَ
 وَالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ اَوْ لَعْنَةُ اللّٰهِ كَانَ عَذَابُهُ مُّسْتَوْكَا
 جس بات کا تمہیں (ٹھیک ٹھیک) غم نہ ہو۔ (اگرچہ بچتے) اس کے چھپانے
 بولیا کرو بلکہ اللہ تمہارے جو ظاہر ہیں اور یا ظنی سچا تم کو عنایت

فرما رکھے ہیں۔ ان سے کام لیا کرو۔ کیونکہ قیامت کے دن ان کا حق اور اٹھ
 اور دل سب سے پوچھا جائے گا کہ انہوں نے کیوں اپنے نرائش کی
 اور کئی میں کوئی بھی کی انکار یاہ جائے کہ اِذَا سَمِعُوا لِغَوَاٍ عَزَمُوا
 عَزَمُوا۔ جب کوئی لغویات سنیں اس سے کنارہ کش ہو جائیں۔

ہاں! ایک اور ہدایت: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْزَلُوا
 كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ أَشْمُ وَلَا كَعَشْوَا
 وَلَا يَفْتَبِ بَعْضُهُمْ بَعْضًا ط أَحَبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ
 لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ۔ اے مسلمانو! (لوگوں
 کی نسبت بہت زیادہ شک کرنے سے احتیاب کرو۔ بعض نفس گناہ
 کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی ٹٹول میں بھی نہ رہو۔ اور ایک
 دوسرے کو بیٹ پیچھے بڑا نہ کہو (غیبت کرنا گوارا نہ دے ہوئے بھائی کا
 گوشت کھانا ہے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ اپنے قریب ہوئے
 بھائی کا گوشت کھائے۔ یہ تو تمہیں (بھی) گوارا نہیں ہوگا (لہذا غیبت
 بھی گوارا نہیں ہونی چاہیے۔

اس سے پہلے فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُوا
 قَوْمٍ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرٌ مِّنْهُمْ
 وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ
 وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ط
 اے مسلمانو! مرد مردوں کا تمسخر نہ کریں۔ ممکن ہے (جن کا تمسخر کیا
 جائے) وہ تمسخر کرنے والوں سے بہتر ہوں اور عورتیں عورتوں کا تمسخر
 نہ کریں۔ ممکن ہے تمسخر کی جانے والی عورتیں تمسخر کرنے والی عورتوں

سے بہتر ہوئی۔ اور ایک دوسرے کو طرہ چھٹی ست دو اندازیکہ دوسرے کو برے نسبت (اور برے نام) سے ملنا پکا کر۔

ارشاد ہے: اِنَّ الْاَكْثَرِيْنَ يَرْجِعُوْنَ اِلَى الْغَيْبَاتِ اَلْعَوَّلَاتِ اَلْمَعْمُورَاتِ اَلْجَنَاتِ فِي السُّبْحِ وَالْاَكْثَرِيْنَ يَرْجِعُوْنَ اِلَى الْغَيْبَاتِ اَلْعَوَّلَاتِ اَلْمَعْمُورَاتِ اَلْجَنَاتِ فِي السُّبْحِ وَالْاَكْثَرِيْنَ يَرْجِعُوْنَ اِلَى الْغَيْبَاتِ اَلْعَوَّلَاتِ اَلْمَعْمُورَاتِ اَلْجَنَاتِ فِي السُّبْحِ

سے، بے خیر (اور) ایمان عورتوں پر بدترین نگاہ کی (بہت) ہوتی ہیں (وہ بدترین غلامی ہیں۔ وہ دنیا اور عشق (مردوں) پر، میر

طعن ہو گئے اور ان کے واسطے بڑا (سخت) عذاب (تیار ہے) اور ارشاد ہے: وَلَا تَكُنْ فِي الْاَكْثَرِيْنَ اَلْعَوَّلَاتِ اَلْمَعْمُورَاتِ اَلْجَنَاتِ فِي السُّبْحِ

کن تخریق (اکثر) اَلْعَوَّلَاتِ اَلْمَعْمُورَاتِ اَلْجَنَاتِ فِي السُّبْحِ پر (اتراتے ہوئے اور) اکٹھے ہوئے مسٹ پلا کر۔ کہو کہ تم نہ

(دور دور سے قرعہ مار کر) زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور (نہ گروں کو اور) کھینچ کر۔ پہاڑ کی اونچائی کو پہنچ سکتے ہو۔

ارشاد ہے: وَلَا تَكُنْ فِي الْاَكْثَرِيْنَ اَلْعَوَّلَاتِ اَلْمَعْمُورَاتِ اَلْجَنَاتِ فِي السُّبْحِ رکھو (نہ بالکل گر جلو اور نہ اگر گر)

ارشاد ہے: قُلْ لِّكُم مِّنْهُنَّ كَيْفَتُهُنَّ اَلْعَوَّلَاتِ اَلْمَعْمُورَاتِ اَلْجَنَاتِ فِي السُّبْحِ اے رسول! مسلمان مردوں سے کہہ دو کہ نظریہ نیچے رکھ کر ان کریں

(اور ادھر ادھر نہ تکا کریں خصوصاً راہ حق عورتوں سے اپنی آنکھوں کو بچائیں)

اور ارشاد ہے: قُلْ لِّكُم مِّنْهُنَّ كَيْفَتُهُنَّ اَلْعَوَّلَاتِ اَلْمَعْمُورَاتِ اَلْجَنَاتِ فِي السُّبْحِ اے رسول! مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ نظریہ نیچے

رکھا کریں (اور) محرم مردوں کو نہ ونچی کرے۔
 ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ لَا تَمْسُقُوا رِقَابَكُمْ لِلنَّاسِ وَلَا لِلْأَنْفُسِ وَلَا لِلْأَمْوَالِ وَلَا لِلْأَنْفُسِ وَلَا لِلْأَمْوَالِ وَلَا لِلْأَنْفُسِ وَلَا لِلْأَمْوَالِ
 انہر آنکھوں کی خیانت اور سینے میں چھپے ہوئے دلوں سے باز رہو۔
 ارشاد ہے: لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ حَتَّىٰ تَخْرُجُوا مِنْهَا وَلَا تَخْرُجُوا مِنْهَا حَتَّىٰ تَخْرُجُوا مِنْهَا
 کبطن۔ بد حیاتی کو باتوں کے نزدیک مت جائو۔ خواہ وہ بے نیازی
 کی، تین علانیہ ہیں: خوار پوشیدہ۔

ارشاد ہے: إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ
 الْفَاحِشَةُ فِي الْأَرْضِ أَثَمُ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ
 فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ جو لوگ اسے پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں
 میں بے حیائی (کہ باتوں) کی اشاعت ہو وہ دنیا میں بھی دردناک۔
 سزا کے مستحق ہیں اور آخرت میں بھی۔
 ارشاد ہے: هُمْ عَلَىٰ النَّعْوِ مَعْزُومُونَ (مسلمانوں کی
 تعریف یہ ہے کہ) وہ (پھر لغو حرکت (اور ہر لغویات) سے احتراش
 (اور نفرت) کرتے ہیں۔

اور ارشاد ہے: وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا۔
 مسلمانوں کی تعریف یہ ہے کہ لغویاتوں اور بے جود کھیل تماشوں
 میں حصہ نہیں لیتے اور اگر اتفاق سے (وہ) (بعض) لغویات کے پاس
 سے گذرتے ہیں تو تیزیوں (اور بڑے بارانوں) کی طرح گزر جاتے ہیں۔
 ارشاد ہے: فَتَلَوْا قَوْلًا سَدِيدًا أَوَّلَ لَيْلٍ
 آمَنَّا لَكُمْ۔ (مسلمہ اور ہمیشہ صحیح) اور پکی بات کہا کرو (حلیہ اور
 وہ سڑ پکڑا کی بات زبان سے نہ نکالو) تاکہ اللہ تمہارے دلوں کو نور سے

اور تمہاری اخلاقی حالت درست فرمادے۔
 اور ارشاد ہے: قُولُوا لَهُمْ كَلِمَةً مِّنْ عَرَفَاتٍ۔ (جن باتوں
 کرنی ہوں ان سے ایسی زبان بولو جو معقول (توہین) کی زبان ہے۔
 اور ارشاد ہے: قُولُوا اَمْنًا حَسَنًا۔ (غیر مسلموں کے
 کسی قول یا فعل سے مثل قتل ہو کر بھی کوئی غیر مذہب کلمہ زبان پر نہ آئے دو بلکہ
 اُن سے گفتگو ہو کر مسلمان) وہ بات کہیں چلا افلافاً مناسب (اور)
 بہتر ہو۔

اور ارشاد ہے: لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا
 الْحَقَّ وَانْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ سچائی میں جھوٹ کی آمیزش نہ کرو اور
 جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ۔
 اور ارشاد ہے: وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ۔ مکر و فریب کی
 باتیں کرنے سے پرہیز کرو۔

اور ارشاد ہے: وَاعْضُضْ مِصْرَکَ طَرِائِقَ الْاَنۡکَرِ
 الْاَصْوَاتِ کَصَوْتِ الْحَمَیْرِ۔ (بات کرتے وقت) اپنی آواز نرم
 (اور دینی) رکھو۔ (چرخ کراندہ چکھار کر مت بولو) گدھے کی آواز بہت
 ناپسندیدہ (گوار) ہے۔

ارشاد ہے: لَا تَاْكُلُوْا اَمْۤوَالَکُمْ بَیۡنَکُمْ بِالۡبَاطِلِ۔ ایک
 دوسرے کا مال (چوری کر کے۔ خیانت کر کے۔ دغا بازی کر کے۔ رشوت
 لے کر۔ جا بھیل کر۔ فریب دے کر غرض کسی ناحق (طریقے سے) نہ کھاؤ۔
 اور ارشاد ہے: فَابْتَغُوا حِثَّ اللّٰهِ الرِّزْقَ۔ رزق تم اللہ
 سے مانگو۔ (محبت کرو۔ سرگرم عمل رہو۔ انسان اُسی شے کو پاسکتا ہے

جس کے لئے وہ چہرہ بہرہ کرے۔ مگر بغیر جہد جہد کے انسان کو کچھ نہیں ملتا
 لیکن بِلَا لِسَانٍ اِلَّا مَا سَمِعَ اور مقصد ہے کہ بھانڈا ملتا ہے۔ جیسے
 انسان کی کمانی زمین کا نام ہے۔ اللہ کے قول کے مطابق جہد جہد کر کے
 تو اللہ ہائے رزق دے گا۔ اللہ کے قول میں یہ ہے کہ وَفِي آيَاتِهِ
 حِكْمٌ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ مسلمانوں کی دولت میں مودت ہے، اللہ کے لئے
 اور (صورتِ انسان) کا حقد ہے۔ یعنی دولت پر مانتا ہے کہ وہ بیٹھتا
 ہے۔ آئے ہیں ضرورت کو نہ پاتا ہے۔ اور وہ ضروریات سے جس قدر
 بچے وہ غریب کو بھی ہے اور ملک و ملت کا حق ہے۔ كَيْفَ تَقُولُ مَا كُنَّا
 نَعْبُدُكَ مِنْ قَبْلُ الْاَعْمٰی۔ (اے رسول، مسلمان) تم سے پوچھتے ہیں
 کہ (اللہ کی راہ میں) کس قدر مال خرچ کیا ہے۔ (آئینہ) بتا دو کہ جنت
 (مقام کی ذاتی) ضروریات سے ناگرم ہو۔ اور تمہاری ضرورتیں کیا ہیں؟ قُلُوْا
 وَاللّٰهُ يُوْثِقُ اَوَّلَ قَسَمِهِ فَوَا كَمَا تَقُولُوْنَ لَكِنْ دُكَّانٌ يَّجِيْزٌ
 میں (مال خرچ نہ کرو۔ وَ لَا تَبْذُرُوْا ثَبَاتٍ يُّرَىٰ۔ اور (مال و دولت
 کو) فطرتی (اور بے موقع) مت خرچ کیا کرو۔

ارشاد ہے: اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كَلَّمْتُمْ نَاسًا بِالْقِسْطِ اِنَّكُمْ تَقِيْمُونَ۔ ذَالِكُمْ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا (داد و ستد میں
 ہر دینتی نہ کیا کرو) جب (کوئی شے) ناپو تو پوری ناپو۔ اور (جب تولو تو)
 ٹھیک ترازو سے تولو۔ (مصارح محمدیہ و معارفِ شریعت کے لحاظ سے)
 یہی (تم سب کے خون میں) بہہ رہا ہے۔ اور حق کے اعتبار سے (خاص)

۱۔ قیامت کے دن) انسان کو اپنی (ذاتی سعی اور کوشش ہی کا ثمرہ ملے گا۔

نہاری خوات کے لئے بہت اچھا ہے۔ (کم ناپنے اور کم تولنے میں بظاہر
 نفع معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقتاً نفع نہیں رہتا)
 اور یہ ہے: فَإِنْ أَحْبَبَ كَعْصَمٌ كَعَصْمًا كَذِبُودَ الَّذِي
 أَوْ تَسِيرَ: (معاذ اللہ)۔ اگر ایک انسان دوسرے انسان کا اعتبار
 کرتا ہے تو جس کا اعتبار کر لیا گیا ہے اسے چاہئے کہ (اعتبار کو نبھائے
 اور) امانت ادا کرے۔

آپؐ یہاں تک نقل کیے جاؤں۔ قرآن مجید ایسی آیتوں سے
 بھرا ہوا ہے جن بن اخلاق کی قرآن میں اور احادیث میں تلقین کی گئی
 ہے ان کی درالگ انگ فہرستیں علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ
 نے مرتب فرمائی ہیں۔ ممکن فہرستیں یہ بھی نہیں ہیں۔ کم از کم احادیث کی فہرست
 ناممکن ہے۔ بہر حال انہیں درج کرتا ہوں۔ ان فہرستوں سے اندازہ کیجے
 کہ انسان کو نسلِ انبیاءؐ کی اتنی اہمیتوں میں اسلام کے سوا کوئی بھی لے جاسکا
 ہے کہتے دے کہا کرتے ہیں کہ اچھی باتیں کون سا مذہب نہیں سکھاتا پھر اچھی
 باتوں کو اسلام کے ساتھ کیوں مخصوص سمجھا جائے۔ بے شک دوسرے مذاہب
 اچھی باتیں اور سچے اخلاق ہی سکھاتے تھے۔ اسے ماننا تو مسلمان کا فرض
 ہے۔ لیکن اچھی باتوں اور اچھے اخلاق کو انتہا پر آخری دین اور آخری نبیؐ
 نے پہنچایا ہے

دولوں جہاں آئینہ دکھلا کے رو گئے

لانا پڑا تھی کوہِ بھاری مشال میں

(نہجی صبی: (مذہبِ عالم نے انسانوں ہی کے ساتھ اخلاق پڑتا

نہیں ہے۔ جادات، نباتات، اور حیوانات کے بھی حقوق قائم کئے ہیں ان

کے حقوق کی ان چیزیں ان کے ساتھ اخلاق برتنے پر جنادات کا حقیقہ ہے
 نہ انہیں بے صورت نہ مقرر کیا جائے۔ نباتات کو حق یہ ہے کہ ان سے وہی
 نام لیا جائے جس کے لئے وہ پیدا ہوئے ہیں۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم نے اسے تشبیہ حکایت بیان کر کے واضح کیا ہے۔ فرمایا: کوئی شخص
 ہیں پر بیٹھا چلا جا رہا تھا۔ میں نے مونہ موڑ کر اس سے کہا: میں تو کھیتی باڑی
 کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ سواری کے لئے نہیں پیدا کیا گیا۔

نباتات کے متعلق حضور نے فرمایا: پرندے اور مویشی جس درخت
 کے پھل پاتے کھاتے ہیں اس درخت کے لگانے کا ثواب ملتا ہے بھل نذر
 درخت بے سبب کاٹنے کی ضرر نے ممانعت کی ہے۔

حیوانات کے متعلق حضور نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو
 محض اس وجہ سے بخش دیا کہ اس نے کتے کی جان بچائی تھی اور ایک شخص کو
 دوزخ میں ڈال دیا، اس وجہ سے کہ اس نے بٹی کی جان لے لی تھی۔
 خیر اب فہرستیں پڑھئے

قرآنی اخلاق کی فہرست:

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کسی خاص قوم یا
 کسی خاص زمانے کے لئے مخصوص نہیں تھی۔ لہذا حضور کو تعلیمات کا جو صحیفہ
 عنایت ہوا اسے صرف ایک قوم اور زمانے کی اخلاقی اصلاح تک محدود نہیں
 رکھا گیا۔ بلکہ تمام قوموں اور زمانوں تک وسیع کر دیا گیا۔ چنانچہ تمام قوموں
 اور زمانوں میں جو بُرا نکال پائی جانے والی تھیں ان کی ممانعت قرآن مجید
 کے اندر موجود ہے اور اسی طرح جملہ انسانی محاسن اخلاقی بھی کھول کر

بیان فرمائے ہیں۔ جو بہتہ عجیبوں میں جن برائیوں نے روکا گیا تھا، یا جن
 نیکیوں کی تعلیم دی گئی تھی، منور کی وحی مبارک نے اُن کے سب گروہ
 روشن کر دیے ہیں۔ خیر اب قرآنی اخلاق کی فہرست ملاحظہ کیجئے۔
 توکل۔ صبر۔ شکر۔ حق پر استقامت۔ اللہ کی راہ میں جان دینا
 سخاوت اور خیرات۔ نجل اور فضول خرچی، دونوں کی حماقت اور میانہ روی
 کی ہدایت، حق و باطل، قرابت و اعدائے، غیبتوں، حسد و کینوں کے مساوات کے لئے
 مسافروں، سگلیوں، اور حاجت مندوں کی امداد، شلاعت اور غیر نیکیوں
 کے ساتھ سونک۔ امانت داری اور ایقانے وعدوں، شہد کا پورا کرنا،
 معاہدوں کو پوری کی گواہی میں نہ ڈالنا، بلکہ نیا ہوتا۔ صدفہ و جہانگیری کے
 کام اور بھلائی کی بات کرنا، کسی کو بُرا بھلا نہ کہنا، کسی کو بے چارے ہانا اور نہ
 کسی کو برے نام یا لقب سے یاد کرنا۔ آپس میں محبت برھانا۔ والدین
 کو عزت اور اطاعت۔ ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو اچھائی پور
 سلامتی کی دعا دینا۔ حق گزرتی۔ انصاف پسندی، سچی گواہی، گواہی کا
 نہ چھپانا۔ جھوٹی گواہی کی خطرناکی، نہ میرے بات کرنا، اکثر نرد چلنا،
 قلعہ جوئی۔ اتحاد و اتفاق۔ ایمانی برادری، انسانی برادری، مل جلنا
 دوزی خود کرنا۔ تجارت کی تعریف۔ گداگری کی کراہیت۔ لوگوں کو
 اچھی باتیں سکھانا اور بُری باتوں سے باز رکھنا۔ اولاد کشی۔ خود کشی
 اور کسی کی مانت جان لینے کی مذمت، یتیم کی کفالت اور امین کے مال نہ
 جانماد کی حفاظت۔ ناپ و تول میں ایمان نہ بگاڑنا۔ غصہ و نفرت چھپانا۔
 بے ضرر کی عمریات سے روکنا۔ لڑائی کی حرمت۔ مردوں اور عورتوں کا ایک
 دوسرے کو نہ ٹکنا اور نہ گاہیں نیچی رکھنا۔ کسی کے گھر میں بے اجازت داخل

تہ رکھا اور نماز کی روح کو جان بارسکیا)

قرآن مجید میں سورۃ نحر سے زیادہ نماز کی تعریف کی گئی ہے اور اس کی بجا آوری پر زور دیا گیا ہے۔ نماز میں حسنی اور کابلی بستے کو لٹا کر کھانا مت کھا ہے اور نماز ترک کرنے کو کفر کی علامت۔ بتوں کی پوجا جنات کو دہائی اور فرشتوں کی خوشامد سے باز آؤ اور اپنے مہربان پروردگار سے پھیر کر ٹھیک دین تو حیدر کی طرف کرو۔ نہ ہی قطرت اللہ ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا۔ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ الْإِنْسَانَ عَلَيْهِ اسرار اور نماز کو قافہ رکھو اور مشرکوں کے طریقے میں شامل نہ رہو۔ وَلَا تَقْبَلُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَقْرَأُوا حِينَ الْمَشْرِكِينَ۔

حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ”نماز دین کا ستون ہے، جس طرح ستون کے گر جانے سے عمارت گر جاتی ہے۔ اسی طرح نماز کے ترک کرنے سے دل کی دین داری ختم ہو جاتی ہے حیات سرور کائنات کا حصہ اول ملاحظہ کیجئے۔ طائف کے وفد نے حضرت سے گفتگو شروع کی تو کہا کہ ہم مسلمان ہوئے ہیں، یہیں نماز جہاد اور زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیجئے۔ حضرت نے جہاد اور زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیا، لیکن نماز کے متعلق فرمایا: ”جس دین میں اللہ کے ساتھ جھکنا ہو، اس دین میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔“

ایک حدیث ہے: نماز دل کی روشنی ہے۔

ایک حدیث ہے: نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے
حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات کے آخری

ی منسوخ تھے۔ اُن کے نام ”صحیفہ براہیم“ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو تحفے موجود تھے یعنی توریت، زبور اور انجیل، نزول قرآن کے بعد وہ بھی منسوخ کر دیئے گئے۔ آفتاب کے سامنے چراغوں کی روشنی کا نفوذ نہیں تھی خصوصاً جب کہ چراغوں نے تاریکیاں کر کے اپنی روشنی کمزور کر لی تھی، تاہم اس امر کا اقرار لازم ہے کہ چراغ کبھی چراغ تھے اور اللہ کے چراغ تھے۔

قرآن پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ جس جس بات کا اس میں حکم ہے اور جس جس بات کی اس میں ممانعت ہے اس کی تعمیل کروں گا، اور قرآن کے ہر بیان کو صحیح تسلیم کروں گا۔

آخرت اور جزا و سزا پر ایمان

آخرت اور جزا و سزا پر ایمان یہ ہے کہ مگر ہمارا قصہ ختم نہیں ہو جائے گا۔ ہم اچھے کام کر کے چلے ہیں تو اچھے کاموں کی ہمیں جزا ملے گی اور برے کام کر کے چلے ہیں تو برے کاموں کی سزا ملے گی اور پھر ہم مستقل زندگی پائیں گے۔

إِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِیَ الْحَيَوَانُ

دارالآخرت (کی زندگی) اصل زندگی ہے۔

(بقیہ لوٹ صفحہ ۶۵) عنایت کرے اور وہ لوگوں کو سبق دے کہ اللہ کی بیاد کے میرے بندے بن جاؤ۔ دیدارِ ابد میں جو باتیں صحیح ہیں وہ ممکن ہے اللہ ہی کی باتیں ہوں اور جو صحیح نہیں ہیں انہیں ممکن ہے انسانوں نے بدن دیا ہو۔

کسی کے مرنے سے یہ نہ سمجھو کہ جان واپس نہیں ملے گی
بعید شان کریم سے ہے کسی کہ کچھ دے کے چھین لینا
(آبر)

دنیا جس طرح بالوں کی گئی ہے، ایک دن اسی طرح آجائی جائے
گی اور دوسرے خانہ میں اللہ کے حضور پیش ہوگی۔ ہمارے اعمال ان سے
ہیں دیکھنے کے جائزہ لے سکتے، جادات، نباتات، حیوانات اور انسان
جن جن سے ہمیں سوائے پنا ہے سب موافق اور منی لفت گواہیاں دیں گے
حتیٰ کہ اپنے پروردگار اور جہنم، عذرا رکھیں گے کہ ہم سے اللہ کی مرضی کے
مطابق کام کیا یا نہیں اللہ کی مرضی کے خلاف کام کیا تھا۔

حیاتِ آخرت اور جزا و سزا کا یقین بڑی اہم چیز ہے، اس کے بغیر
صحیفوں، فرشتوں اور رسولوں پر ایمان رکھنے کے کچھ معنی نہیں ہیں، بلکہ
اللہ پر ایمان رکھنا بھی بے معنی ہے، اگر اللہ کے پاس واپس جانے کا یقین
نہیں ہے۔ ایمان اور عملِ صالح کی بنیاد یہی حیاتِ آخرت اور جزا و سزا
کا یقین ہے۔

اہلِ شرک کی عقل میں کوئی بات نہیں سمجھتی تو وہ توحید کے بعد
حیاتِ آخرت ہی ہے۔ یہ دو چیزیں سمجھ میں آجائیں تو کچھ صحیفوں
فرشتوں اور رسولوں کا ماننا دشوار نہ رہے۔

لے بعض اہل کتاب کو عقیدہ ہے کہ جہاں دنیا میں مل جاتی ہے۔ یقین دنیا
میں تو ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ عموماً یہ کونہیں کی فلسفہ بجاتے ہیں اور نہ کوہ
تکلیفیں دیتے ہیں۔ پھر دنیا جزا و سزا کی عین کیوں کر ہوگی؟

الصلوة ومن خسر نكته. اسے یزید و گیارہ سمجھا اور میری

نسب کو نظام سداۃ قائم کرنے والا بنا۔

حضرت انصاری اپنے اہل عیال کو نماز کا حکم فرمایا کرتے تھے

يَا مَعْزُ أَهْلَكُمُ يَا مَعْزُ أَهْلَكُمُ -

معتز شیعہ کلمات کی قوم نے نماز میں کھڑے دیا تھا کہ مَعَزُ

يَا مَعْزُ أَهْلَكُمُ کلمہ کہنا چاہیے یا نہ کہنا۔ کیا تھا یہ مسئلہ

شیعہوں پر بھی مسلط رہا ہے کہ ہمارے باپ دادا جیسے پر جتنے کلمے ہیں ہم اسے

چھوڑ دیتے۔

جس وقت میری رائے کہ آیا کہ میری (یعنی اللہ کی بارگاہ کے لئے نماز

پڑھو۔ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي - پڑھو قائم بیعتی

حضرت زکریا کی نسبت فرمایا ہے: تَرَهُ قَائِمٌ بِبَيْعَتِي

فِي الْكُتُبِ وَأَمِيرٌ وَهُوَ حَرَبٌ فِي كُتْرٍ نَازٍ پڑھ رہے تھے۔

معتزہ عسائی کے الفاظ ہیں۔ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ - اللہ نے

مجھے نرز کا امر کیا ہے۔

غرض نماز نئی چیز نہیں ہے لیکن حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم جب تشریف لائے ہیں تو نماز کی موعدا نہ شان میں چکی تھی۔

سجدہ جو نماز کی جان ہے قطعی ترک کر دیا گیا تھا۔ سورہ مریم میں انبیاء

کا نام سام ذکر کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَكَلَّمْنَا بَنِي إِدْرِيسَ

كَلَّمْنَا أَصْحَابَ الصَّلَاةِ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ - ان کے بعد

ان کی جگہ ایسے لوگوں نے لی جنہوں نے نمانہ کو برباد کر ڈالا، اور اپنی

خواہشات کی پیروی کی (اپنی من مانی کی۔ نماز کی حقیقت سے واسطہ

[illegible]

انسان انسان کی تعظیم کرنی چاہتا ہے تو اسے دیکھ کر کہتا ہو جاتا ہے نمازیں قیام وہی تعظیم ہے۔ ہم اللہ کو اپنے رب مقرر کر چکے ہیں، یا کہم، دلم یہ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ ہمارے رب ہے۔ ہم اللہ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر اس کی کبریائی اور اس کا جلال ہم پر چھتا ہے تو اس کے آگے جھک جاتے ہیں اور بالآخر اپنی عاجزی اور اپنا تذلل محسوس کر کے اس کے قدموں پر سر رکھ دیتے ہیں۔ کس قدر فطرت کے مطابق ہیں۔ نماز کی حرکتیں اور کتنا تال میل ہے ان حرکتوں اور ان دعاؤں میں جو نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ دعاؤں اور حرکتوں سے انسان عرض و انتجا اور تذلل و عاجزی کی تصویر بن جاتا ہے۔

روح اور جسم دونوں اللہ کے مخلوق ہیں۔ انسانی زندگی کے

جس طرح افراد مرتے ہیں یا قومیں مرقی ہیں اور کوئی حقیقت کا
 انکا رہنمائی کرتا ہے اسی طرح دنیا کی پوری بساط کے لئے اللہ کا بھی ایسا سب کو

انہ جوں قدر میں مراکتی ہیں اور کوئی باخبر اس حقیقت کا منکر نہیں ہے،
بی۔ اسیری۔ اکادہ۔ اب کہنا ہیں، یونانی اور رومی جو کچھ دنیا کے تنہا
مالک تھے کیا وہ یہی آج کل کے یونانی و رومی ہیں۔ نارمن جیسے فاتح
کیا ہوئے۔ مجوس بنو صدیقیوں رومیوں سے برس بیکار رہے: ان کی
تہذیب رکتی باقی ہے۔ اَللّٰهُمَّ يَا كَلِمُ كَبُوَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ
قَوْمٌ كَفُوجٌ وَ عَادٌ وَ ثَمُودٌ وَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِ
هَمُوطٌ لَا يَعْذَرُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ط کیا تمہیں ان لوگوں کے حالات
دو قعات کی اطلاع تھیں پہنچی جو تم سے قبل (گزر چکے) ہیں (مثلاً)
قیم نوع و عاد و ثمود کی اطلاع (ماد و ثمود ایک زمانے میں عراق و شام و مصر
عرب پر چھائے ہوئے تھے) اور ان لوگوں کی جہان کے بعد (گزرے)
ہیں۔ ان (کے تفصیلی حالات) کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

قومیں جب قوانینِ الہی کی جن کا قوموں کی عظمت و بقا سے تعلق ہے
حرف درازی کرتی ہیں تو رعایتی ہیں اور نسبتاً منسلک ہو جاتی ہیں۔ دور کیوں
جائیے۔ ہندوستان کے قدیم مانگوں (گوٹ بھیلوں وغیرہ) اور ہندوستان کے
مسلمان بادشاہوں کی اولاد کو دیکھ لیجئے۔ قوموں کا مرنا یہی ہے کہ ان کا
حال گوٹوں اور بھیلوں اور تعلقوں اور خلیجوں جیسا ہو جائے۔ تعلقوں
اور خلیجوں اور مغلوں کی اولاد کہیں موجود بھی ہے تو اسے کوئی اہمیت
نہیں ہے۔ تعلق بھی کو س لمن الملوک بچتے تھے یا تعلقوں کی اولاد
(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶ پر)

اقرار ہے، حقیقت اہل مذہب میں محدود نہیں رہی ہے۔ اہل سائنس نے بھی مان لیا ہے کہ آفتاب کی گرمی کم ہوتی جاتی ہے، اور ایک دن نظامِ ہم کا یہ اجن گرمی بالکل کھو دے گا اور نظامِ درہم برہم ہو جائے گا۔ نیز سیارے روز بروز کھینچے چلے آتے ہیں اور ایک دن آپس میں ٹکرائے والے ہیں اور ٹکرا کر مٹنے والے ہیں۔ اسلام نے اسی دن کو یَوْمَ الْقِيَامَةِ (مردوں کے کھڑے ہونے کا دن) - یَوْمَ مَعْلُومٍ - معلوم دن یا مَعْرُوم دن - اَلْيَوْمَ اَلْمَوْعُودِ - موعودہ دن - یَوْمَ عَسِيرٍ - سخت دن - یَوْمَ الْاِزْفَادِ - قریبی عیب کا دن - یَوْمَ لَا كَيْفَ فِيهِ وہ دن جس کے واقع ہونے میں شبہ نہیں ہے وغیرہ وغیرہ کہا ہے اور اس دن کا بہت ہولناک نقشہ عطا ہے - یَوْمَ يَعْصِي الظَّالِمُ

لوٹ بقیہ صفحہ ۷۷ کے متعلق مشہور ہے کہ اب گھاس کھودتے ہیں، اور دلی کی شہر پنڈا کے باہر اسے بیچ جلتے ہیں۔ شہر میں مار بے غیرت کے نہیں گھستے تنق آباد کے کھنڈ رات ہی میں زندگی گزار رہے ہیں۔

جس طرح قوموں کی تاریخ سے بے خبر عوام صرف افول کا مرنا جانتے ہیں قوموں کا مرنا نہیں جانتے اسی طرح جن کے سامنے پیدائشی دنیا کی تاریخ نہیں وہ دنیا کے فنا ہونے کا ذکر حیرت و استعجاب سے سنتے ہیں اور قیامت کے بعد جی اٹھنے پر لقمان کے تعجب کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ قَالَ مَتَىٰ يَأْتِي الْعِظَامُ وَ هِيَ كَرِيمَةٌ قُلْ يَعْبَهُمُ اللَّهُ عَمَّا هُمْ أَتَشَاهَا أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ لَكِنَّا قُلْ هِيَ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ گلی مٹری ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔ کہہ دو کہ وہی جس نے پہلی بار پیدا کیا تھا ایک مختصر اور شکستہ جواب ہے۔

ہے۔ رَجَالٌ لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَتُهُمْ وَلَا بَيْعُهُمْ شَيْئًا ذِكْرَ اللَّهِ۔
ایسے لوگ جنہیں تجارتی کاروبار اور خرید و فروخت کے مشاغل اٹھانے اور
سے غافل نہیں کرتے۔

اسلام نے عبادت کی دو قسمیں رکھی ہیں۔ ایک۔ اتم سیدھے و تہلیل اور
ذکر الہی، اس کے لئے نہ زلنے کی قید ہے، نہ مکان کی شرط ہے۔ نہ
اٹھنے بیٹھنے کی پابندی ہے۔ یہ عبادت ہر فقیر و شرط کے بغیر ہر جگہ
اور ہر صورت میں انجام پاسکتی ہے۔ دوسری قسم عبادت کا وہ ہے جو عبادت
شکل و صورت کے ساتھ، خاص اوقات میں ادا کی جائے۔ ایسا طرز
عبادت انفرادی ہے۔ اُسے جماعتی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ وہ تنہائی
کارزار ہے، پس کو اس طرح نہ موشی سے ادا کرنا چاہئے کہ ریا، اور
ناگش کا شائبہ نہ پیدا ہو۔ دوسری قسم کی عبادت جماعتی اور متحدہ
طریق کی عبادت ہے۔ اس کو جماعت میں شامل ہو کر ادا کرنا چاہئے
پہلی قسم کی عبادت فرض نہیں ہے، دوسری قسم کی عبادت فرض ہے
اسے ادا نہ کرنے پر عاقبت میں بھی سزا ملے گی اور دنیا میں بھی سزا مل
سکتی ہے۔ اُسے جماعت کے ساتھ ادا نہ کیا جائے تو ثواب کھٹ
جاتا ہے۔

نماز کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان کعبۃ اللہ
کی سمت رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ ذرا تصور کیجئے۔ نماز کے واسطے
کوئی سمت مقرر نہ ہوتی اور مسلمان جس سمت چاہتے رخ کر کے نماز پڑھ
لیا کرتے کسی کا رخ مغرب کی سمت رہتا کسی کا مشرق کی سمت اور کوئی
شمال کی سمت رخ کرتا اور کوئی جنوب کی سمت تو کیسا بھونڈا منظر

اسلام کے پورے نظام کی بڑی نماز یا جماعت ہے۔ زکوٰۃ اسی نظام کی کرنسی ہے۔ ایسی کرنسی جسے نماز کے برابر کا درجہ حاصل ہے۔ زکوٰۃ نماز کی طرح دین اسلام ہے۔ توحید کے بعد پہلا رکن نماز دو سوا رکن زکوٰۃ۔ قرآن مجید میں صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی تائید یا نکل جڑواں کی گئی ہے جہاں صلوٰۃ کا ذکر آتا ہے وہیں فوراً زکوٰۃ کا ذکر آ جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ نماز سب کو پڑھنی پڑتی ہے، زکوٰۃ سے مفکوہ یا محال (غنیس) ہیں۔ یا نماز امتداد کا قیاس ہے اور زکوٰۃ بندوں کا حق یا امتداد تسلیم اسلام کی روحانی بنیاد ہے اور زکوٰۃ مادی بنیاد۔ نماز یا جماعت کا امتداد نظام برکت قائم کرنا ہے اور زکوٰۃ کا مقصد نظام جماعت کے قیام کے واسطے سرمایہ جمع پونجی کرنا۔

زکوٰۃ دولت، کر، خاص، مفدا رکنج، بسندہ زکوٰۃ ہے۔ عظمت، ان کی امداد، رفعت، و ہجود کے کاموں میں۔ رت کی بنیاد ہے۔ زکوٰۃ لیکر رہے۔ مگر آمدنی کو لیکر نہیں۔ آمدنی کا ٹیکس یعنی انکم ٹیکس کسی کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتا ہے اور کسی کو دھوکا پائی سکتا ہے۔ زکوٰۃ بچت کا ٹیکس ہے۔ آپ کی آمدنی ہزار روپے یا ہزار ہو۔ لیکن جائیداد آخر اجرت کر کے بچانے کی تربیت اور کوشش کے یا موجودہ سال کے خاتمہ پر اتنا روپیہ آپ

لے لے کر اے سے پہلے، جب میں دینی میں تھا تو ایک، بہت بڑی دولت کے متعلق تھا کہ انھوں نے پانچ ہزار روپے ماہوار کا ایک ماہوار انکم ٹیکس نہ کر کے بچھڑا ہے، یہ ایسی ٹیکس بتاتا رہتا ہے کہ اسے پورا ٹیکس نہیں دینا پڑتا۔ انکم ٹیکس بچانے کے لئے حساب دکھانا تو عام بات ہے۔

بلکہ دنیا میں توبے غیرت افراد اور ڈھیٹ قوموں کو ندامت نہیں بھی ہوتی اور خمیازہ بھگتتے وقت بن کا خیال اپنے قصصروں کی طرف نہیں جاتا لیکن قیامت کے دن یہ بات نہیں ہے گی۔ احتیاس بے حد بڑھ جائے گا۔

ایمان کی بابت اس مختصر مضمون میں کافی لکھ دیا گیا۔ ویسے تو ایمان پر پوری کتاب لکھی جاسکتی ہے مگر مجھے ایمان کے صرف اصولوں کی تشریح کرنی تھی۔ اب میں عمل صالح کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ عمل صالح کہتے ہیں اس عمل کو جو اللہ کے احکام اور قوانین کے مطابق خالص اللہ کی خوشنودی کے لئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں کیا جائے۔ جس کے بغیر ایمان تسلیم نما انکار سا رہتا ہے۔

بہ پیش نظر برساں خویش را کہ دین ہمہ دوست
اگر با او نہ رشتہ سیدی تمام بود ہیست

نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج ایسے عمل ہیں جن سے مسلمان پہچانا جاتا ہے اور جن کا پابند بننے سے باقی اچھے اعمال کو کرنے اور برے اعمال کو چھوڑنے کی توفیق ملتی ہے، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج چاروں کو نام کاملہ توحید کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ رکنہ توحید بھی رکن اسلام ہے اور نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج بھی رکن اسلام ہے۔ اور آپ پڑھائے ہیں کہ اللہ کے ہاں ایمان کے بغیر اچھے سے اچھے عمل کی کوئی قیمت نہیں ہے، اسی طرح نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کے بغیر دوسرے اعمال خیر جھوٹے رہتے ہیں۔ دوسرے اعمال صحیح ذکر پر پڑتے

جب ہی ہیں جب ارکان اسلام کی منزل طے کر لی جاتی ہے۔ جو لوگ اپنے دوسرے اعمال پر قابو پاتے نہیں دکھائی دیتے وہ اگر نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کے پابند ہیں بھی تو بس رسماً پابند ہیں۔ حقیقتاً پابند نہیں ہیں۔ ناز و نبوتی چاہے جس کی صفت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ۔ نماز فوجش اور ممنوعات سے باز رکھتی ہے۔ علیٰ ہذا زکوٰۃ کی ادائیگی میں انکم ٹیکس پلانے کی سی ذمیت، روزے میں فقط فاقہ بین اور حج میں سونا وغیرہ چھپا کر لانے کا خیال ہو تو اس کے معنی ارکان کی بجا آوری کے نہیں ہیں، انہیں بدنام کرنے کے ہیں۔

ارکان کے بعد نمبر جہاد کا ہے۔ جہاد ارکان میں شامل نہیں ہے، لیکن ارکان سے مشابہ ہے۔ میں حیات سرور کائنات! حصہ سوم میں نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد سب پر ایک ایک مضامین لکھوں گا اس مضمون میں مجھے ان اعمال کی طرف توجہ دلائی ہے جن کا تعلق اللہ کے بندوں سے ہے جنہیں معاملات اور حقوق العباد کہا جاتا ہے، اور جنہیں بندے ہی معاف کر سکتے ہیں۔ اللہ معاف نہیں کرتا۔

حقوق اللہ کی تعمیل اگر ہمارے مسلمان ہونے کی نشانی ہے، تو حقوق العباد وہ اہم شے ہیں جن سے پہلے پروا ہی نہ دیکھ کر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے پرواہ مسلمان سے عموماً فرما دیا کرتے تھے کہ تم نے اپنے تمکین نہیں بدلا تو ہم تمہیں اپنی میں نہیں شمار کریں گے (اَوْ لَمْ تَكُنْ)۔ مسلمانوں کے معاملات ہی تھے جنہوں نے کبھی ساری دنیا کو مسلمانوں کا گرویدہ کر دیا تھا، اور جن کی وجہ سے ساری دنیا میں

کام ایک بڑا فائدہ نظام جماعت قائم کرنا ہے۔

مہ مشہور ہے کہ مساجد میں دنیا کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ ان باتوں سے مراد وہ باتیں ہیں جو قرآن و سنت کے خلاف ہوں۔ سوئے کا تو ترجمان دین ہوتا ہے۔ اسلام نے دین و دنیا کی تفریق نہیں رکھی ہے۔ دنیا کا بھی استعنا ہے دین سے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین نے زمانے میں زندگی کے تمام مسائل مسجد کے اندر طے پاتے تھے۔ عینا سب شہر کی مسجد کے اندر منعقد جاتی تھیں۔ ایک بار فریضے سیرہ شریعت نامہ لکھا تھا۔ کھڑکے وقت اگر مسجد میں کھڑے تھے۔

جتنی باتوں کو منع کرنے والوں نے منع کیا ہے وہ صرف مسجد کے اندر نہیں، مسجد کے باہر بھی منع ہیں۔ لہو و لعب اور رنگ رلیوں کی باتیں مسجد میں ہرگز مست کیجئے۔ لیکن مسجدوں کو محض نماز و اعتکافات کے لئے محدود نہیں رہ سکتے۔ در مسجدوں کو کھورے سے کھوا ملانے کے ساتھ دل سے دل ملائے کے کام میں ضرور لائیے۔ بغیر اس کے سبب پلائی ہوئی دیوار بننا محال ہے۔

مسجدوں میں مکتب اور مدرسے قائم کئے جاسکتے ہیں۔ مسجدوں کے ذریعے بغیر روپیہ خرچ کئے، میونسپلٹیوں، اسمبلیوں اور پارلیمنٹ کی ایکشن ہو سکتا ہے۔ مسجدوں سے کام لیجئے۔ مسجدیں دوڑھائی گھنٹوں کے سوا اسلئے وقت بے مصرف رہتی ہیں۔

زندگی کے مسائل کو نمازوں کا خمیہ اور تہمت بنائیے۔ خصوصاً قریباً ہر نماز کے بعد زندگی کے مسائل لے کر بیٹھا کرتے تھے۔ مائرسوں اور الیکشنوں کے درمیان کے جملہ مسائل مساجد کے اندر غیب حل ہو سکتے ہیں۔

چاہنا زکوٰۃ کا روح ۔
 کہ میں یہی بقیہ تحت کا کام تھا کہ شکستہ حالی اور غربت اور سبکی
 پریشانی اور پستی سب کی کے باوجود کسی بھوکے کو کھانا کھلا دیا یہ سب سے اعلیٰ
 تعالیٰ ان کی تعریف کرتا ہے :

وَيُطَيِّبُنَا ۖ وَالطَّعَامَ عَلٰى حَبِيبَتٍ
 وَيُتَذَيِّنُ ۖ قَرَّاسِيْرًا ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ
 رُوحِہٖ الشَّرِیْفِ ۖ رُحْمٰہُ مَبْنُوۃٌ ۖ وَكَوْاۡشِہٖ سُوْرًا ۝

وہ خود بھوکے رستے ہیں اور محتاج بیتہ اور قیدی کو کھانا کھلا دیتے ہیں ۔
 (اور جب کھانے والا ان کا تسکیر ادا کرتا ہے تو کہتے ہیں، بکاشیوں
 ہم نے تو) (خالص) اللہ کی رضا جوئی کے واسطے کھانا کھلایا ہے ہم
 تم سے شکریے اور پرے کے طلب گار نہیں ہیں ۔
 ہم نفع مکہ سے قبل زکوٰۃ کی تنظیم کا موقع نہیں آیا تھا۔ رمضان
 شہ ہجری میں مکہ فتح ہوا اور اسلام سارے ملک عرب پر چھا گیا۔
 تب یہ حکم ملا :

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ
 وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا ۔

(اے رسول!) ان کے مالوں میں سے زکوٰۃ لو تاکہ اس کے ذریعے سے
 تم انہیں (گناہوں اور مال کے میل کچیل سے) پاک کر سکو۔
 چنانچہ محرم ۱۰ھ ہجری میں بیت المال کھلا اور زکوٰۃ کے محض
 مقرر کئے گئے اور زکوٰۃ کے قوانین مرتب کر دیے گئے۔ سورہ براءت میں
 جو شہ ہجری میں اُتری تھی زکوٰۃ کے اصولی قوانین و احکام موعود ہیں۔

دوسرا متہارے ساتھ کھانا بار نہ سمجھے ” کھائیے ، کھائیے “ کہلوانا بھی
 اچھی بات نہیں ہے ، اور کم خوری کا مظاہرہ کرنے کے لئے عادت سے
 کم کھانا ریا اور گناہ ہے ۔ کم کھانا یا تمیز سے کھانا مجلس کے ساتھ مخصوص
 نہ رکھا جائے ۔ تنہائی میں اس کی عادت ڈالنی چاہئے ، کھانے وقت
 نگاہ اونچی رہے ۔ دوسروں کو ہلکا بڑا ہے ۔ مجلس میں بزرگ ترین شخص کا
 ہاتھ جب کھانے سے اُٹکے تو تم بھی ہاتھ روک لو ، اس سے پہلے مت
 روکو ۔ کم خور انسان سست رفتار سے کھائے تاکہ سب کا ساتھ
 بیاہ سکے ۔ لقمہ دانت سے کاٹ کر آدھا کھالینا اور آدھا نگاون میں
 ڈال دینا قطعی منع ہے ۔ کسی مکروہ اور نفرت انگیز شے کا تذکرہ
 دسترخوان پر نہ آنا چاہئے ۔ ہشت یا سلفی میں ہاتھ دھوئے جائیں ،
 اور کئی اس طرح کی جائے کہ لوگ دیکھ نہ سکیں ، اول بڑے بوڑھوں
 اور واجب التعمیم حضرات کو ہاتھ دھولینے دئے جائیں ۔ حاضرین
 جس سے پہلے کئے کہ کہیں وہ انکار و اصرار میں وقت نہ کھائے ، کھانے
 کے اوقات میں کسی کے ہاں نہیں جانا چاہئے ۔ بن بلائے ایسے شخص کا جہان
 بننا جس سے غیر معمولی تعلق نہ ہو فسق ہے ۔ دوستوں کو کھلانا بڑی
 خرابی ہے ۔ ماں باپ کے کھلانے کا حساب لیا جائے گا ۔ دوستوں کے
 کھلانے کا حساب نہیں لیا جائے گا ۔ کھانا کھلانے والا کھانیواری کا احسان نہ مگر کھانیواری
 کھانیواری پر اپنا احسان نہ خیال کرے ۔ زبان میزبان کو انتظار نہ کرائیں وغیرہ وغیرہ
 یہ مجلس میں بیٹھ کر کھانا کھانے کے سبب نہیں جہد آداب ہیں ،
 حیرت ہوتی ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی سادہ
 ہی سبق پڑھا دئے ہیں جن آداب طعام کی تنہائی اور مجلس دونوں

جگہ پابندی ضروری ہے وہ میں نے قطعی نہیں بیان کئے۔ ان کے بیان کا موقع نہیں ہے۔ اب اصل چیز کی طرف آنا چاہئے۔

روزہ کمانے کے بارے میں اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ روزی اس طرح کماؤ کہ دوسروں کا پیٹ نہ کٹے اور دوسروں کی روزی کا خون نہ ہو، ویسے روزی کمانا بے حد مستحسن فعل ہے۔ ایک دن بعد نماز فجر حضور پروردگار ﷺ کا کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تشریف فرما تھے، کوئی نوجوان سامنے سے گزرا اور کسی دکان میں گھس گیا صحابہ نے کہا، کیسا آدمی ہے، یہاں نہیں آیا حضورؐ کے فیض صحبت سے محروم رہا جا رہا ہے، حضورؐ نے فرمایا ”خیر دار! یہ دکان میں اگر اس نیت سے داخل ہوا ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو لوگوں کی خیرات سے بے نیاز رکھے تو اسے نیکی اور اللہ کے حکم کی تعمیل سمجھو، جو شخص حلال روزی کمانے اور غیر اللہ کا محتاج نہ بنے اور پھر اپنی کمائی ہمسایوں اور غریبوں پر صرف کرے اس کا چہرہ قیامت میں چودھویں رات کی طرح چمکے گا۔ اللہ تعالیٰ مومن کا سب کو پسند کرتا ہے، سچائی اور دیانت داری سے روزی کمانے والے کا حشر صدیقیوں اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا، حلال کاموں میں بہترین حلال کام روزی کمانا ہے۔ جو انسان اپنے واسطے ایک دفعہ بھیک کا دروازہ کھول لیتا ہے اس کے واسطے محتاجی کے سردرواز سے کھل جاتے ہیں۔ اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو محتاجی سے بچانا اور کسب حلال کرنا بھی جہاد ہے، تجارت کرو۔ دس میں سے نو حصہ رزق کا ذریعہ تجارت ہے ”خیر دار“ سے ”تجارت ہے“ تک ایک حدیث نہیں ہے۔ کئی حدیثوں کو یک جا کر دیا گیا ہے۔

نعمادے صرف کر دیا کریں گے تو شریعت، محمدی کے شناسائے راز نے ان کی یہ پتھر پتھریوں بنیں گی، اور انہیں بزور مجبور کیا کہ زکوٰۃ بیت المال میں داخل کریں۔ قبیلہ کی تجویز مان لی جاتی تو اسلام کی وحدت کا سرشتہ اسی وقت پارہ پارہ اور مسلمانوں کی امامت و جماعت کا نظام اسی وقت درہم برہم ہو جاتا۔

انغرض زکوٰۃ یا دوسرے اغانا میں غریبوں کی چار دگری مسکینوں کی دست گیری، مسافروں کے امداد، یتیموں کے سرپرستی، بیواؤں کی نصرت غلاموں اور قیدیوں کی رہائی کا، مہتمم پڑی، ہم، ہدایت سے۔ کماش زکوٰۃ بیت المال میں جمع ہوا وہ ایمان دار سے خرچ کی جائے۔

اسلام کا خلاصہ یہی دو لفظ ہیں، صلوٰۃ اور زکوٰۃ۔ اس کا حق اور بندوں کا حق۔ جس طرح نماز کا آغاز اسلام کے ساتھ ساتھ ہوا، اسی طرح زکوٰۃ کا آغاز اسلام کے ساتھ ساتھ ہوا۔ شروع میں نماز کی بھی تعیین یہ شکل نہیں تھی جو مدینہ منورہ پہنچ کر اور رفتہ رفتہ بنی۔ اور شروع میں زکوٰۃ کا بھی یہ نظم نہیں تھا جو فتح مکہ کے بعد اختیار کیا گیا۔ لیکن مالی خیرات کی ترغیب اور ادائیگی نماز کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑا۔ سورۃ مدثر شروع کرنے کی سورۃ ہے اُسے پڑھئے۔ ارشاد ہے: وَرَبُّكَ فَكَتَبَ... وَلَا كُنتُمْ مِّنْ مُّسْتَكْبِرِينَ اپنے پروردگار کو تعظیم سے یاد کرو۔... اور کسی پر اس طرح احسان مت کرو کہ (ایک وقت تو احسان کرو، اور دوسرے وقت) زیادہ بدلہ چاہو۔

ابتداءً اسلام میں زکوٰۃ کے معنی محض خیرات تھے۔ پروردگار کو ایک سوئی اور تعظیم سے یاد کرنا نماز کی روح ہے اور احسان کر کے بدلہ نہ

وَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ
لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ قَفْ ذَالِقُوا لِيَدِيْهِمْ أَحْسَانًا۔

دیار کردہ وقت، جب پہلے (اجلاؤ) بنی اسرائیل سے اقرار لیا گیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہنا قرآن مجید میں متعدد آیاتیں اور ہم جن سے ماں باپ کے درجے اور

مذہب کا پتہ چلتا ہے۔ اے دو زمین عربی بھی سن لیجئے، حضورؐ نے فرمایا ہے: ”تم پر اللہ نے ماؤں کی نافرمانی حرام کر دی ہے“ ایک دفعہ فرمایا: ”جانتے ہو، سب سے بڑے گناہ کیا ہیں۔ ایک اللہ کے ساتھ شریک کرنا۔ دوسرے ماں باپ کی نافرمانی“ حضورؐ فرمایا: ”ایک اللہ ہی ہے۔ یہاں تک کہ ہم کہہ سکیں: ”یہ اللہ ہی ہے“ اور فرمایا: ”تیسرا بڑا گناہ جھوٹی گواہی، یہاں جھوٹا گواہی۔“

بیوی اور والدین کے درمیان اختلاف ہو جائے تو اسلام والہانہ کی اطاعت کا مشورہ دیتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہو ہونے کی بنا پر مشورہ دیتے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بیوی پسند نہیں تھیں۔ لیکن حضورؐ کے احکامات کی اطاعت ضروری تھی۔ انہیں مشورہ دیا کہ آپؐ کی اطاعت کریں۔

اولاد اور اسلام

ماں باپ کے حقوق دوسرے مذاہب میں بھی بتائے گئے ہیں۔ اسلام نے بس ماں باپ کے بعض حقوق کو طرہ دیا ہے اور بعض کو گھٹایا ہے اور بعض کو حذف بھی کیا ہے۔ مثلاً تورات میں لکھا کہ جو شخص اپنے ماں باپ پر لعنت بھیجے وہ واجب القتل ہے۔ اسلام اس گناہ کی سزا یہاں نہیں دلواتا۔ مرنے کے بعد اس کی سزا ملے گی جس کا مطلب یہ ہوا کہ تو یہ واسطہ ختم ہوا اس کی تلافی ممکن ہے۔

ماں باپ کے حقوق دوسرے مذاہب بھی عاید کرتے ہیں۔ لیکن اولاد کے حقوق کا دوسرے مذاہب میں پتہ نہیں چلتا۔ یا دوسرے مذاہب کی موجود کتابیں اولاد کے حقوق سے خالی ہیں اور اسلام غالباً سب مذاہب ہے جس نے اولاد کے حقوق کی بنیاد رکھی ہے۔

اسلام سے قبل ماں باپ کو اولاد پر غیر محدود اختیارات حاصل تھے مگر اولاد کا ماں باپ پر کوئی حق تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ اسلام نے حقوق کے معاملے میں چھپے بڑے اور خرد و بزرگ کی تفریق نہیں کیا۔

حضور سرور کا نزول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: کیسے جنت
 میں نہ تو بچے نہ عورتیں نہ بزرگستان نہ جوانی نہ بزرگستان نہ جوانی نہ بزرگستان نہ جوانی نہ
 شہنت اور بڑی دنیا کی تفریق نہیں کرتا وہ ہمیں سے نہیں ہے۔ کیا
 جامع ارشاد ہے۔ اسے مارا باپ اور اولاد کے لیے معیار نہ سمجھے، کہنے
 کے چھوٹے بڑوں۔ نوروز اور آٹوں کا تختوں اور آٹوں کے پیش نظر
 بھی ہر وقت ہی ارشاد ہے تو کسی نوع کی ناگواری اور آرزو کی پیروی نہ
 ہونے پائے گی "حکموں اور عقلمندیوں کے بنائے ہوئے نظم و انتظام کے
 سارے مشرک و مشفقانہ اور قاعدوں کا دفتر جو ہم نہیں کر سکتا وہ
 نبی اُمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ دو مختصر اور سادہ جملے بڑی خوبی سے
 انجام دے سکتے ہیں، اور دیکھتے ہیں کہ

اولاد کا پہلا حق یہ ہے کہ اسلام حل نہ ہو نہ دینے اور حل نہ دینے
 (حل اور اسقاط) دونوں کو اچھا نہیں کہتا اور پیرا ہو جانے کے بعد نہ مانا
 یا خسر بننے کی عاریات تک دستی وغیرہ کی وجہ سے اسے مار ڈالنے کو گناہ
 کبیرہ قرار دیتا ہے۔

"رومتہ الکبریٰ کے عظیم الشان متمدن قانون میں اولاد کو ہرگز نہ
 کا باپ ٹھیکہ مختار تھا۔ رومتہ الکبریٰ میں اولاد کے قتل کی باز پرس نہیں کی
 جاتی تھی اور اولاد کو کئی کا عطانیہ کثرت سے رواج تھا۔ ہندوستان کے لوگ
 بیواؤں کی "مستی" کی صورت میں اور لڑائیوں کے وقت "جوہر" کے
 نام سے اور دیوی، دیوتاؤں اور بتوں کی خوشی کی خاطر اولاد کی جانیں
 لیے رہتے تھے، اور عرب کے مشرک تو لڑکی کی پہلی شادی کو بھی عار جانتے
 تھے اور لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا ان کے نزدیک نہایت شرافت منجھل

تھا اور فقر و فاقہ کے ڈر سے لڑکوں کو بھی مار بیٹھتے تھے۔

زندہ دفن کی جانے والی ایک ایک لڑکی سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا **بَايَا ذُنُوبِي قَتَلْتَنِي ۝** (اے بے قصور!) تجھے کس قصور نے مار پاداش میں قتل کیا گیا تھا۔ (سوال تحقیقاً کر کے دانا یا سہ ہوگا۔) فقر و فاقہ کے ڈر سے اور دُکوت کے ڈر سے دُکوت کو اللہ تعالیٰ نے مار

مجھ دیا ہے، ہمارا مجبورہ نظامِ معاش ساختہ مار کر رہ گیا ہے بڑے بڑے قوانین پر چلو۔ فقر و فاقہ، بیکار نہیں رہے تھے۔ فقر و فاقہ کا علاج پیدائش سے قبل یا پیدائش کے بعد اولاد کو مار ڈالنا نہیں ہے۔ رازق تو ہم ہیں لاکھ لاکھ **اِنَّكُمْ شَيْئَةٌ اَصْلَاقِي ۝ كَرُمٌ قَتَلْتُمْ وَاَنَا كَرِيمٌ ط اِنَّكُمْ لَكَاكُم بِمَاتَ خِطَاٌ كَسَبْتُمْ ۝** اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے ڈر سے مار ڈالو کرو۔ انہیں روزی دینے والے ہم ہیں (اور ہمیں کیا خوف نہیں (اور میرے کو) ہم روزی دیتے ہیں۔ اولاد کا قتل ہے سببِ بڑا گناہ ہے **قَتَلَ نَحْسِي الدِّينَ قَتَلْتُمْ اَوْ لَا دَعْتُمْ لِمَسْئَلِهِ اَوْ خَيْرٌ سُبْحَانَ يَتَقَبَّلُ اَنْ نُّوَكُوں نَے قصصان اٹھایا جینہوں نے جانے بغیر کہہ اپنا کام کر رہے ہیں یا برا محض، حناقت سے اپنی اولاد کو مار ڈالا۔ اللہ کی زمین میں اللہ کی بے شمار نعمتیں اچھوپنا ہاں ہیں۔ انہیں نکالو اور انہیں انصاف کے ساتھ تقسیم کرو۔**

روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میری ایک بیٹی تھی۔ میں اُسے جب بھی بلاتا تھا وہ دور کر آتی تھی۔ ایک روز میں نے اُس سے کہا کہ میرے ساتھ چلو، چنانچہ ہم دونوں ایک کنوئیں کے پاس پہنچے اور

میں نے اُسے نور میں جھسیل دیا۔ (بالکھو وہ آیا آیا پکارتی رہی اور
میں اُس کا آتا ہوا کہ نہ سنت رہا۔ حضورؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے
مناظرین میں سے کسی نے بیٹی کے نقائص کو ڈانٹ کر کہا کہ امیر کے لئے یہ کیا موقع
تھا۔ تو نے حضورؐ کا خوب مذاق دیا۔ دیکھا یا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ نہیں نہیں۔
مست و انتہ۔ میں پر جو بیوہ پڑتی ہے یہ اُس کا علاج پوچھنا بجا نہیں ہے
پھر حضورؐ بیٹی کے پاس سے مخاطب ہوئے اور فرمایا۔ ہاں میاں! اقم اپنا
واقعہ دنیا۔ سنو۔ اُس نے دوبارہ عرض کر دیا۔ حضورؐ نے ریش میاں کو
دو تے دئے اور اُس فور سے پھٹک گئی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ فیہ جار۔ بی بیٹ
کے گناہ اسلام کے بعد معاف ہو چکے۔ تم نے مسرت سے نرمی
شروع کرو۔

صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: جو شخص درہم تک کی
بھی پرورش کرے۔ ان تک کہ سنِ تمیز کو پہنچ جائیں تو میرا اور اُس
کا اس طرح ساتھ ہوگا جس طرح یہ دو انگلیاں برابر ہیں (حضورؐ نے دو
انگلیاں اونچی کر کے دکھائیں۔)

اولاد کے قتل میں عورتیں مردوں سے پیچھے نہیں تھیں۔ اس لئے علیؑ
کے بعد حکم نازل ہوا کہ آئندہ جو عورتیں ایمان لائیں ان سے یہ عہد بھی لیا جائے
کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کیا کریں گی۔ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ
اور مردوں سے تو حضورؐ قبل ہجرت ہی منوا چکے تھے۔ یتیم کے چند حضرات
نے جب مکہ اگر بیعت کی ہے، جسے بیعت عقبہ کہتے ہیں تو بیعت فی ایک
وقعہ یہ بھی تھی کہ اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔

اولاد کا دوسرا حق یہ ہے کہ اُس کی نشوونما کی جائے۔ جب تک اولاد

خود کلمہ زکات کے لائق نہ ہو جائے اسے کھلانا پلانا اور پہنانا اڑھانا
 باپ پر واجب ہے۔ کھلانے پلانے اور پہنانے اڑھانے کی ذمہ داری
 باپ کی ہے۔ حتیٰ کہ ماں اگر طلاق لے لے اور طلاق لے کر دودھ بچے کو
 پلاتی رہے تو اس کا معاوضہ باپ ادا کرے گا۔ وَ عَلٰی الْمَوْلٰی دِ
 سَہِ رِزْقُہُنَّ وَ کَسْوَتُہُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (دودھ پلانے کے زمانے میں)
 اُن (مطلقہ یا یمعہ سائیں) کا کھانا اور کپڑا حیثیت کے مطابق بچے کے
 باپ (یا باپ کے وارث) کے ذمہ ہوگا۔

اولاد کا تیسرا حق یہ ہے کہ اس کی تعلیم اور تربیت کی جائے۔
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا
 وَ قُوا ذُرِّيَّتَهَا النَّاسَ وَالْجِبَارَ (اے وہ لوگو جو ایمان لائے
 ہو اپنے آپ کو اور اپنے بال بچوں کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ جس کا
 ایندھن آدمی اور پتھر ہیں) تنہا اپنا عمل ٹھیک کر لینا کافی نہیں ہے۔ اولاد
 کو بھی ٹھیک راستے پر ڈالو۔ مہتاری اولاد بھی قرآن و حدیث کے مطابق
 زندگی گزارے اور ایسے عمل کرے جس سے سارے مسلمان سر بلند ہوں اور
 نصیر رہیں۔ اور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سینے سے لگائیں۔

حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا
 باپ کا بچے کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ دینے سے بہتر ہے۔ ایک فقہ
 فرمایا: کوئی باپ اپنے بچے کو اس سے بہتر عطیہ نہیں دے سکتا کہ اس کو

لے بیٹے یا پ کا باپ، باپ کا بھائی وغیرہ وغیرہ درجہ بہ درجہ
 جو وارث بھی دودھ پلائے۔

اچھی تعلیم دے۔
 لڑکے کو لڑکی پر صرف جنس کے اختلاف کی وجہ سے ترجیح دینے کو
 حضورؐ پسند نہیں فرماتے تھے۔ حدیث ہے کہ جس کے ہاں لڑکی ہو اور وہ
 اسے جیتا رہنے دے اور اس کی بے توقیری نہ کرے اور اس پر لڑکے کو
 ترجیح نہ دے تو اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

پیارا اور محبت بھی بچوں کا حق ہے۔ ایک دفعہ حضرت سرور کائنات
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پیار کر رہے تھے۔
 ایک اعرابی نے تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ آپ جیسا باوقار انسان اور
 اتنا بڑا پیغمبر بچوں کو پیار کرتا ہے۔ میرے دوست بچے ہیں۔ میں اُن
 میں سے کبھی کبھی نہیں کرتا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے
 دل سے رحم و شفقت کو نکال لیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ جو رحم نہیں
 کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

اولاد میں بڑے چھوٹے کا امتیاز بھی اسلام نے مٹا دیا۔ اسلام کے
 نزدیک ماں باپ سے جو نسبت پہلوئی کے بچے کو ہے تو سی آخری بچے کو ہے۔
 ایک دفعہ کسی صحابی نے اپنے لڑکوں میں سے ایک لڑکے کو غلام بہہ
 کیا اور چاہا کہ حضورؐ اس بات کے شاہد رہیں۔ چنانچہ حضورؐ کی خدمت
 میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کر دیا۔ حضورؐ نے پوچھا۔ کیا تم نے اپنے سب
 بچوں کو ایک ایک غلام دیا ہے۔ انہوں نے کہا۔ جی نہیں، ایک ہی لڑکے
 کو دیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: تو میں اس ظالمانہ عطیہ کا گواہ نہیں بنوں گا۔
 اس نے اس قانون کا مقابلہ کیجئے جو اب بھی متعدد قوموں میں
 رائج ہے کہ بڑا بیٹا جائداد کا مالک ہو جاتا ہے اور چھوٹے موہ نہ دیکھتے

رو جانتے ہیں۔

اگر کہ فی خیال رکھے، نہ رکھے اسلام میں اولاد کی تربیت جل سار
پائے۔ نہ وقت سے شروع ہو جاتی ہے، بلکہ چھ پہلے ہی ماں باپ سے مل گئے
پڑاں! ہمیں شیطانی خیالات سے بچنا کہ ہمارے پاک صاف
دل و دماغ کچھ کے دل و دماغ پر اچھا اثر ہے، جو یہ حال ہے تو
دور، اور حل میں برے خیالات، و تصورات کو، اسلام ایسے گوارا کرتا ہے۔
بچے کے پیدا ہونے سے پہلے اسے اللہ کا نام سنایا جاتا ہے۔ وہابی
مذہب پر ایمان کی افواہیں اور بائیں کان میں بکیر کو جاتی ہے۔ بچے کو پہلا نوراک
کھانے کی دہشت ہے۔ تب کو، بننا پڑھتے ہیں۔

حقیقت کو قربانی اور بائیں کے ہم وزن پانڈا، غیرت سے سبوتا
نہ ہے کہ جان و مال سب اللہ کے ہیں۔
تختے میں سنا، فی سیکھائی جاتی ہے۔

سنا، اور پاکیزہ کا تصور، و رکائات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
بہ اخیال کرتے تھے کہ اپنے بیٹے جناب ابراہیم علیہ السلام کو گود میں نیٹے
تے تو جسم سے لگتے تھے کہ اچھی طرح لٹلایا جاتا ہے یا لیرا ہی پانی بہا دیا
یا ہے۔

ایک دفعہ زکوٰۃ کی کچھ روٹ کا دھیر رہنے پڑا تھا۔ حضرت امام حسن
رضی اللہ عنہ نے جو تین چار برس کے تھے ایک کچھ راٹھا کر موہنے میں ڈال
لی جس نے کچھ رکھنا نہیں دی اور فرمایا۔ تمہیں معلوم نہیں زکوٰۃ
اور صدقہ ہمارے خاندان والے نہیں کھنکھتے۔ ایسی غلطی آئندہ کبھی
مت کرنا۔

جناب ابن ابی سہر زنی: لہذا عنہ پھونٹے سے تھے۔ کھانا کھانے لگے تو حضورؐ نے فرمایا۔ کھانے سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہو اور کھانا دیکھ ہاتھ سے کھاؤ اور نہ مرث اپنے گائے کھاؤ۔ برتن میں چاروں طرف اتر نہ چلاؤ۔

پھر کچھ عرصے کے بعد حضرتؐ نے فرمایا۔ لیکن تم کو اپنی کر کے کہہ کر تسی یا بیٹھیں اور کوہ میں بات کیجھیں۔ حضورؐ نے چونکہ وہی باتیں وہی ترس کھاتے رہتے تھے کہ جو یہ باتوں کی صورت متوجہ ہونے کی انہیں جہالت نہ تھی۔ حضرت امام حسنؑ سے حضورؐ نے کہ یہ میری قوم کی فعلی ہی تھی کہ حضورؐ نے مجھے سب سے پہلے نہایت زیادہ پیوستہ ایسی کہانیاں کہیں۔ جس کہ میں میرا ہوتے ہو تو تم میں کہہ دو۔ پشکو۔ اپنے اور شک سے پاکتم اختیارات کرو۔

حضورؐ کو دوسرے عربوں پر ایک امتیاز یہ بھی حاصل تھا کہ وہ عرب بچوں سے اظہار محبت کے خلاف وقت نہ دیتے تھے۔ لیکن حضورؐ انہیں گود میں بٹھاتے۔ تھے۔ انہیں پیار کرتے تھے۔ انہیں بہلاتے تھے حضورؐ سجدہ میں ہوتے اور کوئی بچہ آپ کی پشت مبارک پر جڑھ بٹھاتا تو حضورؐ بڑے سجدے سے سر نہیں اٹھاتے تھے۔ آخر بچہ خود اتر جاتا تھا۔

ایک دفعہ حضورؐ نے حضرت حسنؑ کو گندھے پر سوار کر رکھا تھا کسی صحابی نے کہا۔ میاں تم بہترین سوار ہی پر سوار ہو نَحْمُ الْمَرْکَبَ ذَرِکْتَ یَا غَلَا مَر۔ حضورؐ نے فرمایا سوار بھی تو اچھا سب۔

نَحْمُ الْمَرْکَبَ ذَرِکْتَ حضورؐ کا ارشاد ہے: اَلْمَرْکَبُ اَوَّلُ دَکْمِ بَعْدِ الْمَرْکَبِ

عزت بڑتاؤ کیا کرو۔ حضورؐ کی بیٹی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا
 حاضر خدمت ہوتی تھیں، تو حضورؐ ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے
 تھے اور انہیں اپنا جگہ بٹھا دیتے تھے، اور فرماتے تھے: تمکے سے لگا کر
 بیٹھو۔

میاں بیوی اور سلام

ماں باپ ایسے ہو سکتے ہیں کہ اولاد کے ہو شیار ہونے سے پہلے مرجائیں اور اولاد پر ان کے حقوق کی ادائیگی کا بار نہ پڑے۔ علیٰ ہذا اولاد کے لئے بھی ممکن ہے کہ ماں باپ کو حقوق ادا کرنے کا پورا موقع نہ دے اور اللہ کو پیاری ہو جائے۔ پھر بھی ماں باپ، ماں باپ کہلائیں گے، اور اولاد، اولاد کہلائے گی۔

میاں بیوی کی یہ صورت نہیں ہے۔ میاں بیوی جب تک میاں بیوی ہیں، ان کا ایک دوسرے سے حقوق وصول کرنا یقینی ہے۔ ادائیگی حقوق کی کمی یہ رشتہ برداشت نہیں کر سکتا۔

معانکہ جبنا میاں بیوی کے درمیان پڑتا ہے اتنا ماں باپ اور اولاد کے درمیان نہیں پڑتا۔ ماں باپ اپنے گھر خوش رہتے ہیں اور اولاد اپنے گھر خوش رہتی ہے لیکن میاں بیوی کا ساتھ مستقل اور مسلسل ہوتا ہے۔

اس رشتے میں خوش گواری اور استواری اچلے تو ایسا محسوس

ہوئے گمراہ تھے کہ اصل روشہ سنی ہے۔ مار یا پنے بتایا کہ پیدا اور پرورش
محسن مہربان پروردگار کے واسطے کیا کرتا۔

نہ اپنا اور ملاوے کے حیرت انگیز اسلام نے میاں بیوی کے حقوق
بھی بتائے ہیں اور عورتوں کی حقوق۔

دوسرے تمام پتوں پر کیا مانا کہ کوڑا جیہٹ نہیں تھی اور عورت
رو کے اندر، جس تعلق کو کہ اخلاق اور روح کی ترقی مدارج کا ناسخ سمجھا
جائے۔ چند دستاویز ہیں یہ ہیں: جین، ویدانت اور جگ کے نام پر
اسی نظریے کے پائیدار تھے۔ جیسا کہ مذہب میں تخریروں کو کہیں روحانی کا ذریعہ
تسلیم کیا گیا تھا۔ اسلام نے آرزو سے باطل قرار دیا اور بتایا کہ اخلاق
اور روح کی تکمیل نہیں قرآن مجید میں ہوسکتی ہے اس سے بدرجہا زیادہ
ازدواج میں ممکن ہے۔

اخلاق نام حسین معاملہ اور سن سادہ کا ہے۔ جو کسی کا شوہر
نہ ہو، کسی کی بیوی نہ ہو۔ جو کسی کا باپ نہ ہو۔ جو کسی کی ماں نہ ہو۔ جو
کسی کا بھائی نہ ہو اور جو کسی کو بہن نہ ہو۔ غرض جو کسی سے رشتہ ناتہ نہ رکھے
وہ دنیا کے کون سے فرائض ادا کر سکتا ہے اور اسے اخلاق کی تکمیل کے
کون سے فطری موانع مل سکتے ہیں۔ پھر عفت و عصمت کی موت جو اخلاقی
قالب کی روح ہے۔ تخریق کی زندگی میں کتنی یقینی ہے۔ مذہبی تخریق کی پوری
تائید بخود دنیا کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس دعوے کی شاہد ہے۔

(سید سلیمان ندوی)

اسلام نے ازدواج کو موجب خیر و برکت قرار دیا ہے وَرَکِبُوا
الْأَيَّامَ مِثْقَلَهُ وَالصِّدِّيقِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ

اِنَّ يَكُونُ لَكُمْ فُقَرَاءٌ يُعَوِّضُهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ ط
 وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (تم اس سے کوئی مرد بے عورت کے اور
 کوئی عورت بے مرد کے نہ پائے گے۔ ان تک بوسے اپنے کندھے
 یا منہ پر سے مردوں اور اپنی کندھوں یا پیٹ پر عورتوں کا نکاح (کر لیں)
 جلتی کیا کرو۔ اور ہر سے غلاموں اور نوکرانوں کا نکاح (کے
 لائق بولنا ان پر بھی رخصت رکھو۔ انہیں بھی بے نکاح نہ رہنے دو۔ وہ
 اگر غریب ہیں (اور انہیں فکر ہے کہ نکاح کے بغیر گھر کا خرچ کہاں سے
 اٹھائیں گے) تو اللہ اپنے فضل سے ان کی رحمت و رزق کرے گا۔
 اللہ بڑی گنجائش والا ہے (اور ضرورت مندوں کے حال سے)
 واقف ہے (تم اس کے احکام اور قوانین کی تعمیل کر کے دیکھو)

نکاح سے دو تقریریں مل جاتی ہیں۔ ایک کہ تقریر یہ غریب ہے
 تو وہ بوسے کی تقریر میں ممکن ہے فارغ البالی ہو اور بوجھ پر ہے
 کہ ٹھیک سے ٹھیک انسان ہاتھ پاؤں مارنے لگتا ہے۔ اور برکت
 حرکت میں ہے، ہاتھ پاؤں ہر جگہ چلے رہے ہیں بڑے ہیں۔
 کھانسی، پیچھے کھڑے ہو کر عورت سے رشتہ منسلک نہ ہو
 بڑی سے رشتہ کرے وہ بھی تمام تم جنس سے۔ کہ تیری یا تو مسلم
 خیال کر کے اُسے ذلیل بات جانے کیا تعجب ہے کہ تو مسلم ہو یا نہ ہو
 مسلمان کا ایمان سے بڑھ گیا ہو۔ عزت و ذلت کو پیانا آتی ہے
 اِنَّ الْوَعْدَ عِنْدَ اللّٰهِ اَلْقَسَمُ اور اس بات کی
 اشی کی خبر ہے کہ تم کو کس کا ناپ ہے۔ کہ تم کو کس کا ناپ ہے
 کہ تم کو کس کا ناپ ہے اِنَّ يَكُونُ لَكُمْ فُقَرَاءٌ اَلْمُحْتَضِرُ الْمَرْجُو

وَمِمَّنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ صِغَ فَتَيْتُكُمْ الْمُؤْمِنَاتِ
 وَاللَّهِ أَتَمَّ بِرُيُوسُكُمْ بَعْضُكُمْ صِغَ أَلْبَعْضِ ج
 از دہم میں سے جسے اتنی مقدسرت نہ ہو کہ (قریم) مسلمان عورتوں کو نکاح
 میں لاسکے (اور ان کے اخراجات اٹھ سکے) تو روزہ، ان لونڈیوں سے
 نکاح کر لے جو تم لوگوں کے قبضے میں ہوں (اور) مسلمان (ہو گئی ہوں)
 اور اللہ تمہارے ایمان کو بہتر جانتا ہے (بعض دفعہ لونڈیاں ایمان
 میں حر عورتوں سے بڑھی ہوئی ہوتی ہیں اور مسلمان ہو جانے کے بعد
 تو تم اسب) آپس میں ایک ہو (سو کسی کے لونڈی غلام ہونے
 کی پرواہ نہ کرو)

اللہ تعالیٰ نے ازدواج کے تعلق کو اپنی نشانیوں میں سے ایک
 نشانی فرمایا ہے۔ وَمِمَّنْ أَيْمَانُكُمْ أَنْ تَخَانَكُمْ مِّنْ
 الْفُسَاكِهَ الْأَوَا جَا لَتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَحَلَّ عَلَيْكُمْ
 صَوْدَةٌ وَرَحْمَةٌ ط اِنَّ فِيْ ذَلِكَ لَا آيَاتٍ
 لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ اور اس کی نشانیوں میں سے (ایک
 نشانی) ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کے جوڑے پیدا
 کئے تاکہ تم ان سے تسکین اور راحت حاصل کرو اور تم میں باہم الفت
 اور محبت دے دی (تاکہ زندگی نرمے سے بسر ہو) لاریب اس میں
 سوچنے والوں کے لئے (نصیحت و عبرت کی) نشانیاں ہیں۔

عورت اس تسکین کی خاطر بکثرت نہ پھرے اور مرد اس تسکین کی خاطر
 ادھر ادھر جھپک نہ مارے۔ صرف نکاح کے ذریعہ تسکین حاصل کی
 جائے تاکہ نظام عالم میں فتنہ نہ اُٹے۔ نکاح نہ کرنے سے نظام دہرہ برہم

ہجرت ہے۔ نکاح کے بغیر اولاد پیدا کرنا نفحش ہے اور نکاح کے اولاد پیدا کرنا تقدس ہے۔ انا عظیم تقدس کہ حضور در کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اَلزَّوْجِ الْبَاطِلِ كَمَنْ رَضِيَ عَنْهُ مَسْتَقْبَلُ قَائِسٍ جَنَّتِي۔ میں عورتوں سے نکاح کرنا ہوں اور جس نے میرے طریقے سے زواج نامی کی وہ میرا نہیں ہے۔

نکاح کا مقصد عصمت و عفت کی حفاظت اور پاک و نامحسوس مَحْصِنِينَ عَلَيَّ مَسَافِحِينَ۔ عورت کو بیوی بنا کر رکھو (عورت سے) علانیہ برکاری اور خفیہ آشنائی رست کرو۔

اللہ تعالیٰ میاں بیوی میں موافقت کا طلب گار ہے اور جو میاں بیوی میں تفرق ڈلوائیں انہیں آخرت سے محروم کر دیتا ہے۔ فَيُعَذِّبُهُمْ مِّنْهُمْ مَا يَشْرُقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْجِ وَرُؤُوسِهِمْ ط صَالَةً فِي الْأَخْزَالِ بَشَاطَةِ خَلَقٍ قَطْ۔ وہ ان سے ایسی باتیں کہتے ہیں جن سے میاں بیوی میں تفرق ڈلوائیں اس قسم کے آدمی کا آخرت میں حصہ نہیں ہے۔

میاں اور بیوی، دونوں کے حقوق قریباً یکساں ہیں وَلَيَّاسٌ لَّكُمُ وَ أَنْتُمْ لِيَّاسٌ كَهَيِّتِ بِيَوَا تَمَّهَارِي پُوشاک ہیں (تمہاری پردہ پوش اور تمہاری زینت) اور تم ان کی پُوشاک ہو۔ اُن کے پردہ پوش اور اُن کی زینت،

میاں کا کام ہے کہ بیوی کی ذرا ذرا سی غلطی کو نہ پکڑے اور نہ اچھالے اور بیوی کا کام ہے کہ میاں کی ذرا ذرا سی غلطی کو نہ پکڑے اور نہ اچھالے اور میاں کو چاہیے کہ بیوی کے محاسن کی تکمیل کرے اور بیوی کو چاہیے

کہ سیاں کے محاسن کی تکمیل کرے ھُوَ رَبَّاسِیْ تَکْدِیْرُ وَ اَلْمُتَّحِدِیْنَ رَبَّاسِیْ
 ۱۵۴ کے یہی معنی ہیں۔

بیوی پر شوہر کی اطاعت فرض ہے اور شوہر پر بیوی کا دلجوئی
 لازم ہے۔ اچھے مسلمان کی پہچان حضور ﷺ کا منہات صلی اللہ علیہ
 وآلہ وسلم نے یہ بتائی ہے کہ خَيْرُکُمْ مَنْ عَیَّیْرَ کُفْرَہٖ بِمَا کُھَلِّیْہِ تَم
 میں اچھا وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لئے اچھا ہے۔ ایک صحابہؓ نے نہایت
 عبادت گزار تھے، حتیٰ کہ بیوی کی طرف سے توجہ نہیں کر پاتے تھے۔ ہر وقت
 رکوع و سجود میں مشغول رہتے تھے۔ حضورؐ نے ان کا حال سنا تو فرمایا کہ
 کہا کہ اِنَّ لِرَّوْحِکَ عَلَیْکَ اَحَقَّ مِمَّا یَہْدِیْ بِہِیْ کَا تَہْجُوْہِ
 ہے (بیوی کے حقوق ادا کرنا بھی عبادت ہے)۔

وَلَقَدْ جِئْنَا بِکَ اَلْکُفْرِیْنَ اَلْمُنَافِیْیْنَ اِیَّا لَمَعَدُوْرَہٖ
 وَلِلرِّجَالِ عَلَیْہِمْ ذَرِّیَّۃٌ مِّمَّا کَا مَرَبُوْنَ پَر دَسْتُوْر
 (اسلام کے مطابق (بالکل) ولہا ہی حق ہے بیویاں مردوں کا عَدُوْہِ
 پر ہے۔ مردوں کو عورتوں پر (بیں) ایک برتری ہے کہ الرِّجَالُ
 قَوَّامُوْنَ عَلَی الْاِنْشَاکِھِ۔ مرد عورتوں کے سر رہتے ہیں۔
 مردوں کو بنایا اس طرح کا گیا ہے۔ اُن کا اَنْتِ اَمْرٌ وَاَمْرٌ
 یہ کہ وہ عورتوں کے سر براہ ہو سکتے ہیں۔ عورتیں مردوں کی برابری
 نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ دین ہر نان و نفقہ اور پرورش اولاد وغیرہ
 جملہ مالی ذمہ داریاں اسلام نے مرد کے اوپر ڈالی ہیں۔ عورت گھر کی
 وزیر ہے اور مرد گھر کا بادشاہ۔ بلکہ گھر میں عورت سب سے پہلے ہے۔
 اسلام نے دونوں کی مشخصیتیں اور ڈیوٹیاں (DUTIES) بانٹ دی ہیں

خارج انتظام عورت کے سپرد ہے اور بیرونی بارگراں مرد کے کندھوں پر اور
 مرد کو اللہ کا حکم ہے کہ وَعَاشِرُهُ هُوَ بِالْمَعْرُوفِ وَالْعَدْلِ
 كَرِهَتْهُنَّ وَأَخْسَى أَنْ يُكْرِهَهُنَّ شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ
 فِيهِمْ حَبْرًا كَتَبَ يُورِثُ الْيَتَامَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْيَتَامَىٰ
 تمہیں اگر وہ نہ بھائی تو (بھی عقل سے کم نہ ہو) ممکن ہے تم کو (اپنی بیوی
 کی) ایک بات ناپسند ہو مگر اللہ نے اس میں (اور کوئی) بہت (بڑی)
 خوبی رکھی ہو۔

حضور مرد و کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم
 میں ہر شخص اپنی رعایا کا نگہبان ہے اور تم میں ہر شخص سے اس کی بابت
 باز پرس کی جائے گی۔ مرد اپنی بیوی اور اپنے بچوں کا راعی اور نگہبان ہے
 اس سے اس کی پرورش ہوگی نہ بیوی بچوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ اور
 بیوی شوہر کے گھر کی نگران ہے۔ اس سے اس کی پرورش ہوگی کہ گھر
 کیوں کر چلایا۔

بیوی تا تک جھانک کرنے لگے اور اس کا چال چلن بگڑنے کا
 امکان نظر آئے تو فوراً طلاق دیرینے کی اجازت نہیں ہے۔ پہلے اسے
 سمجھاؤ۔ پھر اس سے بولنا چھوڑ دو اور خواب گاہ میں الگ ہو اور
 نمبر تین اس کو ذرا مارو وَالْمُحْرِمَاتُ يُحْرِمْنَ عَلَيْهِنَّ مَا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِنَّ

لہ حدیث میں مارنے کی تشریح کی گئی ہے۔ فَاَضْرِبُوهُنَّ غَيْرَ مُسْرِحٍ - ان کو
 اتنا ہی مارو جتنی تکلیف دہ نہ ہو۔ مسواک سے مارو (لاٹھی سے نہ مارو کہ ہڈیاں پسی
 ٹوٹ جائے۔ مقصود صرف تنبیہ ہے)

وَأَهْجُرُوا فِي الْمَضَاجِعِ وَاصْبِرُوا لَهُنَّ فَإِنْ أَطَعْتَكُمْ
 فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا - تمہیں جن بیویوں کے بگڑ جانے
 کا اندیشہ ہو تو انہیں (نمبر ایک) سمجھاؤ۔ اور (سمجھانے سے باز نہ آئیں
 تو نمبر دو) خواب گاہوں میں ان سے علیحدگی رکھو۔ اور (اس کا بھی اثر
 نہ پڑے تو نمبر تین) انہیں مارو۔ (مارنے کے بعد) اگر وہ تمہاری اطاعت
 قبول کر لیں تو پھر ان (کہ طلاق دینے) کے لئے بہانے اور راستے نہ تلاش کرو۔
 اسلام بد چلنی کا دشمن ہے۔ بد چلنی میں شبہ نہ رہے اور بد چلنی ثابت
 ہو جائے تو بد چلن مرد اور بد چلن عورت کو سنگسار تک کر دیا جاتا ہے۔
 لیکن یہ سزا میاں اپنی بد چلن بیوی کو نہیں دیتا یا بیوی اپنے بد چلن شوہر
 کو نہیں دیتی۔ اتنی سخت سزا حکومت دے سکتی ہے۔

عام رشتہ دار اور سلام

ماں باپ اولاد سے اچھا سلوک کیا ہی کرتے ہیں۔ اولاد بھی ماں باپ کے ساتھ عموماً ٹھیک رہتی ہے۔ اور میاں بیوی کا رشتہ تو ایسا ہے کہ ان میں یگانگت نہ ہو تو گھر دوزخ اور زندگی عذاب بن جائے لیکن بھائیوں بھائیوں - بہنوں بہنوں اور بھائیوں بہنوں اور دوسرے قریبی اور بعیدی رشتہ داروں کے درمیان سلوک اس قسم کی بات ہے کہ اس پر زیادہ سے زیادہ زور دینے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنَّمَا أَسْأَلُكُمْ فِي الْقُرْبَىٰ - (اے رسول! ان لوگوں سے) کہ میں تم سے (دین حق کی تعلیم کا) کوئی صلہ (اور معاوضہ) نہیں طلب کرتا، مگر یہ کہ تم اپنے رشتہ داروں سے محبت کرو۔

رشتہ داروں کے درمیان محبت قائم رکھنے کے لئے اس سے زیادہ اصرار کیا جاسکتا ہے کہ رشتہ داروں سے محبت کر کے کوہنور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کے احسان کا

بدلہ قرار دیا گیا ہے۔

ایک دفعہ حضورؐ نے فرمایا کہ رحم (مادر) رحمن (اللہ) سے مشتق ہے جس نے رحم کے رشتوں کو ملا یا اُسے اللہ نے اپنے سے ملا لیا اور جس نے رحم کے رشتوں کو کاٹا اُس کو اللہ نے اپنے سے کٹ چھینا۔ رشتوں کے خیال رکھنے کا ذکر اللہ نے اپنے ساتھ فرمایا ہے۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ
جس اللہ کے تم ایک دوسرے سے درخواستیں کرتے وقت واسطے دیا کرتے ہو اُس کا خیال بھی تو رکھا کرو اور رشتوں کا بھی خیال رکھا کرو۔

اللہ اُن لوگوں کو فاسق کہتا ہے جو رشتوں کی یہ فطری گریں ٹریں
وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ الَّذِينَ كَانُوا يُعَذِّبُونَ
عَمَّا أَفَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوَصِّلَ - (پچھرا اور) اس (حیثیت کی
مخلوقات کی مثالوں) سے اللہ صرف انہیں گمراہ کرتا ہے جو فاسق ہیں۔

(یعنی جن کے دل میں کھوٹ ہے اور جنہوں نے نیکی کی صلاحیت کھودی ہے جو اللہ کا حکم نہیں مانتے اور اللہ کے حکم کا انکار کر لیتے ہیں) اور جو اللہ سے عہد باندھ کر ٹوٹتے ہیں اور اللہ سے جس رشتے کے جوڑنے کی ہدایت فرمائی ہے اُسے کاٹتے ہیں۔

عربی محاورے میں اہل قربت کے حقوق کی ادائیگی کا نام ”صلہ رحم“ ہے اور عدم ادائیگی کا نام ”قطع رحم“ کیونکہ رحم مادر سے تعلقات قربت کی ابتداء ہوتی ہے۔ باہمی تعلقات اور باہمی اشتراک کی چیزیں اور بھی بہت سی ہیں، مثلاً ہم عمری، ہم ملکیتی، ہم سائیگی، ہم وطنی، ہم قومی،

ہم بیگی، ہم مذاقی وغیرہ، لیکن قرابت جیسی استیوار اور مضبوط چیز کوئی نہیں ہے۔ قرابت اور ہم رحمی وہ بندھن ہے جسے اللہ کا دست قدرت باندھتا ہے اور جسے انسان توڑ نہیں سکتا اور توڑتا ہے تو قدرت سے لڑتا ہے۔ خلاف فطرت عمل کرتا ہے۔

قرابت مجیدیہ - سفید جگہ صلیب رحم کی تاکید کی گئی ہے۔ قاصد ذالقرنی حقیقہ - نورشتہ دار کو اس کا حق ادا کر۔ وَاَتِ ذَا الْقُرْنٰی حَقَّہُ - اور قرابت والے کو اس کا حق ادا کر۔ وَاَتِ الْمَالَ عَلٰی حَبِہِ ذَا الْقُرْنٰی - (اصلی بیٹی اس کی ہے) جس نے (مال و دولت کی محبت اور ذاتی ضرورت کو پس پشت ڈالا اور) اللہ کی خوشنودی کے لئے (تکلیف برداشت کر کے) قرابت مندوں کی امداد کی۔ قُلْ مَا اَلْفَقَسْتُ مِّنْ خَبْرٍ فَلَوْلَا الَّذِیْنَ وَاَلَا قَسْرًا - اے رسول! مسلمان تم سے پوچھتے ہیں کہ ہم اپنے مال میں سے اللہ راہ کتنا خرچ کریں۔ ان سے کہو کہ یہ تمہاری جُب اور توفیق پر منحصر ہے لیکن اتنا سمجھ لو کہ جو کچھ بھی اللہ راہ خرچ کرو اس میں اس کا دھیان رکھنا کہ وہ (نمبر ایک) مال باپ کے لئے ہے اور (نمبر دو) رشتہ داروں کے لئے۔ وَاِنۡتَوٰا بِذَیْنٍ اِحْسَاۡنًا وَ ذِی الْقُرْبٰی ذَوِی السُّرْبِیل سے عہد لیا گیا تھا کہ اللہ کی پرستش اور مال باپ اور رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کرنا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَلٰی وَاَلَا حَسَانٍ وَ اِیْتَاۡئِ ذِی الْقُرْبٰی - بے شک اللہ انصاف اور حسن سلوک کا حکم فرماتا ہے اور قرابت داروں کو (مالی مدد) دینے کا (بھی) وَاَلَا یَا تُلِ اَوْ کَوَالِفُضْلِ مِنْکُمْ

وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْمَرُوا اَوْ يَالِقُوا الْقُرْبَى
وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا اَلَا تُحِبُّونَ اَنْ يَّعْفِرَ
اللّٰهُ كُفْرًا ط اور (اے مسلمانو! رشتہ دار تمہیں کوئی اذیت
پہنچی میں تو بھی) جو تم میں صاحب فضل اور صاحب کشائش ہیں
وہ رشتہ داروں کی امداد روکنے کی قسم نہ کھائیں۔
(بلکہ صبر و تحمل سے کام لیں اور اُن کی خطا) معاف کر دیں اور (اُن
کی غلطی سے) درگزر کریں (مسلمانو!) کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے
کہ اللہ تمہاری مغفرت فرمادے (اور تمہارے قصوروں کو بخش دے۔ اگر
تم اس بات کو پسند کرتے ہو تو تم بھی رشتہ داروں کا قصور معاف کر دو۔)
وَاَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تَشْرِكُوْهُ بِهِ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ
اِحْسَانًا وَّ بِالْاَقْرَبِيْنَ - اللہ کی عبادت کرو اور کسی شے کو
اُس کا شریک مت ٹھیراؤ۔ (سب سے مقدم تو یہ ہے) اور (پھر) ماں
باپ اور قرابت داروں کے ساتھ نیکی کرنا۔

احادیث میں ہے کہ صلہ رحم کا کمال اسے نہ سمجھا جائے کہ صلہ رحم
کے جواب اور بدلہ کے طور پر صلہ رحم کیا جائے۔ جو قطع رحم کرتا ہے اُس کے
ساتھ صلہ رحم کرنا چاہیے جو حق قرابت ادا نہیں کرتے اُن کا حق قرابت ادا
کرنا چاہیے۔

حضیر سرور کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک موقع پر
فرمایا کہ ”جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اللہ اُس کی روزی میں وسعت اور
اُس کی عمر میں برکت دے اُسے صلہ رحمی کرنی چاہیے“ گویا صلہ رحمی روزی
اور عمر بڑھانے کا نسخہ ہے۔ علامہ سید سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے اس

حدیث کی حسب ذیل تشریح کی ہے کہ ”جو لوگ اپنے خاندان والوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرتے ہیں اور صلہ رحم اور خوش ظہنی سے پیش آتے ہیں ان کی زندگی میں خانگی مسرت اور طمانیتِ خاطر رہتی ہے۔“ اس لئے ان کی دولت اور عمر میں اللہ تعالیٰ وسعت اور درازی عطا فرماتا ہے۔

ہم سائے اور اسلام

انسان جسمانی اعتبار سے اور حیوانوں کی طرح الگ الگ ہوتے ہیں لیکن روحانی اعتبار سے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ عام حیوانوں کی نسبت زیادہ پیوستہ رہنا پڑتا ہے۔

حیوان بھی آپس میں ملے جھٹکے دکھائی دیتے ہیں اور اپنے ہم جنسوں کے لیے کھڑک کا اثر لیتے ہیں۔ مگر انہیں چھوٹے موٹے دکھ کی خبر نہیں لگتی کہ جسے اُسی وقت چھتے ہیں جب آپ کسی کیتے کو مار ڈالیں، اور بندروں کی گب اُلت اُسی وقت پھڑکتی ہے جب کسی بندر پر بھر پور اور نمایاں آفت آجائے۔

پھر عام حیوانوں میں کتنے جیسی مخلوق ہے جو انسان کی تو دھندلار ہے لیکن کتوں کی دشمن ہے اور پھیپھیوں مخلوق ہے کہ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ انسان کتوں اور مچھلیوں کے پیرو نہ بنیں اور اپنے ہم جنسوں کے دکھ درد کا کوئی اور بندروں کی نسبت زیادہ احساس کریں۔

ایک انسان واقعی مسکین ہے تو غنی انسان کا فرض ہے کہ اُسے سوئی کھلائے اور اُسے کپڑا پہنائے اور غنی انسان اگر ذی اقتدار ہے تو اُس کا فرض ہے کہ اُسے مکان بھی دے اور مسکین کی مسکنت دور ہو سکتی ہے۔ تو مسکنت دور کر دے یا مسکین بالکل معذور ہے تو ایسا انتظام کرے۔ علیٰ ہذا بیمار کی تیمارداری تندرست انسان پر واجب ہے غرض ہر مصیبت کا مداوا ایسے شخص کے ذمے ہے جو مداوا کر سکتا ہو۔ مداوا کرنے کی طاقت کے باوجود اگر کوئی پہنچتی کرتا ہے تو اُس سے جواب طلب کیا جائے گا۔

دو انسان برابر برابر آباد ہوں تو ان کے لئے اسلام نے خاص ہدایتیں کی ہیں۔ برابر برابر آباد ہی نہیں، ایک سفیر کے درِ رفیق۔ ایک مدرسے کے دو طالب علم۔ ایک استاد کے دو شاگرد۔ ایک کارخانے یا دفتر کے دو ملازم۔ ایک دکان کے دو شریک، سب ہم سایہ ہیں۔ ہم ساکنی اور رفاقت میں قرابت اور ہم مذہبی کی شرط نہیں ہے۔ ہم بصورت قرابت ہم مذہبی ہم ساکنی اور رفاقت کی اہمیت بڑھ جاتی ہے بہر حال (اللہ نے) ہم سایہ قریب رشتہ دار اور ہم مذہب اور ہم سایہ بیگانہ (غیر رشتہ دار اور غیر مذہب) اور برابر رہنے والے کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنے کا حکم دیا۔

وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ
وَالصَّاحِبِ وَالْجُنُبِ۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے جسٹریکی زبان مبارک سے نکلا ”خدا کی قسم اُس

کا ایمان کامل نہیں ہوگا۔ خدا کی قسم اس کا ایمان کامل نہیں ہوگا۔ خدا کی قسم اس کا ایمان کامل نہیں ہوگا۔ یہ کلمہ تین بار ارشاد کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا ”یا رسول اللہ کس کا ایمان کامل نہیں ہوگا“ فرمایا ”جس کا ہم سایہ اس کی شتر لوق سے محفوظ نہ رہے“ جو اللہ اور روز جزا پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ ہم سایہ کی عزت کرے اور اسے ایذا نہ دے“

”اللہ کے نزدیک اچھا وہ ہے جو اپنے ساتھیوں اور اپنے ہم سایہ کے حق میں اچھا ہے“

ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ”جبریلؑ نے مجھے ہم سایوں کے حقوق کی اتنی تاکید کی کہ میں سمجھا کہ میں ہم سایوں کو وراثت کا حق نہ دلا دیں“

ہم سایہ کا پہلا حق یہ ہے کہ اُسے ایذا نہ دی جائے۔ خوش گوار اور ناخوش گوار دونوں قسم کے تعلقات ہم سایہ ہی کے ساتھ ہو سکتے ہیں۔ دور کے اجنبی آدمی کو خوش گوار اور ناخوش گوار تعلق سے کیا واسطہ لہذا یہ ہم سایہ ہی کا حق ہے اور مقدم حق کہ اُسے ناخوش نہ کیا جائے۔ اور اپنی ہم سایگی اس کے لئے دوزخ نہ بنائی جائے۔ اس کے بعد اسے خوش کرنا اور خوش رکھنا چاہئے، اپنی ہم سایگی اس کے لئے جنت نہ بنائی جائے۔ وہ گھر سے باہر قدم دھرے تو آپ کی محبت اور مدد پر بھر دس کر کے اور گھر کے اندر قدم دھرے تو آپ کی محبت اور مدد پر بھر دس کر کے۔

”و نا حرام ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے اسے حرام کر دیا“

کیا ہے۔ لیکن دس زناؤں سے بڑھ کر زنا یہ ہے کہ انسان اپنے ہم سایہ کی بیوی سے زنا کرے۔“

(حدیث)

”چوری حرام ہے اللہ اور اس کے رسولؐ نے اسے حرام کیا ہے۔ لیکن دس چوریوں سے بڑھ کر چوری یہ ہے کہ انسان اپنے ہم سایہ کے ہاں کی چیز چرائے۔“

(حدیث)

دو عورتیں تھیں۔ ایک بے حد عبادت گزار۔ دوسری کو روزے کھتی اور رات بھر نفل پڑھتی۔ صدقہ و خیرات بھی کرتی تھیں۔ لیکن زبان پر قابو نہیں تھا۔ اس کی زبان سے ہم سایہ تنگ تھے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لئے فرمایا: ”اسے دوزخ کی سزا ملے گی۔“ دوسری عورت صرف فرائض ادا کرتی تھی مگر کسی کو رستائی نہ تھی۔ اس کے لئے حضورؐ نے فرمایا ”یہ جنتی بیوی ہے۔“

”تم میں کوئی مومن مومن نہیں مانا جائے گا۔ جب تک وہ اپنے پڑوسی کی جان کو اتنا ہی عزیز نہ رکھے جتنا خود اپنی جان کو عزیز رکھتا ہے۔“

(حدیث)

”جس کو یہ پسند ہو کہ اللہ اور اس کا رسولؐ اسے پیار کرے یا جس کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت کا دعوے ہو تو اسے چاہئے کہ اپنے پڑوسی کا حق ادا کرے۔“

(حدیث)

”قیامت کے دن بارگاہِ الہی میں سب سے پہلے دو مددگار
 و مدد علیہ پیش ہوں گے جو پڑوسی ہوں گے“

(حدیث)

ایک دفعہ بعض صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہمیں کیسے معلوم ہو کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اچھا کر رہے ہیں۔ فرمایا ”جب اپنے پڑوسی کو اپنی نسبت اچھا کہتے سنا تو سمجھو کہ اچھا کر رہے ہو اور جب برا کہتے سنا تو سمجھو کہ برا کر رہے ہو۔“

ایک دفعہ ایک صحابی نے شکایت کی۔ یا رسول اللہ! میرا پڑوسی مجھے پریشان کرتا ہے۔ فرمایا ”صبر کرو۔“ اس کے چند دن بعد وہ پھر شکایت لے کر آئے۔ حضورؐ نے پھر صبر کی تلقین کی۔ تیسری دفعہ شکایت کی تو ارشاد ہوا کہ مکان بدلنے کا انتظام کر لو۔ چنانچہ انہوں نے گھر کا سامان مکانِ شریعہ کیا۔ پڑوسی کو خبر پئی تو اس نے اطمینان دلایا کہ آئندہ شکایت پیدا نہیں ہونے دیں گے اور مکان بدلنے نہ دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک دفعہ گھر والوں سے پوچھا کہ آج کی بکری کا گوشت یہودی ہم سایہ کو بھی بھیجا تھا یا نہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے سنا ہے کہ جبریلؑ ہم سایہ کے ساتھ سلوک کرنے کی اس قدر تاکید کر رہے تھے کہ میں سوچنے لگا کہ شاید ہم سایہ کو ترکہ کا شریک بنا دیا جائے گا۔

یہیوں اور تحفوں کا تبادلہ پڑوسیوں میں ضرور ہونا چاہیے۔ بیش قیمت چیزوں کے بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کھانے پینے کی معمولی چیزیں کافی ہیں۔ ایک دفعہ حضورؐ کے ساتھی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا ”اے ابوذر! جب سائیں پکار تو پانی ڈال کر
 شور مارتا اور اس سے ہم سایہ کی خیر گیری کرے۔“
 ایک دفعہ حضورؐ نے عورتوں کو خطاب فرمایا ”اے مسلمانوں! بیویو! تم میں کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو بیکری کا گھر بھی بھیج سکے تو بیچ دے اور
 اسے حقیر خیال کرے“ یعنی نہ بھیجنے والی یہ خیال کرے کہ ایسی حقیر چیز
 کیا بھیجوں اور نہ دوسری عورت یہ خیال کرے کہ کیا حقیر چیز بھیجے۔ جو
 چیز بھی بیس ہو اسے بھیج کر اظہار تعلق کرنا چاہئے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے پوچھا۔ یا رسول اللہ! میرے دو
 پڑوسی ہیں اور میرے پاس جو چیزیں وہ ایک کو بھیجنے کے لائق ہے۔ کسے
 بھیجوں اور کسے نہ بھیجوں۔ فرمایا۔ جس کے گھر کا دروازہ تمہارے گھر سے ترپے
 ہوا ہے بھیج دو۔

ایک دفعہ حضرت جابرؓ گوشت کا ٹکڑا ہاتھ میں لٹکائے چلے جا رہے
 تھے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا لئے جا رہے ہو عرض کیا امیر المؤمنین! گوشت
 کھانے کو ہی چاہا تھا، ایک درم کا خرید رہا ہے۔ فرمایا اے جابر! کیا اپنے پڑوسی کو نظر انداز کر کے فقط اپنی فکر کر رہے ہو کیا یہ آیت یا رسول اللہ!
 كُودَ يَعْرِضُونَ الذَّبِيَّ كَقَوْمِ عَلِيٍّ السَّارِطِ اَذْهَبْتُمْ
 طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا
 (قیامت کے دن) جب کفار دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے (وہ)
 ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنے مرنے اپنی دنیا میں بے چکے اور خوش گوار
 چیزوں سے (وہیں) فائدہ اٹھ چکے۔

یتیم اور اسلام

یتیم وہ بھی ہے جس کا باپ مرتے وقت اُس کے لئے دولت چھوڑ جائے اور وہ بھی جسے وراثت میں ایک پیسہ نہ ملے اور جو باپ کے مرنے سے بالکل بے سہارا رہ جائے۔ اسلام نے دونوں قسم کے یتیموں کی بابت ہدایتیں نافذ کی ہیں۔

عربوں میں رواج تھا کہ باپ دولت چھوڑ کر بھی مرتا تو اُسے بڑی اولاد منتھیلیتی تھی۔ چھوٹے بچوں کو عموماً کچھ نہیں ملتا تھا۔ چھوٹے بچے یتیم ہو کر لاوارثے اور غور و فکر پر راحت سے محروم ہو جاتے تھے۔ قرآن مجید کی ان آیات میں بدسلوکی کا ذکر ہے: اَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ فَذَلِكَ الَّذِي يَدْعُ الْيَتِيمَ۔ دیکھا تم نے اُس شخص کو جو روزِ جزا کی تکذیب کرتا ہے۔ اسی لئے تو وہ یتیم کی مدد کرنے کی بجائے یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ (روزِ جزا کا ڈر ہوتا تو یتیم کو دھکے نہ دیتا) دولت مند یتیموں کے سرپرست اور ولی بن کر لوگ طرح طرح

کی بے ایمانیاں اور بددیانتیاں کیا کرتے تھے۔ مال پر قبضہ کئے انہیں دھکے نہیں دیتے تھے اور دھتا نہیں بتاتے تھے۔ نوکم (نکم اپنی بُری چیزوں سے اُن کی اچھی چیزیں بدل لیتے تھے اور اپنی بُری چیزیں ان کی اچھی چیزیں میں ملا کر اچھی چیزیں ہضم کر جاتے تھے۔ اللہ نے حکم فرمایا: وَالْقَوْلُ لَیْسَ مِنِّیْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا تَنْبَذُوهَا الْخَبِیْثَ بِالطَّیْبِ وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلٰی اَمْوَالِهِمْ ط اِنَّہٗ کَانَ حَوْیًا کَیْۤیَۡرًا ۝ اور یتیموں کو (جب وہ بالغ ہو جائیں تو) اُن کے مال سپرد کر دو اور (زمانہ تولیت میں اُن کی کوئی) اچھی چیز (اپنی) بری چیز سے مت بدلو اور نہ اُن کے مال کو اپنے مال میں گڑبڑ کر کے خور و پرور کرو (ولی اپنا یتیم کا کھانا پینا شامل رکھ سکتا ہے۔ لیکن اس بہانے سے یتیم کا مال کھا جانا) یہ (بہت بڑا گناہ ہے۔

دولت مند یتیم لڑکیوں کے مال پر قبضہ جانے کی غرض سے لوگ انہیں نکاح میں لے آتے تھے اور پھر اُن کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتے تھے۔ ارشاد ہوا۔ وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَا تَفْسِدُوْا فِی الْاٰیٰتِیْ فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنْهُنَّ اَلَا تَفْسِدُوْنَ فِی الْاٰیٰتِیْ ط یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنا ممنوع نہیں ہے۔ لیکن اگر نہیں ڈر ہو کہ تمہاری طبیعت ایسی ہے کہ یتیم لڑکیوں کی کم زوری سے فائدہ اُٹھاؤ گے اور یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف سے کام نہ لے سکو گے تو اُن سے نکاح کرنے کی بجائے بہتر ہے کہ) اور عورتوں سے جو تم کو بھلی لگیں نکاح کر لو۔

یہی نہیں ہے کہ یتیم کا مال ولی نہ لے لے۔ یتیم کا مال اُس کے اپنے ہاتھوں سے بھی نہیں لٹوایا جاسکتا۔ ولی کا فرض ہے کہ یتیم کے مال کی اہم

وقت تک پوری حفاظت کرے کہ یتیم جو مال اور عاقل و بالغ ہو جائے نادانی
 کی عمر میں یتیم کا مال یتیم کے حوالے کر دینے کی اجازت نہیں ہے۔ وَلَا تَوَلُّوا
 السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا
 وَرَزَقَهُمْ فِيهَا وَالسُّفَهَاءُ وَالْأَسْفُوفُ وَالْمُجْرِمُونَ لَا يَدْخُلُونَ فِيهَا
 شَيْءٌ مِمَّا كَسَبُوا وَالَّذِينَ يَتَّبِعُوا الْحَتَّىٰ إِذَا يَكْفُرُونَ بِالْبَيْعِ
 فَمَا مِنَ النَّسَمِ مَنَّهُمْ رَشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ
 أَمْوَالَهُمْ حَتَّىٰ تَسْمِعُوا آلَهُمْ نَصَرَ اللَّهِ وَالَّذِينَ
 سَمِعُوا نَصَرَ اللَّهِ سَمْعًا مَن يَصِلْ إِلَىٰ ذَٰلِكَ
 فَهُوَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ (یعنی تم انسانوں کے) گزرے کا ذریعہ بنایا ہے۔ ہر آن کو جس
 میں سے کھلاتے پہناتے (ضرور) رہو اور مال اُن کے قبضہ میں نہ دینے
 کی وجہ، انہیں معقولیت سے بتا دو کہ تم تمہارے نسب کی خاطر اس وقت
 تمہیں مال حوالے نہیں کرتے، اور یتیموں کا یہ کام سنو میں لگا کر کیا سزاؤں
 پہنچاؤں گا کہ وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچیں اور اُن میں (اپنے) نفع نقصان
 کی عقل اور مال کی حفاظت کی) قابلیت پاؤ تو اُن کا مال اُن کے
 حوالے کر دو۔

وَلَا تَاْكُلُوْهَا سَوْفَاً وَرَبِّدْ اَرَاۤءَ اَنْ تَكْبُرُوْا
 اس خیال سے کہ یتیم بڑے ہو جائیں گے (تو مال قبضہ سے نکل جائے گا)
 اُن کے اموال جلدی جلدی فضول خرچی کر کے (کبھی) مت کھاؤ۔

۱۷ پچیس سال کا ہو جانے کے بعد قابلیت کا سوال بھی نہیں رہتا۔
 قابلیت پاؤ یا نہ پاؤ، مال دیدینا چاہیے۔

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْعِفْ ج وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا
 ذَلِيًّا مَحِيًّا بِالْمَعْرُوفِ ط فَإِذَا رَفَعْتَهُمُ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ
 فَنَاشْتَرِيَنَّهُمْ عَلَيْهِنَّ ط وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا (ولی)
 کو اختیار نہ دے تو اسے چاہئے کہ یتیم کے مال سے (قطعی) پرہیز
 رکھے اور جو مال (بے ضرر ہے تو) (غیر حاجت اور دستور کے
 مطابق) (نہایت) (اور) (بہت) (کھا) (لی) گئے۔ اور حسبِ آن کا مال ان
 کے حوالے کرنے والا (قریبی بات) کے طور پر بنانا۔ تاکہ بوقتِ ضرورت یہ مال
 جیسے تو اللہ حساب لینے کو کافی ہے۔ اسے گواہ شاہد کی ضرورت نہیں ہے
 یہ سب باتیں تمہاری دنیاوی صفائی کے لئے مقرر کر دی ہیں۔

ایک جگہ ظاہری شریعتِ نوازی اور جانوروی کی علت و حرمت میں
 بے معنی جزئیات پرستی اور روحانی گناہوں سے بے پرواہی کا ذکر کر کے
 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اصلی باتیں خیال کرنے کی یہ ہیں
 وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالْكَيْفِ الْحَسَنِ
 حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ اور بہتری کا غرض کہ
 سوائے یتیم کے مال کے قریب نہ چھٹکو، یہاں تک کہ یتیم اپنی طاقت کی عمر
 کو پہنچ جائے۔

ایک اور جگہ ہے : وَ أَنْ تَقُولُوا لِلنَّاسِ بِالْقِسْطِ
 یہ کہ یتیموں کے حق کے میں انصاف با نظر سے نہ چھوڑو۔ یہاں تک
 میں نے درجہ پانے والے یتیموں کے احکام بیان کئے۔ اب درجہ سے
 محروم اور بے سہارے یتیموں کی نسبت لکھتا ہوں۔
 بے سہارے اور لا وارث یتیموں کا سہارا اللہ وارش کل قوم کو

بنایا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اُن کی پرورش اور اُن کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ اور اللہ جانتا ہے کہ انہیں جو سزا دی جائے وہ سزا سچ کر دی جائے۔ ایک جگہ اللہ فرماتا ہے: **كَلَّا بَلْ لَا تَكْفُرُونَ الْيَتِيمَ**۔ نہیں۔ یہ بات نہیں۔ بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا گیا ہے:
اَلَمْ يَجْعَلْ لَّهِ يَتِيْمًا قَاوِيًا **فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تُفْقِرُوْهُ**۔ کیا تمہیں اللہ نے یتیم نہیں پایا تھا اور تمہیں اللہ نے پناہ نہیں دی تھی تم بھی کبھی کسی یتیم پر ناہریان مت ہونا۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرماتے ہیں کہ یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں مجھ سے اس طرح قریب ہوگا جس طرح انگلیاں ایک دوسرے کے قریب ہوتی ہیں۔ حضور نے یتیم کی کفالت کرنے والوں کو اپنے برابر لاکھڑا کیا ہے۔

ایک اور حدیث ہے کہ جو شخص کسی یتیم بچے کو اپنے گھر بلا کر لائے اور اُسے کھلائے پلائے اُسے اللہ جنت کی نعمت عطا فرمائے گا بشرطیکہ اُس نے کوئی ایسا گناہ نہ کر رکھا ہو جو قابلِ بخشش ہی نہ ہو ایک اور حدیث ہے کہ مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بھلائی کی جائے اور مسلمان کا سب سے برا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جائے۔

ان تعلیمات نے ہر صحابی اور صحابیہ کو یتیموں پر مہربان کر دیا تھا۔ بعض صحابہ یتیم بچے کو ساتھ بٹھائے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک دفعہ
 کسی یتیم نے ایک شخص پر دعویٰ کیا کہ اس کے پاس جو قلاں نخلستان
 ہے وہ میرا ہے لیکن یتیم اپنا دعویٰ ثابت نہ کر سکا۔ حضورؐ نے
 دعویٰ خارج کر دیا، اس پر یتیم کو رونا آگیا۔ حضورؐ نے مدعا علیہ
 سے فرمایا۔ نخلستان تم اسے دے دو۔ اللہ اس کے بدلے تمہیں جنت
 عنایت کرے گا۔ وہ پھر مچھر کرنے لگا تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ
 عنہ نے اس سے کہا کہ میرے باغ سے اپنا نخلستان بدل لو اور نخلستان
 تبادلہ میں حاصل کر کے یتیم کی نذر کر دیا۔
 مسلمانوں سے پہلے یتیم خاندانوں کا کہیں وجود نہیں تھا۔ عرب پہلی
 سرزمین ہے جہاں یتیم خانے کی بنیاد پڑی۔

بیوہ اور اسلام

ہندو عورت کا فرض ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد شوہر کی چتا میں بیٹھ کر جل جائے۔ بیوہ عورت کو ہندو مذہب میں زندہ رہنے کا حق نہیں ہے اور ملکی قانون اُسے مرنے نہ دے نہ بقیہ عمر وہ بالذریعہ سے بدترین کر زندہ رہ سکتی ہے، کسی آسائش کسی آراکشی اور کسی لذت سے واسطہ نہیں رکھ سکتی۔

یہودی عورت شوہر کے مرنے کے بعد شوہر کے بھائی کی رائے ہو جاتی تھی اور عورت کی مرضی کا اس جبر یہ تعلق زمان و شئوں میں مطلق و قس نہ تھا۔ شوہر کا بھائی اُس کے ساتھ جو معاملہ کرنا چاہتا تھا کرتا تھا۔ عیسوی مذہب نے جبر دور کر دیا لیکن کوئی ایسا قانون نہیں پیش کیا خود عرب میں رواج تھا کہ عورتیں مرنے کے بعد بطور ذریعہ باقی جاتی تھیں۔

اسلام نے نسب سے پہلا کام یہ کیا کہ عورت کے سوگ کی حد قائم کر دی یعنی صرف چار مہینے اور دس دن۔ اسلام میں عورت پر سوگ

تنے دن کے لئے واجب ہے کہ ایک قریبہ چل جائے کہ مرنے والے شوہر سے محرم ہے یا نہیں ہے۔ دوسرے طبعی غم فراموش ہو جائے۔ اس محدود زمانے کو: "مست ہے۔ عذرت کے معنی ہیں" شمار کے دن"۔

حذرت: زمانہ گزر چکے تو عورت کو بناؤ سنگھار کرنے کی اجازت ہے۔ جائز بناؤ سنگھار سے اسلام پھر اس کا باعقد نہیں پکڑے گا اور وہ دوسرا نکاح کرے تو اسلام خوش ہو گا کہ اسے ماننے والی بااخلاق کے گڑھے میں گرنے سے بچ گئی اور اس نے حصول آسائش کا صحیح راستہ اختیار کر لیا۔

اللہ جو حکم ہے: **وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ** اپنی بیواؤں کا نکاح کر دیا کرو۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: بیوہ کے لئے دو طرح دھوپ کرنے والا ایسا ہے جیسا اللہ کی راہ میں دوڑ دھوپ کرنے والا۔

دوسری حدیث ہے: بیوہ کے لئے دو طرح دھوپ کرنے والا اس مجاہد کے مانند ہے جو اللہ کی راہ میں بہادری کرتا ہے اور اس شخص کے مانند ہے جو دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نفل پڑھتا ہے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچیس سال کی عمر میں ایک چالیس سالہ بیوہ (حضرت خدیجۃ الکبریٰ) سے عقد کیا تھا اور اسے اس خوبی سے نباہا تھا کہ حضرت خدیجہ سیبۃ سال کی ہو گئیں اور حضور نے ان کی موجودگی میں دوسرے نکاح کی طرف ترجیح نہیں دی تھی اور حضرت خدیجہ کے وفات پا جانے پر بھی نکاح کئے تو

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سوا بیواؤں سے کئے۔
اسلام کا قانون ہے کہ شوہر نے زندگی میں ہرنے دیا ہو تو اس کے
ترکے میں سے پہلا قرض مہر کا اُتارا جائے۔ نہر کے علاوہ بیوہ ترکے
کی دیسے بھی حصہ دار ہے۔ اولاد نہ ہو تو بیوہ کو روپے میں دو آنے ملتے
ہیں اور اولاد نہ ہو تو روپے میں چار آنے۔

عورت دوسری شادی کے معاملے میں مختار ہے۔ اسلام نے
اُسے دیوروں اور شوہر کے دوسرے عزیزوں کی حکومت ہی سے نہیں
نکالا، دوسری شادی کے معاملے میں وہ اگر قبول کرے تو بس صلاح
اور مشورہ دے سکتے ہیں۔

جر بیوہ میں چھوٹے بچوں کی پرورش اور خدمت کی خاطر دوسرا
نکاح نہ کریں اور اپنی عصمت کا پورا خیال رکھیں وہ حضور سرور کائنات
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن دو انگلیوں کی طرح
میرے قریب ہوں گی۔

مطلب یہ ہے کہ اصل چیز عصمت کی حفاظت ہے
ایک اور حدیث ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جنت
کا دروازہ کھولوں گا۔ اُس وقت ایک عورت مجھ پر سبقت لے جا رہی ہے
گی۔ میں پوچھوں گا تو کون ہے۔ وہ کہے گی۔ میں بیوہ ہوں، جس کے
چھوٹے چھوٹے کئی یتیم بچے تھے۔

عام حاجت مند اور سلام

انسان کی عمر از ابتدا تا انتہا عموماً یکساں نہیں کٹی۔ عمر میں تھوڑا بہت اتار چڑھاؤ ضرور ہوتا ہے۔ مال و دولت، عزت و وجاہت اور ندرستی وصحت کی طرح خیالات بھی جھونکے کھلتے رہتے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انجام بخیر کرے اور ایمان کے ساتھ اٹھائے۔

خیر ذکر اس وقت صرف مال و دولت کا ہے۔

میرے دوست، خان بہادر حبیب الرحمن صاحب کھانا کھلانے پر پابندیاں لگنے سے پہلے سال میں دو چار مرتبہ سینکڑوں غریبوں کو لایا کھا۔ نے بھجوا دیا کرتے تھے جیسے شادی بیاہ کے مواقع پر کھائے جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے سوچا کہ دوسروں کی نسبت اپنی برادری کے غریب ان کھانوں کے زیادہ مستحق ہیں۔ اب کے کھانا انہیں جانا چاہئے خان بہادر صاحب دلی کی پنجابی برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ دلی کی پنجابی برادری تجارتی پیشہ ہے۔ ان میں سے بہت سوں کو ۱۹۴۷ء کے انقلاب نے بنا دیا اور بہت سوں کو تباہ کر دیا۔ جہاں دلی کے

پنجابی سو اگردوں کی عظیم الشان کوٹھیاں ہیں۔ وہیں تباہ شدہ پنجابی سو اگردوں کی جھونپڑیاں بھی ہیں۔ خان بہادر صاحب نے فیصلہ کیا کہ تین سو آدمیوں کو کھانا تباہ شدہ پنجابیوں کو جلے گا۔

جس دن کھانا تقسیم ہوا تھا اُس دن خان بہادر صاحب خود وہاں گئے تاکہ تقسیم کی نگرانی کریں۔ وہاں سے خان بہادر صاحب سیدھے میرے پاس کشریف لائے اور فرمانے لگے کہ آج جو کچھ دکھایا ہے اُسے سُنائے بغیر دل نہیں چاہا کہ گھر جاؤں۔ کھانا لینے والوں میں ملا صاحب بھی تھے۔ مجھے یاد ہے وہ ۱۹۴۷ء تک یہی کھاتا، تاقاں شب ریگ اور ترنجن غریب تقسیم کیا کرتے تھے۔

ایسے واقعات ہر انسان کی آنکھوں کے سامنے گذرتے ہیں، لیکن ہر انسان ان کا صحیح احساس نہیں کرتا اور ان سے سبق نہیں سیکھتا اور نہیں بھلا دیتا ہے۔

انسان کو زیب نہیں دیتا کہ دولت و اقتدار حاصل کر کے مصیبت زدہ اور لاچار انسانوں سے بے نیاز ہو جائے۔

مکرم جنس ہے یاں دست گیری نالوں کی
خریدا کر ملیر جتنی دعائیں نسیم جالوں کی

جتنی مسلمانوں کی تعریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَرَفِیْحَ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝ ان کے ماں میں جو (مہینہ سے) مانگتا اُس کا (بھی) حصہ تھا۔ اور جو صورت سوال ہوتا اُس کا (بھی) حصہ تھا۔

عذابِ جہنم سے بچنے والوں کی بابت ارشاد ہے: وَالَّذِينَ

فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ
 (غذا بہ بچہ سے وہ مسلمان بچیں گے ۱۰۰۰۰) جن کے مالوں میں (ہر مقدار
 کا ایک) مہینہ حصہ ہے (کسے باشند) مانگنے والوں کے لئے بھی (اُن کا مال
 میں سے) دینا مانگنے والوں کے لئے بھی۔

بچہ خبر نہیں مصیبت اور لاعلاجی انسان کو کب آگیا ہے اور اس
 کا ہاتھ دوسروں کے آگے پھیلا دے۔ انسان یہ نہ سمجھے کہ اُسے بھی کسی
 کی مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

سائل کے معنی بھیگ مانگنے والے ہی کے نہیں ہیں، ہر وہ ضرورت مند
 جو تم سے امداد طلب کرے سائل ہے۔ اور محروم بھی ضرورت مند ہی
 ہوا۔ جسے فارغ الیانی میسر نہ ہو یا جس کی فارغ الیانی فلاحیت سے
 بدل جائے۔ وہ محروم ہے۔

سائل کا سوال اگر پورا نہ کیا جاسکے تو نرمی کے ساتھ عذر کرنا چاہیے
 سختی نہیں برتنی چاہئے۔ وَ أَمَّا السَّائِلُ فَلَا تَنْهَوْهُ سَائِلٌ
 کہ جھڑکا مت کرو۔

مدد کی ایک شکل یہ ہے کہ کسی اور سے مدد کرا دو۔ مَنْ يَشْفَعْ
 شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِّمَّا حَاجَ
 جو نیک بات کی سفارش کرے گا (تو امداد دینے والے کو تو ثواب

۱۵۔ مالی امداد کے علاوہ جسمانی اور علمی امداد کا طلب گار بھی سائل
 ہے۔ مثلاً کوئی لنگڑا کہے کہ مجھے ذرا اپنے کندھے کا سہارا دے دو
 تو اُسے بھی سائل کہا جائے گا۔

ملے گا ہی اُس کے ثواب میں اس (سفارش کرنے والے) کا بھی حصہ ہوگا۔
 حکم ہے: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ نیکی اور پرہیزگاری
 کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں
 میں ایک دوسرے کے مددگار نہ بنو۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص
 اپنے بھائی کی حاجت براری میں لگا رہے گا۔ اللہ اُس کی ضرورت پوری
 کرنے میں لگا رہے گا، اور جو کسی مسلمان کی کوئی مصیبت دور کرے گا۔
 اللہ قیامت کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت اُس کی دور کر دے گا۔
 ایک اور حدیث ہے: اللہ اپنے بندے کی مددیں اُس وقت تک
 لگا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔
 ایک حدیث میں ہے کہ جب اہل حاجت حضورؐ کی خدمت میں
 حاضر ہوتے تھے تو حضورؐ صحابہ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم ان کی سفارش
 کر دیا کرو تاکہ تمہیں اتنی مدد کا ثواب مل جائے۔

بیمار اور اسلام

اللہ تعالیٰ نے بیمار کو اجازت دی ہے کہ وہ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے، اور بیٹھ کر نہ پڑھ سکے تو لیٹے لیٹے اشاروں سے پڑھ لے۔

بیمار وضو کی بجائے تیمم کر سکتا ہے اور ضرورت پڑ جائے تو روزہ توڑ سکتا ہے۔

حج میر بھی بیمار کے لئے کچھ رعایتیں ہیں۔
 جہاد بیمار کر ہی نہیں سکتا۔ لَيْسَ عَلَى الْإِسْلَامِ حَرْجٌ
 وَلَا عَلَى الْإِسْلَامِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرْجٌ
 (جہاد میں شریک نہ ہو تو نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے نہ لنگرے پر کوئی گناہ ہے، نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے۔)

ذرا سیچئے بیمار کو اللہ نے اپنے حقوق معاف کرنے کے لئے اللہ کے بندوں کا بیمار کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیماروں کی عیادت

کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ عیادت کے معنی فقط بیمار پرسی کے نہیں ہیں۔ بیمار پرسی عیادت کی معمولی اور ادنیٰ قسم ہے۔ عیادت میں بیمار داری اور خدمت گزاری سب چیزیں شامل ہیں۔

حضورؐ نے ہمیں عیادت کے اداب سکھائے ہیں۔ مریض کے سامنے کیا دعائیں پڑھی جائیں یہ بتایا ہے اور بتایا ہے کہ ان باتوں کا کتنا ثواب ملے گا۔

حدیث ہے کہ جو مسلمان کسی کا غم ہلکا کرے اللہ اس کا غم ہلکا کرے گا۔

حدیث ہے کہ جب کوئی صبح کو کسی کی عیادت کرنے جاتا ہے تو شام تک فرشتے اس کی مغفرت کی دعا مانگتے رہتے ہیں اور جب کوئی رات کو کسی کی عیادت کرنے جاتا ہے تو فرشتے صبح تک اس کی مغفرت کی دعا مانگتے ہیں۔

حضرت سعید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے ان کا مسجد میں حیمہ لصب کرایا تاکہ بار بار ان کی عیادت کی جائے۔ حضورؐ کا ایک عام حکم تھا کہ ”بھوکے کو کھلاؤ۔ قیدی کو چھڑاؤ اور بیمار کی عیادت کرو۔“

عیادت کے معاملے میں حضورؐ کا سنار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسہم اور غیر مسہم کی تفریق نہیں برتتے تھے۔ حضورؐ نے یہودیوں کی عیادت فرمائی ہے۔ منافقوں تک کی عیادت کو تشریف لے گئے ہیں صحابہ کرام کا بھی یہی عمل تھا۔

ایک دفعہ حضورؐ نے عیادت کی فضیلت کو اس دلکش طرز

میں بیان فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا ”اے آدم کے بیٹے! میں بیمار پڑا مگر تو نے میری عیادت نہیں کی“ بندہ کہے گا۔ ”اے پروردگار! تو تو سارے جہان کا پروردگار ہے۔ تیری عیادت میں کیوں کر کرتا“ جواب ملے گا ”کیا تجھے خبر نہیں ہوئی کہ میرا بندہ بیمار تھا۔ تو اس کی عیادت کو جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔“

غلام اور اسلام

اس مضمون میں غلام سے مراد بنگی قیدی نہیں ہیں۔ جنگی قیدیوں کے متعلق سرور کائناتؐ کے حصہ دوم میں طویل مضمون لکھا جا چکا ہے یہاں غلام سے مراد ہیں محکوم۔ کاشتکار۔ مزدور اور نوکر۔
حاکم محکوموں کے ساتھ، زمیندار کاشتکاروں کے ساتھ، بکاغندہ مزدوروں کے ساتھ اور آقا نوکروں کے ساتھ جس نوعیت کا برتاؤ کرتے رہے ہیں اُسے ہر جاننے والا جانتا ہے۔ بے سہارے لوگوں پر ظلم ڈھانا ذی اقتدار لوگوں کا مسلک سارا ہے۔ مصر میں بنی اسرائیل غلام تھے۔ تھے تو کیا تھے اور بھارت میں اچھوت کس سلوک کی یادگار ہیں رومیوں نے غیر رومیوں سے کون سی مشقت تھی جو نہیں لی۔

عرب میں بھی کم زوروں کے ساتھ یہی طرح تک تھا۔ بلال حبشی رضی اللہ عنہ یا سریمنی رضی اللہ عنہ۔ صہیب رومی رضی اللہ عنہ۔ جناب بنی الارث رضی اللہ عنہ۔ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ۔ ابی قلیبہ رضی اللہ عنہ اور سالم رضی اللہ عنہ جیسے بے سہارا مردوں اور لہجہ رکھنے والوں کی زنجیریں تھیں۔ ہندوستان میں مسیحی اور ام عباسی رضی اللہ عنہ جیسی۔ بے سہارا عورتوں کو جتنا تباہ کیا

اُنہا اُن مسلمانوں کو نہیں ستایا جاسکا جن کا کسی قبیلے سے تعلق تھا، جن کی حمایت کے لئے کوئی قبیلہ کھڑا ہو سکتا تھا۔

اسلام نے کمزوروں کو اور بچا کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اسلام نے فَتًی سَرَقَبَۃً (گردن سے غلامی کی رسی کھولنا) اپنی تحریک کا جزو لازم قرار دیا۔ طرح طرح سے غلاموں اور زیر دستوں کو آزادی دلانے کی تاکید کی۔ ارشاد ہوا: **وَاَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا۔ اللّٰہ کو (اور فقط اللہ کو) پوجو۔ کسی کو اُس کا شریک نہ بناؤ۔** یہ تو بے پہلی بات اور دوسری بات ہے **وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا قَوْلِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ بِالْجُنُبِ وَالصّٰحِبِ بِالْجُنُبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ** (مط) ماں باپ کے ساتھ اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ اور عزیز بڑوسی اور بیگناہ بڑوسی کے ساتھ اور پہلو کے رفیق کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور اُس کے ساتھ جس کے مالک تمہارے ہاتھ ہو گئے ہیں بنو کرو۔

اللہ کی عبادت اور شرک کی ممانعت کے بعد دوسرا حکم لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے کا ہے۔ لوگوں کی فہرست دی ہے اور فہرست میں اُن انسانوں کا نام بھی ہے جن پر انسان حکومت کرتا ہے۔

انسانوں پر انسانوں کی حکومت اسلام میں جائز نہیں ہے حکومت کا حق صرف اللہ کو ہے **اِنَّ الْحُکْمَ لِلّٰہ۔** انبیاء علیہم السلام انسانیت کی تعلیم دینے آئے تھے۔ انسانیت اللہ کی بندگی ہے۔ اللہ

کی ہمہ ساری انسانیت نہیں ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 کا سب سے بڑا معجزہ انسان بنانا ہے۔ حضور کے پیرو، پیروؤں کی طرح
 ہوا میں اُڑنے اور مچھلیوں کی طرح پانی میں چلنے جیسے نوکریاں نہیں تھکتی۔
 حضور کے سچے پیروؤں کے نزدیک کمال یہ ہے کہ انسان انسان بنے۔
 حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت کر دی تھی کہ
 غلاموں کو عبد نہ کہا جائے۔ فتاویٰ (میراج خان) کہا جائے اور لوگ غلاموں
 سے اپنے آپ کو رب نہ کہو انہی، مولیٰ کہو انہی۔ حضور نے فرمایا انہیں
 تم غلام کہتے ہو۔ یہ تمہارے بھائی ہیں۔ انہیں وہ کہو اور جو انہیں کہتے ہو
 اور وہ پہناؤ جو خود پہنتے ہو، اور ان سے اتنا کام لو جتنا یہ کر سکیں
 زیادہ کام دو تو اس میں ان کا ہاتھ بٹاؤ۔ تم بھی ساتھ کام کرو۔
 صحابہ کرام اپنے غلاموں کو اس طرح رکھتے تھے جیسے وہ طہرے
 رکن ہیں اور خاندان کے ممبر ہیں۔

غلام آزاد ہونے کے بعد آزاد کرنے والے کے مولیٰ کہلاتے
 تھے یعنی آزاد شدہ غلام کا آقا ہے وَالَّذِي تَعْلَقُ رَهْتًا تَحْتَ رِجْلَيْهِ تَعْلَقُ
 نَسَبُكَ تَعْلَقُ جِيسًا هُوَ تَابِ لِحِمَّةٍ كَلْحَمَّةٍ النَّسَبِ۔
 ان ہی تعنیات کا نتیجہ تھا کہ بے شمار مسلمان غلام مسلمان اور
 تختِ سلطنت پر رونق افروز نظر آتے ہیں۔ تاہم اس دعوے کے مخالفین
 سے لبریز ہے۔

اسلامی برادری اور اسلام

عرب آپس کی لڑائیوں کے باعث دنیا بھر میں بدنام تھے کسی قبیلہ کا کوئی آدمی قتل ہو جاتا تھا تو مقتول کا قبیلہ صرف قاتل سے بدلہ نہیں لیتا تھا۔ قاتل کے پورے قبیلہ کے پیچھے پڑ جاتا تھا اور قاتل کا قبیلہ مقتول کے قبیلہ کی مستقل دشمنی مول لے لیتا تھا۔ انتقام در انتقام کا سلسلہ نسلاً بعد نسل چلتا تھا۔ صدیاں انتقامی لین دین میں بہت جاتی تھیں۔

اسلام آیا تو ایک ایسا رشتہ سا تھا لایا جو تمام رشتوں پر فائق تھا۔ اس رشتے نے صرف عربوں کو شیر و شکر نہیں کیا۔ ساری دنیا کو شیر و شکر ہونے کی دعوت دی۔ اور جس نے اس رشتے کو قبول کر لیا وہ واقعی نسل و وطن کی زنجیریں توڑ کر شیر و شکر ہو گیا۔

وَأَلْفَ بَيْنٍ قُلُوبِهِمْ ۖ لَوْ أَفْقَتْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَفْقَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَفْ يَلِينُهُمْ ۖ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ اللہ نے ان کے دل

ملا دئے۔ (اے رسول!) اگر تم ساری دنیا کی دولت (خرچ کر ڈالتے تو ان کے دلوں میں اُلفت (و محبت) نہیں پیدا کر سکتے تھے ایہ اللہ ہی کا کام تھا کہ) اللہ نے اُن کے دل ملا دئے۔ وہ (نہایت زبردست) قدرت و طاقت والا اور (تدبیر) حکمت والا ہے۔ وَاحْتَصِدَّ يَحْيٰى اللّٰهُ جَمِيعًا وَلَا كَفَرْنَا اَوْ اِذْ كُنَّا فِي الْمَدِينَةِ اللّٰهُ عَلَيْنَا اِذْ كُنَّا اَعْدَاءً فَالْتَفَيْنَا بَيْنَ كَانُفَيْنَا فَاَصْحَعْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا ج اللہ کی رسی کو سب مضبوط پکڑو اور اتحاد کو مت توڑو۔ اور اللہ کی (اس) نعمت (اور عنایت کو یاد رکھو جو) (اُس نے) تم پر کی ہے کہ ایک وقت تم (ایک دوسرے کے دشمن تھے) (اللہ نے) تمہارے دلوں میں (ایک دوسرے کی) اُلفت ڈال دی اور تم اس کی ہر بانی سے بھائی (بھائی) ہو گئے۔

اسلام کے عظیم گمراہی قرار دیتا ہے کہ آدم اور حوا کے بیٹے زمین کے ٹکڑوں اور خانہ دان کی آتش لیتوں میں کھو جائیں اور آدم حوا کے بیٹے ہوئے اور بھائی اور بھائی بن گئے۔ جسے یہ رشتہ کو توڑتا ہے، اسلام اُسے جوڑتا ہے۔ انسان اور انسان کے درمیان پھیل جانا اور خانہ دانوں میں بٹ جانا رشتہ خلقت کو ختم نہیں کر سکتا۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَنَسَاءٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَكُمْ سُبُوًا قَرَابَاتٍ لِّتَعَارَفُوْا۔ اِنَّ الْكِرَامَ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىهُمْ۔ اے لوگو! تمہارے (دنیا میں) ہر ایک کی خلقت کا وسیلہ مرد اور عورت کا اتحاد (و رکن ہے) اور تمہیں نسلی اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ (مض) اس لئے کہ باہم پہچاننے جاؤ۔ زور نہ دراصل یہ ذریعہ امتیاز نہیں ہے) امتیاز اور شرف تو اسی کو حاصل ہے جو اللہ کے نزدیک زیادہ متقی ہے۔

قومیت کا مدار اشتراک وطن بن گیا تھا۔ اور آج بھی عموماً یہی مدار ہے، لیکن اسلام نے دین کے اشتراک کو بنیاد بنایا اور وطن، نسل، رنگ اور زبان کے امتیازات کی جگہ روحانی امتیاز کو دے دی۔ اسلام وطن، نسل، رنگ اور زبان کے وجود کا منکر نہیں ہے۔ وجود سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے۔ وَمِنْ آيَاتِهِ اِخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوِلَايٰتِكُمْ وَجُودُ تَوْبَةٍ لِّكُنْ فِقْطُ اس لئے کہ ”ہم پہچانے جاؤ“ (لِتَعَارَفُوْا) اسلام ایسی عالم گیر برادری کی طرح ڈالتا ہے جس کے دامن میں نوع انسانی کا ہر حصہ پناہ لے سکے۔ اللہ کی زمین باہمی اتحاد کے واسطے ہے اُسے نزاعات کا گھر نہ ہونا چاہئے۔ اسلامی قومیت اختلافات اور تفرقات کی بجائے واحد معبود کی وحدت پر قائم ہے۔ تمام رشتے مصلحتی ہیں اصل رشتہ وہی ہے جو مخلوق کو خالق اور میر و مرگوار سے قریب رکھتے اِنَّ هٰذَا كَمِ اُمَّتِكُمْ فَرِحْنَا وَارْتَاٰ كَرِهْنَا وَالْمُؤْمِنُونَ۔ تمہاری جماعت واحد جماعت ہے اور ہم تمہارے واحد پروردگار اور بننے والے ہیں۔

اس رشتے کی مضبوطی اسی وقت تک ہے جب تک سب اس کو مضبوطی سے پکڑے رہیں اور دوبارہ اختلافات پیدا نہ کیے گئے۔ پکڑے نہ ہو جائیں۔ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ اَخْبَرُ فَتَقَرَّبُوْا وَتَذٰهَبْ رِيْبُكُمْ۔ اللہ اور اس کے رسول سے قریب رہو (انوار اور ہدایات کی پابندی کا خیال رکھو۔ اور آپس میں جھگڑ مت۔

۱۰ تمہاری زبانوں اور تہذیبوں کے اختلاف اللہ کی نشانیوں میں سے ہے

(خود سری اور نا اتفاقی وہ بُری بلائیں ہیں کہ چند دن میں تمہاری قوت کو منتشر اور تمہارے شیرازے کو بکھیر دیں گی۔ اگر تم نے اللہ رسول کی طلعت اور متحد رہنے کی پرواہ نہ کی۔) تو تم (بے ہمت اور سست) ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

دین کا رشتہ اس قسم کا رشتہ ہے کہ دین میں شامل ہوتے ہی سخت سے سخت دشمن مسلمانوں کا بھائی ہو جاتا ہے۔ **فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ** (منکرین اگر (انکار سے) باز آجائیں، اور (احکام الہی کو واجب العمل مان لیں) نماز (کو نماز کی طرح) پڑھیں اور زکوٰۃ (کو خلوص نیت کے ساتھ) ادا کریں تو (مسلمانو! یہ) تمہارے دینی بھائی ہیں۔

دین کا رشتہ اس قسم کا رشتہ ہے کہ دین میں شامل ہوتے ہی ایسا غلام جس کے باپ تک کا پتہ نہ ہو مسلمانوں کا بھائی بن جاتا ہے۔ **فَإِنْ لَّمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَلِاخْوَانِكُمْ فِي الدِّينِ وَ مَوَالِيكُمْ**۔ اگر تم اُن کے یا پلوں کو بھی نہ جانتے ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور علاقہ مندر۔

یہ بات کسی اور رشتے میں میسر نہیں آتی۔
مسلمان مسلمان کو قتل بھی کر دے تو قاتل مقتول کے رشتہ داروں کا بھائی ہی رہے گا۔ دین کا رشتہ ٹوٹے گا نہیں۔ **فَمَنْ عَدَىٰ كَدَ مِنْ آخِيهِ شَيْءٌ**۔ اگر قاتل کو اُس کے بھائی کی طرف سے کچھ موٹ کر دیا جائے۔ دیکھئے بھائی کا لفظ باقی ہے۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی غیبت کرے تو اسے مردہ بھائی
 کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اَلْيُحِبُّ اَحَدٌ مِّنْكُمْ اَنْ يَّكُلَ
 رَحْمَۃَ اَخِيْهِ مَيِّتًا۔ کیا تم میں سے کوئی یہ بات پسند کرے گا
 کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ یہ تمہیں (کبھی) گوارا نہیں
 ہوگا۔ (ابن الغیبت بھی ناگوار ہونی چاہئے۔ پیٹھ پیچھے برائی کرنا مرے
 کا گوشت کھانا ہے)۔

ایک مسلمان بھائی کا دوسرے مسلمان بھائی پر حق ہے۔ وہ اس
 کے لئے دعا کیا کرے اور کہا کرے: رَبَّنَا اَشْفِرْ لَنَا دَوْلَةً خَيْرًا مِنَّا
 الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں
 اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں۔ معاف
 فرما دے: وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًا لِّبَنِيْنَ اٰمَنُوْا
 رَبَّنَا اِنَّكَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ اور ہمارے دلوں میں مسلمانوں
 کی طرف سے کینہ نہ رہنے دے۔ اے ہمارے پروردگار! تو مہربان
 اور رحیم ہے۔

مسلمانوں کو آپس میں رحم و شفقت رکھنی چاہئے رَحْمًا عُرْبَيْنَهُم
 (آپس میں رحیم و شفیق) اُن کی شان ہے۔ مسلمانوں کو دوسرے مسلمانوں سے
 جھگڑ کر ملنا چاہئے اِذْكُوْا عَلٰی الْكُوْمِيْنِيَّتِ (مسلمانوں سے جھگڑنے
 اور نرمی برتنے والے اُن کی صفت ہے۔

اتفاق سے مسلمانوں میں کسی بات پر اختلاف پیش آجائے تو
 اُسے دور کرنے کی صورت بھی بتا دی ہے کہ اللہ اور رسولؐ کے حکم کی
 طرف رجوع کیا جائے: كَانَ تَنَادَحُهُمْ فِيْ شَيْءٍ فَوَرَدَّوْا

إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ - اگر کسی معاملے میں تمہارے (اپس میں) یا تمہارے اور اولوالامر کے درمیان اختلاف اُپڑے تو اس معاملے میں اللہ اور رسول (کے احکام) کی طرف رجوع کرو۔

اور اگر اختلاف جھگڑے اور جدال کی حد تک پہنچ جائے تو مسلمان زیادتی کرنے والے سے لڑیں اور اُسے صلح کے لئے مجبور کر دیں۔ وَإِنْ ظَلَمْتُمْ مِنْ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتِلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيحَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ - اگر مسلمانوں کے درگروہ آپس میں لڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔ اور اگر ان دونوں میں سے ایک (گروہ) دوسرے (گروہ) پر زیادتی کئے جائے تو زیادتی کرنے والے گروہ سے لڑو یہاں تک کہ وہ حکم الہی کی طرف رجوع کرے (اور ہنگامہ و فساد چھوڑ دے)

ایک حدیث ہے: اَلْضَّمُّ اَحَادٌ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُومًا۔ اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ ظالم ہو خواہ مظلوم۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد کو تو ہم سمجھ گئے۔ لیکن ظالم کی مدد کیوں کر کی جائے؟ حضورؐ نے فرمایا۔ اُسے ظلم کرنے سے روک دو۔ یہ اس کی مدد ہے۔

حضورؐ فرماتے ہیں: مسلمانوں کو تم ایک دوسرے پر رحم محبت اور شفقت کرنے کے اعتبار سے جسم انسانی کی مانند پادھو گے کہ جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے سارے اعضاء، بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ آنکھ دکھے تو اور سر دکھے تو سارا جسم

و مکہ محسوس کرتا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ اُمت مسلمہ ایک جسم ہے اور اس کے افراد اس کے اعضاء ہیں۔ لہذا فرد واحد کو تکلیف پہنچے تو ساری قوم کو وہ تکلیف محسوس کرنی چاہئے

ایک اور حدیث ہے: مسلمان قوم مثل دیوار کے ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے سے مل کر اور جڑ ٹکر مضبوط ہوتا ہے۔ یعنی کبلی اینٹ میں اور بہت سی اینٹوں کے انضمام میں بڑا فرق ہے۔ اسیلی اینٹ کو بچے توڑ سکتا ہے اور دیوار کو پہلوان نہیں گر سکتا۔ ہاں ایک اینٹ اپنی جگہ چھوڑ دے تو پوری دیوار گر جاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی قابلیت اور صلاحیت فقط اپنے آپ پر صرف نہ کرے قوم و ملت پر بھی صرف کرے۔ وہ خود جب ہی زندہ رہ سکتا ہے جب تک مسلمان زندہ ہوں۔ تنہا مسلمان نہ رہا ترقی کرے اس کی ترقی کسراک ہے۔

صحابہ نے ایک دفعہ سوال کیا۔ یا رسول اللہ! سب سے اچھا مسلمان کون ہے؟ فرمایا: جس کے ہاتھ اور جس کی زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔

ایک حدیث ہے: مسلمان کو گالی دینا فسوق ہے یعنی اللہ کی نافرمانی اور اس سے لڑنا اور قتال کرنا۔ اللہ کا انکار ہے یعنی کفر۔ یہ اس لئے کہ اللہ نے مسلمانوں کو باہم صلح و آشتی کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے جو اللہ کے حکم کو نہیں مانتا وہ اللہ کا انکار نہیں کرتا تو اور کیا کرتا ہے مسلمان کو قتل کرنے کی سزا بھی وہی ہے جو کافر کی ہے۔ و ممکن

يَقْتُلُ مَوْدِنًا مُتَعَمِّدًا كَجَزَاءِ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا
 وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا
 عَظِيمًا۔ جو مسلمان (چنان بوجھ کر) اراداً کسی مسلمان کو قتل
 کر ڈالے تو اس کی سزا جہنم ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور
 اُس پر اللہ کا غضب (نازل) ہوگا۔ اور اللہ کی بھڑکا رہ پڑے گی
 اور (اللہ نے) اُس کے لئے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے۔
 حجۃ الوداع کے خطبہ میں حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم نے فرمایا: دیکھو میرے بعد کافر مت ہو جانا کہ ایک دوسرے کی
 گردن مارنے لگو۔

جان تو بڑی شے ہے، کسی مسلمان کی آبرو کے پیچھے بھی پڑنا گناہ
 عظیم ہے۔ حضور کا ارشاد ہے: ”سب سے بڑا ربا کسی مسلمان کی
 آبرو کی طرف ہے سبب ہاتھ پڑھانا ہے“ اور حضور فرماتے ہیں
 اگر کوئی مسلمان ایسے شخص سے میں بچنے جائے کہ اُس کی آبروریزی ہونے
 کا ڈر ہو تو ہر مسلمان کا رض ہے کہ اُس کی آبرو بچائے۔ کوئی مسلمان
 کسی مسلمان کو اس قسم کے موقع پر بے مدد چھوڑے گا تو اللہ
 اسے اس قسم کے موقع پر بے مدد چھوڑ دے گا اور اگر کوئی مسلمان کسی
 مسلمان کی اس موقع پر مدد کرنے کا تو اللہ اس کی اس قسم کے موقع پر
 مدد فرمائے گا۔“

ایک حدیث ہے کہ تم میں سے کوئی مومن کامل نہیں ہے جب تک
 وہ اپنے بھائی کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔
 وہ مسلمانوں کی بول چال بند ہو جائے تو حضور نے بت دن سے

زیادہ بول چال بند رکھنے کو منع کیا ہے اور کہا ہے کہ بول چال بند کرنے والے دو مسلمانوں میں افضل وہ ہے جو سلام (اور سلامتی) میں سبقت کرے۔

ایک بات اور سن لیجئے۔ جب کوئی شخص اپنے تئیں مسلمان کہے اور اظہار اسلام کے لئے کفن کو سلام کرے تو اسے یہ حق نہیں رہتا کہ سلام کرنے والے سے کہہ دے کہ تو مسلمان نہیں ہے۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَى إِلَيْكُمْ السَّلَامَ كَسْتُمْ مَوْجِنًا۔ جو شخص تمہیں (اسلامی) سلام کرے اس سے یہ مت کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔

مسلمان کو کہہ نہ کہہ خود ایک درجے کا کافر ہے۔

ایک جنگ میں کوئی مخالف کسی صحابی کی زد میں آگیا تھا۔ صحابی نے اسے قتل کرنا چاہا تو اس نے فوراً کلمہ پڑھ دیا مگر صحابی نے اسے چھوڑا نہیں قتل کر دیا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو حضور نے صحابی کو بلا کر فرمایا کلمہ پڑھنے کو تم نے کیوں قتل کیا۔ صحابی نے کہا۔ یا رسول اللہ! وہ دل سے تھوڑا ہی ایمان لایا تھا۔ موت کے ڈر سے کلمہ پڑھنے لگا تھا۔ حضور نے فرمایا دو تم اس کے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے ساتھ کیا کرو گے؟ دو کیا تم نے اس کا سینہ چیر کر دیکھ لیا تھا؟

مومن ہونا مشکل ہے مسلم ہونا مشکل نہیں ہے۔ قَالَتْ أَلْعَرَابُ أَمَّا ظَقُلُ كُمْ تَوَعَّدُونَا وَلَكِنْ قَوْلُكُمْ أَشْمَتٌ وَكَمَا يَدْخُلُ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِهِمْ طَرِيقًا يُدْخِلُهَا رَبُّهُمْ بِي هَمَّائِيَانِ لَمْ يَكُنْ (اے رسول!) آپ ان سے فرمائیے کہ تم (بھی)

ایمان نہیں لائے بلکہ لیوں کہو کہ ”ہم مسلمان ہو گئے“ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

مسلمان تو وہ ہے جس کے بل (STRENGTH) پر پاکستان بن گیا اور جسے ۱۹۴۷ء میں بھارت کے غیر مسلم مسلمان سمجھتے تھے۔ جسے بھارت کے اندر ٹھہرنا دو بھر ہو گیا تھا۔ بادشاہوں کے دربارے کے مسلمان بھی پریشان تھے اور گداؤں کے دربارے کے مسلمان بھی پریشان تھے۔ بھارت کی زمین سب ہی کے پیروں سے نکلی جاتی تھی، لیکن جان بچانے کے لئے کسی ایسے شخص نے بھی جسے صحیح کلمہ تک پڑھنا نہ آتا تھا یہ نہیں کہا کہ ”میں مسلمان نہیں ہوں“

انسانی برادری اور سلام

لوگوں سے اچھائی کے ساتھ پیش آنا اور انہیں اچھی باتیں بتانا انسانیت ہے۔ اللہ حکم فرما ہے: وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا لوگوں کو اچھی بات بتاؤ۔ اس میں اپنے پرانے کی تخصیص نہیں ہے کوئی ہو۔ اچھی باتیں بتانی چاہئیں۔ انسان کی تبلیغ انسانی خیر خواہی کا خیال کر کے ہی کی جاتی ہے اور جس کی تبلیغ میں انسانی خیر خواہی کا خیال شامل نہیں ہے وہ اسلام کی پیروی نہیں کرتا۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم صرف مسلمانوں کے لئے نہیں۔ سب انسانوں کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو تو تم مسلمان بن جاؤ گے۔ یعنی جب تک مسلمان سارے انسانوں کی بھلائی کا جذبہ دل میں نہ رکھے وہ پورا مسلمان ہی نہیں ہوتا۔

ایک اور حدیث ہے: تم میں سے کوئی اس وقت تک پورا نہیں ہوگا جب تک وہ دوسرے انسانوں کے لئے وہی پسند نہ

کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، اور جب تک وہ انسان سے صرف اللہ کے لئے محبت نہ کرے۔

ایک حدیث میں ہے: اے لوگو! ایک دوسرے سے کینہ مت رکھو۔ ایک دوسرے سے حسد مت کرو۔ ایک دوسرے سے مہینہ مت پھيرو۔ اور اے بندگانِ خدا! پس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

صحابہ کچھ غریبوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ وہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے تو صحابہ نے ان کی امداد بند کر دی۔ اللہ نے فرمایا: کَیْسَ عَلَیْکَ هٰکِذَا هُمْ وَالْکَیْفَ اللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ عِزًّا وَهُوَ قَاتِلُ الْفٰسِقِیْنَ مِنْ خَیْرِ کُلِّ نَفْسٍ عَلٰی مَا کَانَ عَلَیْہِمْ اَنَا (اے رسول! تمہارے اختیار کی چیز نہیں ہے۔ ہاں اللہ جس کو چاہتا ہے راہ پر لے آتا ہے اور (اے مسلمانو!) جو بھلائی کا خرچ تم کرو گے وہ اپنے (نفع کے) واسطے کرو گے (اُس کا نفع تمہیں بہر حال پہنچے گا۔ تمہاری نیکی کا ثواب بہر حال ملے گا۔)

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں سے ان کے مشرک والدین کی مدد کرتے تھے۔ حضور کے سامنے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے مشرک بھائی کو تھپہ بھیجا۔ حضور نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔

جو رسولؐ جالوزوں کے باہم لڑنے کو منع فرماتا ہو وہ انسانوں کے ملے رہنے سے کیسے اختلاف کر سکتا تھا۔

جالوزوں کے گوشت کو اللہ نے انسانوں کی غذا بنایا ہے۔ پچانوے فی صدی انسان گوشت کھاتے ہیں اور کھانے پر مجبور ہیں۔ نہ کھائیں تو

پیٹ کیسے بھریں۔ لیکن اسلام کی ہدایت ہے کہ جانور کو ضرورتاً ہی ذبح کرو اور ضرورتاً ذبح کرتے وقت کندی چھری استعمال نہ کرو۔ ذبح کرنے میں جانور کے ساتھ جانور پن اور سختی مت برتو۔ اسی طرح خاص خاص حالات میں مسلمانوں اور عام انسانوں کا فرق کرنا پڑ جاتا ہے، ورنہ عام انسانوں کے ساتھ اسلام سے بہتر سلوک کسی مذہب نے نہیں سکھایا عام انسان تو الگ رہے جو غیر مسلم مسلمانوں کے مقابلے میں فرق بن کر نہیں اُن کے ساتھ اسلام کیا سلوک سکھاتا ہے اُسے آپ لکے مضمون میں بالتفصیل ملاحظہ کریں گے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: بُرائی کے بدلے بھلائی کرو تو بُرائی مٹ جاتی ہے۔

ایک اور حدیث ہے: ہر اُس ہستی کے ساتھ جس میں زندگی کی تری ہے نیک سلوک کرنا موجب ثواب ہے۔

ایک اور حدیث ہے: تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

ایک اور حدیث ہے: جو بندوں پر رحم نہیں کرتا اُس پر اللہ رحم نہیں کرتا۔

غیر مسلم اور اسلام

مذہب عیسوی کی یہ ہدایت بہت مشہور ہے کہ دقتیرے نہ بنیں گال پر اگر کوئی تھپڑ مارے تو یا یاں گال بھی اس کے آگے کر دے۔ لیکن اس ہدایت کے مطابق عمل کرتے ہیں نہ کسی عیسائی کے مذہب دیکھا اور نہ سننا اور نہ کتابوں میں پڑھا کہ فلاں کو دیر یا تیرا ہے کہ عیسائی دائیں گال پر تھپڑ مارنے والے کے آگے یا اچھال کر دیا کرتے تھے کہ اسے بھی نوازے۔ آج کل کچا عالم آپ کے سامنے ہے۔

بہنوں میں بے شک ایسے لوگ کچھ موجود ہیں جو مذہب پرست اور کپڑا باندھے رہتے ہیں تاکہ مولیٰ تیرا ہم سانس کے ساتھ دیر نہ کرے۔ راستے سے جھکیں۔ مولہم کے راستے سے نہ جھکیں اور ان کے کلمہ ہلاک ہو۔ موزی ہلاک ہو کہ ہلاک نہ کرنا شاید سب مذہب کا مذہب ہے مگر ایسا احساس ہوتا جاتا ہے کہ ان بالکل نے مہنوں کو قبول کیا کھائے۔

اسلام ایسی بے معنی رحم دی نہیں سکھا کہ ہلاک گال آگے کرتے

غلافِ فطرتِ تعلیم نہیں دیتا۔ اسلام کا رحم دکھائی دینے والے یہ فرق اور جانوروں تک محدود رہے۔

ایک سفر میں حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ صحابہ کرام جب جگہ کھانا پکھا رہے ہیں وہاں چوہنٹیاں ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ یہاں کھانا پکاؤ۔ ان چوہنٹیوں کی جان کا خیال کرو۔ اِنْ حَيَّرْتُمْ فِي الْبَلَاءِ رَحِمَكَ مَنْ فِي السَّمَاءِ تم زمین والوں پر رحم کہو۔ زمین والا تم پر رحم فرمائے گا۔ مَنْ يَحْرِمُ الْوُفْقَ يَحْرِمُ الْخَلْقَ حُرَّاسَانِ بَرِّی سے محروم ہو گیا وہ ہرشی سے محروم ہو گیا لیکن مؤذی جانوروں کو نالے سے اسلام نہیں روکتا۔ قَتَلَ الْمُؤْذَى قَبْلَ الْإِيْذَانِ اِیسا لوں کا تشکیہ کلام ہے۔

اسلام رحم کے وقت رحم کرتا ہے اور سختی کے وقت سختی۔ کیڑے مکوڑوں سے لے کر انسانوں تک سے برتاؤ کی اسناد میں ہدایات دی ہیں۔ اسلام انسان اور انسانیت کا بڑا قدردان ہے۔ مسلمانوں مسلمانوں میں کھسٹ پڑنے کو تو اسلام نے شرک کے مشابہ بتایا ہے یعنی عظیم ترین گناہ

لفظ اسلام میں افراط اور تفريط دونوں ناجائز تھے۔ وصفتِ اسلام کے نزدیک ان وقت تک وصفت ہے جب تک وہ معتدل اور متنا سبب نہ ہو یہ خرچ کرنا اچھی بات ہے لیکن افراط سے خرچ کیا جائے گا تو اسراف کہلائے گا اور تفريط سے خرچ کیا جائے گا تو غل کے حکم میں آئے گا۔ انی خرچ اسلام شرافت اور بے غیرتی کا فرق سکھاتا ہے۔
سے مؤذی جانور کو بڑا پانے سے قبل مار ڈالو۔

لَا تَكُونُوا مِمَّنْ أَلْحَسَىٰ لَيْتَ مِنَ الَّذِينَ كَرِهُوا مُحَمَّدًا
 وَكَانُوا شَيْعًا۔ (اے مسلمانو! تم کہیں مشرکین کی صف میں نہ جا ملنا
 جنہوں نے اپنے دین کے پر خچے اڑا دیے ہیں اور گرزہ گردہ ہو گئے ہیں
 گویا متفرق اور منتشر ہونا شرک یا مثل شرک یا مشابہ شرک ہے، اور حضرت
 موسیٰ علیہ السلام جب امت کو حضرت ہارون علیہ السلام کے سپرد
 کر کے تورات لینے طور پہاڑ پر گئے۔ اور اس کے پیچھے سامری نے امت
 سے بچھڑے کی پوجا کرادی تو موسیٰ غصے میں بھرے (اور) غم میں ڈوبے،
 واپس آئے (اور) کہنے لگے۔ اے میری قوم والو! تمہاری عقلیں کہاں
 چلی گئی تھیں، کیا تم سے تمہارے رب نے (توریت جیسی مصلح کتاب دینے کا)
 پیارا وعدہ نہیں فرمایا تھا۔ کیا (اس وعدے کے پورا ہونے میں چند
 دن لگ جانے سے وہ) وعدہ تمہیں (بہت) لمبا معلوم ہوا۔ یا تم نے
 (جان بوجھ کر) اس کی تمتا کی ہے کہ تمہارے رب کا قہر تم پر ٹوٹ پڑے۔
 تم نے مجھ سے بیان (حق پرستی) باندھ کر توڑا ہے۔ وہ بولے (اے موسیٰ)
 ہم نے تم سے بیان بطور خود نہیں توڑا۔ بلکہ (ہم سامری کے بہکائے میں
 آگئے۔ واقعہ یہ ہے کہ مصر سے روانہ ہوتے وقت) قبیلوں کے زیورات
 کے گھڑبم پر لا دوئے گئے تھے۔ ہم نے سامری کے کہنے سے بچھلانے
 کے لئے اُن (زیورات) کو (اگ میں) ڈال دیا۔ علیٰ ہذا سامری نے (اپنا
 زیور بھی لاکر) ڈالا۔ پھر اس نے (ہم) لوگوں کے واسطے (اس پچھلے ہیرے
 سونے سے) بچھڑے جیسا ایک ڈھا پچھ (ڈھال کر) نکالا، جس میں سے

لہٰذا یہاں سے ”خیال نہ رکھنا“ تک قرآن مجید کا بیان ہے۔۔

بچھڑے جیسی آواز نکلتی تھی۔ اور (بچھڑے) سامری اور سامری کے ساتھیوں نے کہا کہ یہ تمہارا معبود ہے اور سوسنی کا معبود (در اصل یہی ہے۔ موسیٰ جو طور پر گئے ہیں تو یہوں (دک) گئے ہیں (وہاں جلنے کی حقیقتاً ضرورت نہیں تھی)

موسیٰ نے (بارون) کے سر اور ڈاڑھی کے بال پکڑ کر کہا۔ اے بارون! جب تو نے دیکھا (نقشہ) کہ یہ کمرہ ہوئے جاتے ہیں تو میری پیروی (اور میری تقلید میں) نہیں سمجھانے) سے تجھے کس نے روکا تھا۔ کیا تو نے (بھی) میری نافرمانی کی۔

بارون نے کہا۔ اے میرے ماں بھائی! میری ڈاڑھی اور سر کے بال نہ پکڑو (اور مجھ پر نرم مت ہو۔) نرمی سے جتنا سمجھایا جاسکتا تھا، میں نے سمجھایا۔ لیکن میری سسنی نہیں گئی۔ (ہاں) اس بات سے میں بے شک (نہ) کہ تخی برتوں اور غور۔ (اللہ پرستی سے نبرد ستی بروکوں) تو میں تم سمجھ سے (نہ) کہو کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ پیدا کر دیا اور (میں) تو صریح سلامتی سے رہنے کو کہہ گیا تھا، تو نے میری بات کا خیال نہ کیا۔ (کی شخصیت) اَنْ كُنْوَ كَذِبًا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَذِبٌ كَبِيْرٌ اِنَّكُمْ لَآ تَعْلَمُوْنَ اَنْتُمْ كَاٰفِرُوْنَ ۝

جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ تفرقہ ڈھونڈ دیا ہوتا۔ گویا حضرت (ارون) علیہ السلام کا غور قبول کر لیا۔ پھر حضرت بارون (خود بھی) نبی تھے۔ ان کا جواب غلط ہو ہی کیسے سکتا تھا۔ یہ اللہ ان کے جواب کو بیان کر کے غلط نہیں بتاتا۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ اتنا درخت اور تفرقہ نہ ہونے دینا کتنا اہم ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام

نے اتحاد کی خاطر نبی اسرائیل کے جلد باز مشرکوں پر اتنی سختی نہیں کی جتنی سختی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں مستحق سمجھ رہے تھے۔

انسان نوازی اس سے زیادہ اور کیا ممکن ہے۔ بھول کر شرک بھی کر بیٹھیں تو پتہ نہ کاٹو۔ شرک چھڑ کر لوگ توحید اختیار کر سکتے ہیں، لیکن پتہ کٹ گیا اور تفرقہ تو نہ توحید اختیار کریں گے اور نہ دنیا کو چین سے رہنے دیں گے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ کہتا ہے: اُدْعُ اِنِّیْ سَبِیْلُ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ ”لوگوں کو اپنے رب کے راستے پر حکمت کے ساتھ اور نیک وید سمجھا کر بلاؤ“ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیْ اَحْسَنُ ”اور اُن کے اعتراضوں کا جواب دہ ایسے طریقے سے دو کہ انہیں خوش گوار محسوس ہو“

جو طرز ہم نے اختیار کر لیا ہے یہی طرز حضور کا ہوتا تو اسلام نہ

پھیلتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فِیْمَا رَحْمَةً مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ج (اے محمد! یہ) اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان (لوگوں) کے حق میں نرم ہو۔ وَلَوْ کُنْتَ نَفْطًا عَلِیْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوا مِنْ حَوْلِکَ ص اور جو کہیں تم تند خو اور سخت قلب ہوتے تو (سب) تمہارے پاس سے بھاگ جاتے۔ پیغمبر کا نرم دل ہونا اللہ کا احسان ہے تو عام کو سخت برتاؤ کی کہاں گنجائش اور سختی کہہ کے بغیر توقع نہیں رکھ سکتا کہ لوگ اس کی طرف سختی برت کر کامیابی کی توقع کیسے کر سکتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا خواستہ مسلمان تکلیف نہیں دیتے تھے۔ حضور کے حسبِ تحمل کی دنیا معترف ہے وہ غیر مسلمین کو بھی

میں تھا غیر مسلموں کی فقط زبانوں سے نہیں، غیر مسلموں کے ہاتھوں سے
 حضور تکلیفیں اٹھاتے تھے۔ مگر بددعا نہیں دیتے تھے، بلکہ دعا کرتے
 تھے کہ الہی ان کو آنکھیں کھول۔ اَللّٰهُمَّ اِهْدِ قَوْمِي الْصِّرَاطَ
 لَا يَعْصُونَ۔ یا اللہ انہیں ہدایت دے۔ یہ (جاہل ہیں) حق ناحق
 کو پہچانتے نہیں ہیں۔

مسلمانوں کو حکم ہے : لَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَكْفُرُونَ
 مِنْ دُونِ اللَّهِ۔ شاہ رفیع الدین صاحب نے اس کا ترجمہ کیا
 ہے ”مت برا کہو ان لوگوں کو کہ پکارتے ہیں سوائے خدا کے“ یعنی
 جو اللہ کی بجائے اوروں کی پرستش کرتے ہیں۔ انہیں برا مت کہو۔

اَلَّذِينَ يَصِلُونَ اِلٰی قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ
 مِيثَاقٌ اَوْ جَاءُوكُمْ حَصْرَتٌ صُدُّوهُمْ اَنْ
 يَقَاتِلُوكُمْ اَوْ يِقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ط وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ
 كَسَطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَافْتُلُوكُمْ بِهِمْ (غیر مسلم) ان لوگوں میں
 جملے ہیں جن سے تمہارا عہد و پیمان ہے یا (ایسے غیر مسلم) جنہیں اپنی
 قوم کی طرف اری کر کے تم سے لڑنا اور تمہاری طرف داری کر کے اپنی قوم
 سے لڑنا پسند نہیں ہے اور وہ تنگ آکر تمہارے ہاں پہنچ گئے ہیں، تو
 انہیں گرفتار کرنا اور قتل کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اللہ اگر چاہتا تو ان کو
 تم پر مسلط کر دیتا (اور) پھر وہ تم سے ضرور لڑتے (مگر اللہ نے ان کے
 دلوں کو تم سے مرعوب کر دیا) اِنْ اَنْتُمْ كُنْتُمْ يٰقَاتِلُوكُمْ
 فَاَنْتُمْ اِلَيْهِمْ السَّلَامُ لَا فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ مَلَائِكَةً

عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۝ لہذا اب یہ غیر مسلم تم (کوستانے) سے باز رہیں۔
 اور تم سے نہ لڑیں اور تمہارے ساتھ سلامت روی کا برتاؤ برقی تو
 اللہ نے ایسے غیر مسلموں پر سختی کرنے کو تمہارے لئے کوئی راستہ نہیں
 چھوڑا ہے (سختی کرنے کے تمام راستے بند کر دئے ہیں)

اور ارشاد ہے: فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَخُطِّمُوا قُلُوبَهُمْ قَوْلًا مَّيْلِيًّا (اے محمدؐ) منافقوں سے دور گذر
 کرو اور انہیں سمجھاؤ اور ایسی باتیں کہو کہ ان کے دل میں اُتریں۔

وَلَا يَجْرِي سُلُوكُ شَتَانٍ قَوْمٍ عَلَى الْآخَرِينَ كَوَافٍ
 اِعْدِلْ كَوْفًا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ - کسی قوم کی دشمنی تمہیں
 انصاف سے نہ بھٹکائے۔ سب کے ساتھ انصاف کرو۔ یہ بات تقویٰ
 سے قریب تر ہے۔

لَا اِكْرَاهًا فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ - دین کے معاملے میں زبردستی نہیں کی جاسکتی (دین کا معاملہ
 دل کا معاملہ ہے۔ جس کا دل ہی دین کی جانب نہیں آتا اسے زبردستی
 دین میں شامل کرنے سے حاصل کیا ہے) صحیح راستہ غلط راستے سے نمایاں
 ہو چکا (اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے ایمان نہ لائے)
 فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمَرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ (وہ جو
 چاہے تو کوئی کام کرے اور جو چاہے تو کوئی کام نہ کرے) (اے پیغمبرؐ) سمجھانے پر بھی لوگ نہ

تجھیں اور موبہ مکر رکھیں تو تمہارے ذمہ تو صرف (تم اپنی پہنچ
 دینا ہے۔ کُت عَلَیْہُمْ یُضْطَرُّ۔ تم ان پر دروغ نہیں بولنے
 گئے ہو۔

لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ طِ ادْفَعُ بِالَّتِی
 هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِی بَیْنَکَ وَبَیْنَهُ عَدَاوَةٌ کَانَ
 وَحِیَّ حَکِیْمٌ ۝ وَمَا یُلْقِہَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوا وَمَا
 یُلْقِہَا اِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝ نیکی اور بری بڑی بری چیزیں نہیں
 ہیں۔ برائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو کہ وہ دوسرے کو بھلا لگے۔
 اگر تم نے یہ کیا تو تم دیکھو گے کہ تم میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ
 تمہارا دلی دوست بن گیا۔ اس قسم کے برتاؤ کی توفیق ان ہی کو دی
 جاتی ہے جو صبر و ضبط سے کام لیتے ہیں اور جنہیں اس قسم کی توفیق
 ملتی ہے وہ بڑے صاحب نصیب ہوتے ہیں۔

اسلام نے جن اخلاق حسنہ کی تعلیم دی ہے۔ ان کی بابت یہ
 کہیں نہیں کہا کہ انہیں صرف مسلمانوں کے ساتھ برتنا۔ غیر مسلموں کو
 ان سے محروم رکھنا اور اس آیت میں تو خاص کر دشمنان سے حسن سلوک
 کی تاکید کی گئی ہے۔ فرمایا کہ برائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو گے جو
 دوسرے کو اچھا لگے تو تم دیکھو گے کہ تم میں اور جس میں عداوت تھی وہ
 تمہارا دلی دوست بن گیا اور فرمایا کہ ایسا برتاؤ خوش نصیب لوگ کیا
 کرتے ہیں۔

ایک دفعہ کسی غیر مسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالی
 دی۔ حضور ص و رکائات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔

حضرت ابو بکر نے نگالی کا جواب نہیں دیا۔ غیر مسلم نے دوبارہ گالی دی حضرت ابو بکر اُسے بھی انگیز گئے۔ مگر تیسری مرتبہ بدزبانی کرنے پر حضرت ابو بکر سے رہا گیا۔ کچھ بول اُٹھے۔ حضرت ابو بکر کا بولنا حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند نہیں آیا۔ حضور کھڑے ہوئے اللہ وہاں سے چلنے لگے۔ حضرت ابو بکر نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ مجھ سے ناراض ہو گئے۔ حضور نے فرمایا۔ ابو بکر! تم جب تک چپ تھے۔ اللہ کا فرشتہ تمہاری طرف کھڑا تھا۔ تم نے جواب دیدیا تو وہ مہٹ گیا۔

حضور نے فرمایا: صلہ رحم یہ نہیں ہے کہ صلہ رحم کرنے والوں کے ساتھ صلہ رحم کیا جائے۔ بلکہ یہ ہے کہ جو قطع رحم کرے اُس کے ساتھ صلہ رحم کرو۔ یعنی دوستوں کے ساتھ دوستی کوئی کمال کی بات نہیں ہے دشمنوں کے ساتھ دوستی کرنی اصلی خوبی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ لِّلَّذِينَ آمَنُوا لِعَقْرِهِمْ
لِئَلَّا يُكْسَبُ لَهُمْ سُلُوءٌ مِّنْ عَمَلٍ فَلَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ
اللَّهَ لَتَجِزْنَ أَيْامَهُمْ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا
يَكْسِبُونَ ۝ (اے رسول!) مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ اُن لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے معاملہ بڑنے کی اُمید نہیں رکھنے تاکہ اللہ ہی ان لوگوں کو اُن کے کئے کا بدلہ دے جو شخص عمل نیک کرتا ہے تو اپنے (فائدے کے لئے کرتا ہے اور جو بُرائی کرتا ہے تو اُس کا خمیازہ) اسی کو جھگٹتا ہے (مسلمان بُرے کے ساتھ بُرے نہیں، اور بُروں کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں)

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد جن ہزاروں آدمیوں کو معافی دی تھی وہ حضور کے دوست نہیں تھے، دشمن تھے بخون

کے پیارے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے ہجرت کے دن اعلان کیا تھا کہ جو حضورؐ کو قس کر کے یا زندہ پکڑ کے لائے گا اُسے انعام ملے گا۔ حضورؐ نے اُس بیہودہ کو معاف فرمایا جس نے خیبر میں حضورؐ کی دعوت کی تھی اور نہ ہرٹلا کھانا کھلانا چاہا تھا۔ حضورؐ نے اپنے چچا کے قاتل کو معاف کیا اور چچا کا کلیجہ چبانے والی کو معاف کیا۔

حضورؐ نے اُس شخص کو معاف کیا جس نے حضورؐ کی بیٹی کی جان لینے کی صورت پیدا کر دی تھی۔ حضورؐ نے اُن طاغوت والوں کو معاف کیا جنہوں نے بزرگ باری کر کے حضورؐ کا اتنا خون بہایا کہ جوئی خون سے بھرتی ہوتی۔ حضورؐ دشمنوں کو دعائیں ہی دیا کرتے تھے اور کوئی بددعا کرنے کی درخواست کرتا تو حضورؐ کہتے : میں رحمت لے کر آیا ہوں ، لعنت لے کر نہیں آیا۔

مسلمانوں کو تو بے شمار نہیں چھوڑا گیا کہ اہل ہوں یا نہ ہوں دین کے معاملوں میں جمہور مسلمین سے اختلاف کرنے بیٹھ جائیں اور کبھی روس کی کسوٹی پر دین کی جانچ کریں اور کبھی امریکہ کی کسوٹی پر، لیکن غیر مسلم اللہ کے نزدیک دین کے معاملے میں آزاد ہیں۔ انہیں اسلام کی تبلیغ کر دی جائے اُس کے بعد وہ جائیں اور اللہ علیہ نے جو غیر مسلم اسلام کی تبلیغ میں مزاحمت نہ کریں اور اسلامی نظام سے نہ ٹکرائیں۔ انہیں اسلام نے ان کی زندگی گزرنے کا بالکل مسلمانوں جیسا حق دیا ہے۔ وہ اپنے مذہب کے مطابق امور زندگی کی تنظیم کر سکتے ہیں اور عبادات بجا لا سکتے ہیں اسلام

قطعی دغا نہیں دے گا بلکہ اُن کے عبادت خانوں کی حفاظت کرے گا۔
 ایک اور فقط ایک موقع ہے کہ اُس میں مسلمانوں کو غیر مسلموں سے
 ترکِ معاملات کی بھی ہدایت ہے اور لڑنے کا بھی حکم ہے۔ وہ موقع ہے
 اسلام کے پیچھے پڑ جانے کا۔ غیر مسلم اگر اسلام کے درپے ہو جائیں بہرام
 کے مٹنے کی سازشیں اور کوششیں کریں تو انھیں رفیق اور راز دار
 مت بناؤ۔ اُن سے میل جول نہ رکھو اور لڑنے کا مرحلہ آجائے تو جان
 کی بازی لگا دو۔ سوائی نیک تحریک کے قیام و بقا اور اپنی مفید
 خلافت تحریک کی حفاظت کی خاطر یہ بات ہر تحریک کا سربراہ کرتا ہے۔
 اس موقع کے علاوہ اسلام کا فیصلہ صاف ہے : لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ
 عَنِ الَّذِيْنَ كُنتُمْ يَفْقَهُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ
 مِنْ دِيَارِكُمْ اِنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ ط اِنَّ
 اللّٰهَ يَحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (اے مسلمانو!) اللہ تمہیں (اس سے)
 نہیں روکتا کہ تم اُن لوگوں سے جو تم سے دین کے معاملے میں نہیں
 لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ بھلائی، اور
 منصفانہ برتاؤ کرو۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے

اور
 الَّذِيْنَ عَاهَدْتُمْ مِّنْ اَشْيَآءٍ لَّمْ يَمْسُوكُمْ
 شَيْئًا وَّلَكُمْ لِيُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَخَدًا فَاَقِمُوْا
 اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِنِّ مَدَّ تَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ يَحِبُّ
 الْمُتَّقِيْنَ ۝ جن مشرکوں سے تم نے (صلح کا) معاہدہ کر رکھا ہے اور
 اُن مشرکوں نے (عہد نباہنے میں) کچھ کوتاہی نہیں کی اور نہ تمہارے

مقلبے میں (منہارے) کسی (دشمن) کی مدد کی تو تم ان سے کئے ہوئے معاہدے کو ان (کے عہد) کی مدت (میعین) تک (سناہراور) پورا کرو (اور ہرگز بد عہدی مت کرو) اللہ (پر سہیزگاروں اور) متقیوں کے دوست رکھتا ہے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے غیر مسلموں کے ساتھ معاہدہ کا پورا کرنا، تقویٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ ہاں اسلام ذاتی اغراض اور شخصی منافع کے لئے دوستی و دشمنی کا قائل نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے اَلْحَبِیْبُ فِی اللّٰهِ وَالْبَخِیْضُ فِی اللّٰهِ دوستی بھی اللہ کے لئے کرو اور دشمنی بھی اللہ کے لئے کرو۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یثرب (مدینہ منورہ) پہنچ کر فقط مسلمان مہاجرین اور مسلمان انصار کا ہی بھائی چارہ نہیں کر لیا تھا۔ یثرب کے یہودیوں سے بھی مسلمانوں کو ملا دیا تھا اور اس ملاپ اور سمجھوتے میں یہودیوں کی مذہبی آزادی کا صاف صاف اعلان کیا تھا۔

ایک دفعہ یہودی توریت لے کر حضورؐ کے پاس آئے۔ حضورؐ نے توریت کو تکیے پر رکھ لیا اور فرمایا۔ میں اس کتاب کی بھی تعظیم کرتا ہوں اور اس کتاب کے لانے والے (یعنی موسیٰ علیہ السلام) کی بھی تعظیم کرتا ہوں۔

بخرائی عیسائیوں کا وفد حضورؐ کی خدمت میں آیا تو حضورؐ نے انہیں مسجد میں اپنے طریقے سے عبادت کرنے کی اجازت دے دی۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ تو نجس ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔

کوئی انسان نجس نہیں ہوتا۔ البتہ انسان اپنے کو خود نجس بے شک بنا لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نیک توفیق عطا فرمائے۔ اُنہیں جو چھوٹے چھوٹے مسائل اٹھا کر مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑواتے ہیں۔

ہر ستمبر ۱۹۵۸ء کے صدقِ جدید (لکھنؤ) نے رسالہ برہان (دہلی) سے حضرت الفاضل علامہ گیلانیؒ کے کسی مضمون کا اقتباس نقل کیا ہے۔ علامہ علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: ”کیدانی فقہ کے متن کی ایک عبارت کی بدولت سرحدِ وکابل و ترکستان وغیرہ میں معمولی فقہی جرئیہ کی وجہ سے ایک فتنہ صدیوں برپا رہا۔ یعنی نمازیں الخیات پڑھتے ہوئے تشہد کے موقع پر انگلی اٹھائی جائے یا نہ اٹھائی جائے۔ کیدانی کا رجحان انگلی نہ اٹھانے کی طرف ہے۔ اس پر اصرار کرنے والے اصرار کرتے تھے اور جو انگلی اٹھاتا تھا ایسا اوقات اُس کی انگلیاں توڑ دی جاتی تھیں یا تراش لی جاتی تھیں۔ علامہ رشید رضاؒ آفندی مصری نے براہِ راست بعض افغانیوں سے پوچھا۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ ہاں ایسا ہوتا تھا“

ایسا ہی ہونے نے اسلام کو بدنام کر دیا۔ غیر مسلم کیا مسلم بھی اسلام کی سبقتاً سبقاً تعلیم نہیں پاتے۔ سب یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام کے پیروؤں کی روش کیا ہے۔ اسلام کے پیرو کیا کر رہے ہیں۔ پیروؤں کی حرکتوں سے اسلام کی بابت رائے قائم کی جانی قدرتی بات ہے۔ میری یہ مختصر سی تحریر وہ رائے کیوں کر بے گی۔ بہر حال مسلمانوں مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے والے بھی سلا ہیں اور میں بھی سلا ہوں۔ میں غیر مسلموں کے دل سے غلط فہمیاں دھونی چاہتا ہوں

ہو علامہ گیلانیؒ تو آخری زمانے کے ممتاز عالم تھے لڑنے والوں ہی کو
کیوں دیکھا جائے، ملانے والوں کی بھی سنتے۔

اسلام نے ہرگز ان سختیوں کی اجازت نہیں دی۔ اسلام نے نرمی
و شفقت اور رحم و رافت کی ہدایت فرمائی ہے اور رواداری کو قائم کیا
ہے۔ ہم خیال و ہم عقیدہ بنانے کے لئے دباؤ استعمال کرنا اور اختلاف
خیال و عقیدہ کی بنا پر تنگ کرنا اسلام میں منع ہے۔ لاکھوں کا فی الدین

سنا اپنے پورے دین پر کسی قوم نے کبھی عمل نہیں کیا۔ صرف ہمارے دین کا ایک دور
ایسا گذرا ہے کہ قوم کی قوم دین کے لئے میں رنگ گئی تھی۔ لیکن ادھر خلافت خود غرضی
سے بدلی۔ اور مردہ دور ہلکا پڑنے پڑنے برکی نسبت کو بچنے گیا۔
علمائے سرور خود غرضی کی پیداوار ہیں۔ اسلام جیسے عاقلانہ اور شریفانہ
دین کو سبک خود غرضی ہی نے کیا ہے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا
کرتے تھے مسلمانو! مجھے ڈر ہے تمہارا دل کہیں دوست و اقدار سے رنگ جائے۔
(اوکا قال) حضور کی وہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ دولت و اقدار ہر قوم کو بندھا اور
بے کپڑے کر دیتے ہیں۔ یہ تو اللہ کا بڑا فضل تھا اور ہے کہ مسلمانوں میں علمائے نبویؐ برابر
ہوتے رہے اور برابر سید ہو رہے ہیں اور اسلام پر قوم کی قوم کا نہ ہی افراد کا کہ دین
عمل ہمیشہ رہا ہے اور اب تک ہے۔ ان افراد میں لاکھوں کے نام زندہ ہیں اور مردوں کے
نام ہم آپ نہیں جانتے۔ خدا جانے کتنے تھے جن کے نزدیک حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
کی طرح اصلی کرامت قرآنِ شریف کی پیروی ہی تھی اور جو ہر ان لحاظ رکھتے تھے کہ مَن
يَعْبُدُ حَيْثُ وَدَّ اللّٰهُ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ جس نے اللہ کی حدود (اور اللہ کے بتائے
ہوئے قانون) کو توڑا اس نے یقیناً جان اپنے نفس پر ظلم عظیم کیا۔ (ایسا دین بھی بگاڑ
لیا اور دنیا بھی)۔

اسلام کا دستور العمل ہے۔

ذرا ملاحظہ کیجئے۔ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کے یہودیوں کو کیا سند عطا کی تھی۔ سر ولیم میور اپنی کتاب ”دلائل آف محمدؐ“ میں اس سند کے حسب ذیل الفاظ لکھتے ہیں :

”یہودیوں کی امداد و اعانت کی جائے گی۔ یہودی اپنے مذہب پر رہیں گے اور مسلمان اپنے مذہب پر، لیکن بیرونی حلوں کی مرافقت میں یہودی اور مسلمان ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔“

ایک اور فرمان :

”یہ فرمان محمدؐ رسول اللہؐ نے تمام قریش اور تمام اہل شہر کو لکھ کر دیا ہے۔ خواہ وہ کسی مذہب اور کسی قوم کے تعلق رکھتے ہوں کہ صلح و جنگ کی حالت سب کے لئے عام ہوگی یہود خبر ہماری حکومت اسلامیہ میں رہتے ہیں۔ انہیں ہر اذیت اور ذلت سے بچایا جائے گا۔ انہیں نصرت و حمایت و حسن سلوک کے حقوق مسلمانوں کے مساوی حاصل رہیں گے۔ بنی عوف، بنی نجار، بنی حارث، بنی حشم، بنی غالب، بنی اوس، (یعنی یہود) اور جملہ یاسند گان و شہر مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم سمجھے جائیں گے۔“

جو قبیلے یہود کے دوست ہیں اور یہود کے زیر حفاظت ہیں ان کا بھی ویسا ہی اعزاز کیا جائے گا جیسا کہ خود یہود کا کیا جائے گا۔“

جیسا یہ سب کے لئے آمن نامہ:
 ”یہ امن نامہ ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے یوحنا
 بن ربیعہ (ربیعہ کے حاکم) اور ایلم کے پادریوں اور باقی تمام
 لوگوں کے لئے، جو خشکی میں ہوں یا ترکی میں وہ اللہ اور
 اس کے رسولؐ کی امان میں ہیں۔“
 منذر بن ساری کے نام خط:

”ہمارے قاصدوں نے تمہاری نسبت اچھے خیالات ظاہر
 کئے ہیں۔ جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں انہیں مسلمان رہنے دو،
 اور جنہوں نے نہیں مانا ہے۔ انہیں میں نے معاف کر دیا۔
 تم بھی معاف کر دو۔“

تم جب تک عدل و انصاف کرتے رہو گے تمہیں معزول نہیں
 کیا جائے گا۔ یہودی اور مجوسی اپنے اپنے مذہب پر ہیں
 ان سے صرف جزیہ لیں (یا جلائے گا)۔“
 آزاد کی انتہا:

یہ عہد نامہ ہے جسے محمد بن عبد اللہ، رسولؐ اور بشیر و نذیر
 نے لکھا ہے تاکہ بعد کے لوگوں کے لئے عذر اور پہانہ باقی نہ
 رہے۔ اس عہد نامے کو میں نے نزدیک اور دور مشرق اور
 مغرب، عرب اور عجم، حال اور مستقبل کے عیسائیوں کے واسطے
 لکھا ہے مسلمانوں میں سے جو اس عہد کو توڑے گا اور
 اس سے تجاوز کرے گا وہ اللہ کے ہاں عہد شکن ٹھہرے
 گا اور اللہ کی لعنت کا سزاوار بنے گا۔ خواہ حاکم ہو یا رعیت۔

میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر کوئی راہب یا عیسائی سیاح وغیرہ پہاڑ، جنگل، آبادی، صحرا یا عبادت خانے میں میری حمایت کا خواست گار ہوگا تو میں اپنے اعوان و انصار کے ساتھ اُس کی حمایت کروں گا اور اُسے اُس کے دشمنوں سے بچاؤں گا۔ کیونکہ وہ میرے ذمے ہیں اور مجھے دشمنوں کی ایذا سے بچنے کے لئے جزیہ (ٹیکس) دیتے ہیں۔ لیکن اگر وہ چاہیں کہ اپنی جان، مال اور آبرو کی بطور خود حفاظت کریں تو میں اس پر بھی رضامند ہوں۔

کسی بپشپ کو اُس کے عہدے سے کسی راہب کو اُس کی رہبانیت سے اور کسی عابد کو اُس کی عبادت گاہ سے اور کسی سیاح کو اُس کی سیاحت سے نہ روکا جائے۔ اُن کی گرجا میں منہدم نہ کی جائیں۔ گرجاؤں کی کوئی چیز مسجدوں اور گھروں کے بنانے میں نہ لگائی جائے جو مسلمان ایسا کرے گا وہ اللہ اور رسول سے وعدہ ٹکسنی کرے گا۔

راہبوں اور بپشپوں سے جزیہ (ٹیکس) اور تاراج نہ لیا جائے۔ جو عیسائی آئینہ، میز، کرسی، گولہ نشین ہیں، وہ جو کچھ بولیں جیتی، اُس کا اُن سے عشر نہ لیا جائے اور غلہ کی اُن کے ہاں کمی پڑے تو انہیں غلہ دیا جائے۔ جنگ میں مدد کرنے تکلیف وہ چاہیں کریں چاہیں نہ کریں۔ اس عہدہ کی خلاف ورزی قیامت تک نہ ہو۔“

والیٹر کا قول ہے :

”میں اس بات سے جو آپ کہتے ہیں مکمل اختلاف کرتا ہوں
لیکن آپ کو یہ بات کہنے کا قطعی حق ہے اور میں آپ کے اس
حق کے لئے تادمِ زیست لڑتا رہوں گا۔“ اس ذہنیت
کی بنیاد حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے ڈالی تھی جنہیں اسلام اور اسلام کے پیروؤں سے کد
نہ ہوا اسلام اور اسلام کے سچے پیروؤں کے نزدیک انہیں
حق ہے کہ وہ اپنے عقائد پر رہیں اور عزت، آبرو اور آزادی
کے ساتھ زندگی گزریں۔ بلکہ یہ ایسی پالیسی تھی جسے اسلام
کے ناقص پیروؤں، یعنی مطلق العنان بادشاہوں تک
نے نباہا۔ مسلمانوں میں ذاتی عقائد ٹھونسنے کی مثالیں
ملتی ہیں۔ لیکن غیر مسلموں کے عقائد وغیرہ سے کبھی چھیڑ نہیں
کی گئی اور سچے مسلمانوں کا کام تو ہمیشہ صرف اسلام کا
پہنچا دینا رہا۔ اسلام کا ٹھونسنا کبھی نہیں رہا۔“

خلفائے راشدین کے معاہدے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے معاہدوں کی طرح محفوظ ہیں اور شاہانِ اسلام کا حال عام
تاریخوں میں پڑھ لیجئے۔ ذیل میں فقط ایک خلیفہ کے معاہدے کا اقتباس
درج کرتا ہوں۔ حضورؐ کے معاہدوں اور خلیفہ کے معاہدے میں فرق
بلا برفرق نہیں ہے۔ فرماتے ہیں :

”اللہ کے نام پر جو غفور اور رحیم ہے، یہ معاہدہ حفاظت
ہے جسے اللہ کا بندہ عمر اہل اسلام کے سالار کی حیثیت

سے یروشلم کے لوگوں کے ساتھ کرتا ہے۔ عمر یرودشلم کے
عیسائیوں کو اُن کی جان، مالی، معاہد، صلیبوں اور مصلیوں
اور صحت مندوں سب کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے۔
اُن کے معبدوں کو منہدم نہیں کیا جائے گا۔ اُنہیں اُن
کے قبضہ میں رکھا جائے گا۔ نیز اُن کی کوئی زمین نہیں چھینی
جائے گی۔ یہ اللہ اور اُس کے رسول کے احکام کی رو سے ہے
اور میرے پیش رو خلیفہ (ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے ارشادات کے
مطابق ہے، اور تمام اہل اسلام کے منشاء کے مطابق ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک مشرک
عورت اسلام کی بجوئی اشعار گاتی پھرتی تھی۔ حاکم نے اسے گرفتار کر لیا۔
حضرت ابو بکر کو اطلاع ہوئی تو حضرت نے حاکم کے نام اس منعمون کی تحریر
بھیجی:

”ہم نے اُس کے شرک سے درگزر کیا ہے تو جو توبہ بہ حال شرک
سے کم درجے کی شے ہے۔“

حضرت اسامہ بن زید حبیب فوج لے کر رومیوں کے مقابلے کے
لئے شام جانے لگے تو حضرت ابو بکر نے اُن سے فرمایا:

”دیکھو، فریب، دغا، خیانت اور مثلہ (یعنی ہاتھ پادری
کاٹ ڈالنے) سے بچنا۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے قتل
نہ ہونے پائیں۔ گوشہ نشین لوگوں پر سختی نہ کی جائے۔“

ایک مرتبہ عراق کے عیسائیوں نے حضرت ابو بکر کی خدمت میں

عرض کیا کہ جسے آپ نے ہم پر حاکم مقرر فرمایا ہے وہ ہمیں ستاتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے تحقیقات کے بعد حاکم کو رکھا:

”تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم سے روگردانی کی ہے کہ غیر مسلمانوں کے حقوق کا خیال رکھا جائے۔ لہذا جواب دہی کے لئے تیار رہو“ اور پھر اسے بلا کر عہدے سے ہٹا دیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں دمشق کا محاصرہ ہو رہا تھا۔ ایک سمت حضرات ابو عبیدہؓ نے گھیر ڈال رکھا تھا۔ دوسری سمت حضرت خالدؓ نے۔ حضرت خالدؓ نے اگر شہر پیادہ کے اوپر چڑھ گئے۔ اور اندر تر کرنا انہوں نے شہر پیادہ کا مدعا نہ قبول دیا۔ فیج شہر میں داخل ہو کر حضرت ابو عبیدہؓ کو اس کی خبر نہ تھی۔ انہوں نے شہر کے حضرت ابو عبیدہؓ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور حضرت ابو عبیدہؓ سے صلح کر لی۔ شہر میں مسلمانوں کا ایک گردنار ایک سمت سے فاتحانہ گھس رہا تھا اور دوسرا کماندار دوسری سمت سے صلح قبول کر کے آ رہا تھا۔ وسط شہر میں دونوں کی ملاقات ہوئی اور حضرت خالدؓ نے حضرت خالدؓ کو صلح کا احترام کیا اور فتح کردہ حصے کو بھی صلح کے ماتحت کر دیا۔ قیصری چھوڑ دئے اور مال غنیمت لے کر آیا۔

اسکندر پر قبضہ کرنے تک کسی مسلمان سپاہی کے قیر سے حضرت عیسے علیہ السلام کے بچنے کی آنکھ ٹوٹ گئی تھی۔ اسکندر یہ کہ عیسائیوں نے فارغ مصر حضرت عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ تم عدل کے مدعی ہو تو اپنے پیغمبر کا مجسمہ بناؤ۔ ہم اس کی آنکھ توڑ دیں گے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا

یہ تو بالکل لغو بات ہے۔ لویہ خیر لو اور میری آنکھ کھوڑ دو۔ خنجر عیسائی کے ہاتھ میں تھا دیا۔ مگر عیسائی اس جرات مؤمنانہ سے ایسا متاثر ہوا کہ خنجر اس کے ہاتھ سے گر پڑا

والی مصر حضرت عمرو بن العاص جو گمان کھیل رہے تھے کسی قبلی کا گھوڑا حضرت عمرو بن العاص کے گھوڑے سے آگے نکل گیا۔ حضرت عمرو بن العاص کے بیٹے عبداللہ کو غصہ آگیا۔ انہوں نے قبلی کی کوڑے سے شہرے والی۔ قبلی بدینہ مندرہ پہنچا اور حضرت عمر کے سامنے یہ واقعہ پیش کیا۔ حضرت عمر نے حضرت عمرو بن العاص اور ان کے بیٹے کی طلبی کے حکم جاری کر دیے۔ وہ دونوں حاضر ہو گئے تو قبلی سے کہا۔ جس نے تجھے کوڑے سے پیٹا تھا تو یہی اس کے کوڑے مار اور اتنے کوڑے مار جتنے اس نے مارے تھے۔ چنانچہ قبلی نے عبداللہ سے بدلہ لیا۔

تمام شریف عیسائی مورخ ان حقائق کو تسلیم کرتے ہیں۔ ایڈم میٹس اپنی تصنیف ”چوتھی صدی ہجری میں اسلام کی نشاۃ الثانیہ“ میں قرآن وسطیٰ کی اسلامی تہذیب کے ایک وصف کی طرف توجہ دلاتا ہے وہ لکھتا ہے کہ ”مسلمانوں کی صفوں میں دوسرے مذاہب کے انسے والوں کی بڑی عمدہ ملتی ہے جو اس روادری، ہم آہنگی اور رفیقانہ تعاون کا نتیجہ بنتی ہیں جس کی بوسہ سلام نے تعلیم دی ہے، اور جس سے اس زمانے کی یوں۔ نامور قوت تھی۔ اسلامی قوانین حکومت میں غیر مسلموں پر کاروبار کے لینے میں مشتق پابندی عاید نہیں کی گئی ہے۔ چنانچہ

اسلامی مملکتوں میں بعض بڑے فروع بخش کاروبار پر غیر مسلم قابض تھے اور
 ان کے پاس بڑی دولت تھی اور ملکیتیں تھیں۔ اسلامی حکمرانوں نے شرافت
 کبھی غیر مسلم رعایا کے معاملات میں مداخلت کی ہوگی۔ بلکہ اس کے برعکس
 وہ غیر مسلموں کے میلوں اور تہواروں اور رسوم میں حصہ لیتے تھے۔

"مقامی اور غیر ملکی کچھر، فلسفہ اور تصوف، قدامت پسندی
 اور جدت پسندی، سب کو اسلام کی آغوش میں جگہ حاصل ہے لہذا
 علم کو کوئی میدان ایسا نہیں ہے جس میں اسلام نے ذہنی سرگرمیوں پر
 قدغن عاید کیا ہو۔ اسلام میں مذہب اور سائنس کا اختلاف کوئی اہم
 مسئلہ نہیں ہے۔"

"انسانی ترقی کے موجودہ دور میں مسلمان اگر مندرجہ بالا حقیقت کو
 سمجھیں تو ان کی خود اعتمادی عموماً کمزور ہو جائے گی اور وہ اس عالم کو برقرار
 رکھنے اور انسانی خوش حالی کے اشنائے میں موثر حصہ لے سکیں گے
 اور مغرب کے لوگ اس حقیقت پر غور کریں تو انہیں پتہ چلے گا کہ مشرق کے
 روحانویہ دورے میں اسلام نے کتنا گراں قدر احصاء کیا ہے۔"
 ان واقعات کو پڑھنے کے بعد منصف مزاج یورپین محقق بے اختیار
 کہہ اٹھتے ہیں:

"یہ الزام کہ اسلام قبول نہ کرنے کی سزا تلوار تھی اسی طرح
 یہودیہ ہے جس طرح اور الزام جو غیر مذاہب والوں نے
 قطعی نا انصافی سے اسلام پر لگائے ہیں۔"

الزام لگانے والے یا تو اسلام کو جنت میں نہیں یا دیر دور جنت
 پہنچانے کرتے تھے۔

دور کثرتِ مذہب - نوی سینٹ ہیلر

”مذہب عالم میں اسلام تنہا ایسا مذہب ہے جو
تجارہ دار، مبلغین اور مشنری تبلیغی مشنوں کی بجائے
عامۃ المسلمین کے ذریعہ زمین کے اس سرے سے اس
سرے تک پھیل گیا۔“

اسلام کی اشاعت مسلمان سلاطین نے نہیں کی، بلکہ
صوفیوں، سنیوں، اور تاجروں نے اپنا اچھا نمونہ پیش
کر کے اسلام کو پھیلایا۔

مسلمان تاجر بڑے کامیاب مبلغ ثابت ہوئے صوفیوں
کا پھر بھی ایک مشن تھا۔ وہ تھے ہی اسلام کے واسطے قیام
لیکن تاجروں کا تجارت کے دوران میں کچھ اس قسم کا کردار
رہتا تھا کہ اسلام خود بخود لوگوں کے دلوں میں اتر جاتا تھا۔
اسلامی افواج نے کبھی کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں
کیا۔ اسلامی افواج سے فقط اسلامی مقبوضات کی حفاظت
اور نظم و نسق کا کام لیا جاتا تھا۔“

(میر تقی اس کیلٹ)
”اسلامی فوجیں جہاں کہیں گئیں۔ قرآن کی تعلیم ان کے ساتھ
رہی۔ انہوں نے کسی جگہ ظلم و جور کا ارتکاب نہیں کیا۔ کسی
قوم کو انہوں نے اس بنا پر تہ تیغ نہیں کیا کہ وہ اسلام
قبول کرنے سے انکار کرتی تھی۔“

(روبن سن)

اسلام نے اپنے عقائد منوانے کے لئے تلوار ہرگز نہیں

چلائی۔ یہ کہنا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ جسے ایک
سن گھڑت افسانہ ہے۔ حقیقت میں مسلمانوں نے مستوحہ
اقوام کے ساتھ جو رواداری برقی سے حسن کی انجیر کی پتی
سرویں کا یزرپ نہیں پیش کر سکتا۔

(ی۔ ڈی۔ - برٹش)

”میں جس ملک میں پہنچے انہوں نے وہاں دہلوں کے
مذہبی خیالات و اعتقادات کو نہیں چھوڑا بلکہ ان کی مذہبی
آزادی کو قائم رہنے دیا۔ قرآن نے مسلمانوں سے کہا ہے
کہ جو لوگ تم سے لڑیں تم جی ان سے رخصت ہو کر یا دلی نہ کرو
لڑا یا دلی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

(پتنگ باغ)

”مشرق کے عیسائی مسلمانوں کی حکومت میں رہنا چاہتے
تھے، کیونکہ مغرب کے عیسائی حکمران انہیں روغن کیتھولک
بننے کو کہتے تھے اور وہ روغن کیتھولک نہیں بنتے تھے۔ تو
انہیں مار پیٹ لیتے تھے۔“

”غیر مسلموں نے مسلمانوں کے پیغام صلح کو ٹھکرایا، ان
سے مسلمان بے شک رٹے اور حالت جنگ میں غیر مسلموں
کے بعض عبادت خانوں کا نقصان بھی ہوا۔ لیکن استی
من میں اس قسم کی کوئی واقعہ پیش کرنا مشکل ہے۔“
(گیٹ)

”جن کی طبیعتیں عصبیت سے پاف ہیں وہ بلا توجہ ہجر کے

اس بات کو تسلیم کریں گے کہ محمد کا دین مشرقی دنیا کے لئے
 ایک نعمت تھا۔ اسی وجہ سے اُسے خوں ریز تدبیروں کی جست
 نہیں پڑی۔ ایسے دین کے ساتھ گستاخانہ پیش آنا اور
 جس کی جہاں نہ منزلت کرنا بہت بڑی حرکت ہے۔ جنہوں
 نے ایسا حکمت اور اسلام دونوں کا مطالعہ کیا ہے وہ یہ
 ماننے پر مجبور ہیں کہ اسلام کے احکام عمدہ اور اسلام کے
 تمام احکام پر چھتہ ہیں اور اسلام سے انسانوں کو بڑا فائدہ

پہنچا ہے۔
 دیکھو! یہاں ڈیون پورٹ
 یہاں کی سرخوئی کے اعتراف کے لئے کسی مسلمان کی تحریر نقل کرنے
 کی ضرورت نہیں تھی، لیکن مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کا چونکہ یہ شمار غیر مسلم
 اعتبار کرتے ہیں ان کے ایک مصنف کا اقتباس پیش کرتا ہوں مولانا لکھتے ہیں:

”مسلمان دنیا میں صرف اس لئے آئے ہیں کہ حکومت الہیہ
 قائم کریں۔ اللہ کے عبادت خانوں کی حفاظت کریں اور
 نوری انسانی کو ظالموں اور سرکشوں کی شرارتوں سے
 بچائیں۔ چنانچہ جب ایک مذہب دوسرے مذہب
 کو سر باد کرنا چاہتا تھا، جب کہ ہر قوم چاہتی تھی کہ خدا کی
 زمین صرف ہمارے لئے وقف ہو جائے اور کسی دوسری قوم
 کے مذہب اور مذہبی عمارات کو اس پر جگہ نہ ملے تو مسلمانوں
 ہی کی تلوار تھی، جس نے ان کو ظلم و استیلا سے بچایا اور برائی
 اور ہلاکت سے بچات دلائی۔

جزیرہ عرب و یمن کے اندر مسلمانوں کی وجہ سے عیسائیوں

کو جو نفع عظیم پہنچا، اس کا تذکرہ شعلانی اور محتاج مہتدیہ ہے لیکن
 یہ کون نہیں جانتا کہ مصر کے قبطیوں کو جس قوم نے عیسائیوں
 کے مذہبی ظلم سے نجات دلائی اور قبطی معاہدہ کو آزادی بخشی وہ سلمان ہی تھے۔
 چھٹی صدی عیسوی میں خرد عیسائیوں ہی کے اندر انتہا
 درجہ کی مذہبی تفریق، تعصب اور جنگ و جدال تھا۔ ایک
 چرچ دوسرے چرچ کے پیروں کی تکفیر کرتا تھا اور جلا وطنی کی
 سزا دیتا تھا اور بسا اوقات زندہ جلاوطن تھا۔ خصوصیت
 کے ساتھ گر یک چرچ اس تعصب میں سب سے بڑھ چڑھ کر
 تھا جس کے ہاتھوں مشہور قیثوری فرقے کو کسی کیسی درد انگیز
 مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔ یہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے مصر اور
 اسکندریہ میں اس فرقے کو پناہ دی، یہاں تک کہ اس کے
 معاہدہ محفوظ ہو گئے اور یہ فرقہ آزادی کے ساتھ اپنے گرجوں
 کے اندر اقرار توحید کے ساتھ خدا کے مسیح کی پرستش کرنے لگا۔
 پھر اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں۔ گو اسلام کی شرعی خلافت
 کا یہ دور نہیں تھا۔ تاہم شاہانہ امویہ و عباسیہ کے عہد پر نظر
 ڈالو اور دیکھو کہ تمام مذاہب و ملل کو اسلامی حکومتوں میں
 کس طرح آزادی دے دی گئی تھی اور علی الخصوص عیسائیوں کے
 فرقے کس طرح مسلمانوں کی بدولت بریادی سے بچ گئے تھے
 گو خود اسلامی عقائد کو آزادی حاصل نہ تھی۔ یسوعیہ و حناہ
 کے دشمن تھے اور حناہ شوافع کے۔ سنیوں اور شیعوں
 کو باہمی قتال بھی ایک داستانِ خونیں ہے۔ خوارج اور

قرامطہ کے حالات تاریخی ہیں پڑھو۔ ہمیشہ ایک فرقے نے دوسرے فرقے کو بتایا کیا۔ تاہم یہ کیسی عجیب بات ہے کہ مسلمان خود تو ایک دوسرے کو براہ کرتے تھے لیکن غیر دل کو انہوں نے ہمیشہ پناہ دی اور ذمیوں کے حقوق بینہ کی کبھی بے احترامی نہ ہونے دی۔ بغداد کے شوافع نے حنابلہ کا محلہ تو ضرور لوٹ لیا۔ مگر عیسائیوں کے گروہوں کی برابر حفاظت نہ ہوئی نہ ہی۔“

گناہ ہی جی کی رائے بھی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں :
 ”وَأَنَّ صَافِیَ الْفَائِیَیْنَ كَهَاتَا هَیْ كَا كَوَاةَ فِی السَّیِّئِ
 یعنی مذہب جبر سے اختیار کرنے کی چیز نہیں ہے۔
 پیغمبر اسلام کی سیت بھی اس الزہم کی پوری تخریب کرتی ہے کہ اسلام بجز پیلا ہے۔ اسلام عالم گیر مذہب ہی نہ ہوتا اگر اس کی جبریہ تبلیغ کی جاتی۔ میرا بخت عشیدہ ہے کہ اسلام نے تلوار کے بل پر سوخا صل نہیں کیا۔ میں نے ایک بڑے لوٹ طالب علم کی طرح پیغمبر اسلام کی سیت (طرز زندگی) اور قرآن کا مطالعہ کیا ہے۔ میں قرآن کی تعلیم کو عدم تشدد کے موافق پاتا ہوں۔“

غرض کہ منصف مزاج غیر مسلموں کے بیانات کہاں تک درج کروں۔ بیانات لا تعداد ہیں۔ میں تو سو کی ایک بات کہتا ہوں کہ اسلام کا نمونہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

حجاج بن یوسف جیسے مسلمانوں کا کسوف پر سلام کرنا پابھرا
 پابھرا ہے، حضور سرور کائناتؐ کا نذر جس پر پیشی لگا کر نماز پڑھنا اور
 نماز کا طرز عمل یہ تھا کہ مکہ میں قحطانہ داخل ہوئے تو انہوں نے وہ لوگ تھے
 جنہوں نے حضورؐ کو آٹھ سالوں میں سے نذر رکھا، اور جو حضورؐ کے
 راستے میں کانٹے بچھاتے تھے۔ حضورؐ پر انہوں نے کانٹے بچھائے۔ انہوں پر
 پتھر برساتے تھے۔ حضورؐ کو بوساں کر دیتے تھے۔ انہوں پر پتھر
 پشت مبارکؐ کو اور جھڑیوں سے دبا دیتے تھے، اور گتے میں پتھر سے
 ڈان ڈال کر کھینچتے تھے۔ حضورؐ کو اور حضورؐ کے متبعین اور فرائض
 کو عورتوں اور بچوں سمیت پہاڑ کی گھاٹی میں تین سال محصور کر رکھتے
 تھے اور درختوں کے پتے اور گری پڑے، جو بکھے پتھر کھاسنے پر
 مجبور کر چکے تھے۔ غرض کہ حضورؐ نے اور حضورؐ کے متبعین نے نہ ہنسنے
 ہاتھوں سے وہ وہ ظلم سہے تھے کہ ان ظالموں کا تصور نہ کر سکتے تھے۔
 کر دیتا ہے اور جسم کو لڑا دیتا ہے۔ لیہے کی پتی جو بولی غلا خور سے
 مسلمانوں کے جبہ داغے جاتے تھے۔ انہیں آگ جیسی گرم دیتے۔
 کے اوپر لٹایا جاتا تھا۔ بوریوں میں پیٹا جاتا تھا اور بوریوں کے اندر
 دھواں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ مگر معلوم ہے حضورؐ نے ان ظالم دشمنوں
 سے کیا سلوک کیا۔ ان سے کیا بدلہ لیا۔ حضورؐ نے ان سے فرمایا
 ”میں تمہیں اس طرح معاف کرتا ہوں جس طرح یوسفؑ علیہ السلام نے
 نے اپنے بھائیوں کو معاف کیا تھا۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ اَلْیَوْمَ اَجَ

اے حجاج نے بھی ذہنیوں پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا۔ ظالم و دہشتا تو ان کے تھے۔

تم پر کچھ الزام نہیں ہے۔)

اہل مکہ نے مہاجرین کے مکانوں پر قبضہ جمالیا تھا۔ بجائے اس کے کہ مہاجرین کے مکان واپس دلائے جاتے حکم ہوا کہ مہاجرین مکانوں کو اہل مکہ ہی کے قبضہ میں رہنے دیں اور ان کی ملکیت سے دست بردار ہو جائیں۔

اہل آباد کے مشہور و معروف پنڈت سند لال جی اپنی کتاب حضرت محمدؐ اور اسلام میں لکھتے ہیں:

”ایسے ہی وقت پر آدمی اصلی رنگ میں دکھائی دیتا ہے۔ زندقہ بھر کے دشمنوں کے اوپر محمد صاحب (صلعم) کی سب سے بڑی حیثیت کا دن ان کی اپنی آتما (نفس) کے اوپر بھی سب سے بڑی جیت کا دن تھا۔

جس وقت انھوں نے اپنے کٹر دشمنوں کے شہر میں پاؤں رکھا، صرف چار نام ان کے پاس ایسے تھے جنہیں انصاف کی رو سے سزا دینا ضروری تھا۔

پیشہ کی طرح ان کی فوج نے بھی انہیں کی مثال پر عمل کئے ہوئے ٹھنڈے دل سے اور چپ چاپ شہر میں قدم نہ رکھائے نہ ایک مکان لوٹا گیا اور نہ ایک عورت کی بے عزتی کی گئی۔

اس زمانے کے فوجی اتھاس (تاریخ) میں سچ مچ یہ ایک ان ہونی بات تھی۔ جن چار آدمیوں کو سزا دینی ضروری تھی ان میں سے بھی تین کو معاف کر دیا۔“

فتح مکہ سے پہلے ہی جب کبھی مکہ کے مشرک مدینہ پر چڑھ کر گئے تو
حضورؐ نے یہی ہدایت کی کہ

”مسلمانو! اپنے تیرے بوسے رکھو۔ دشمن تیرے آگے تھلاؤ
اور نہ مت چلاؤ۔ اور تلواریں سرت اس وقت استعمال
کرو کہ دشمن تمہاری صنوبری میں داخل ہو جائے۔“

ان جنگوں میں جو لوگ پکڑے جاتے تھے وہ وہی ہوتے تھے
جن کے مظالم کا اوپر ذکر کیا آیا ہے اور جن کے مظالم نے حضورؐ سے، اور
صحابہؓ کے متبعین سے مکہ پیڑ وایا تھا۔ ان عاملوں کے لئے حضورؐ کا حکم
تھا کہ انہیں قیدی سمجھ کر نہ رکھا جائے۔ یہاں تک کہ نہ رکھا جائے۔ چنانچہ
مسلمانوں نے کئی کئی قیدیوں کو یہاں بنا لیا تھا۔ مسلمان خود کھجوروں
سے پیٹ بھر لیتے تھے اور قیدیوں کو روٹیاں کھلاتے تھے۔

اوطاس میں اہل طائف اور اہل عمنین گھر گئے اور ان کے پاس
کھانے پینے کا سامان نہیں رہا۔ وہ اور ان کے یال بچے بھوکے مرنے
لگے۔ حضورؐ نے فرمایا:

”مجھ سے نہیں دیکھا جاتا کہ اللہ کی مخلوق خواہ وہ میری

دشمن ہی کیوں نہ ہو یوں بھوک پیاس سے تڑپے محاصرہ
اٹھا لو اور ان کے کھانے پینے کا انتظام کرو۔“

ایک جنگ میں مسلمانوں نے بنو نضیف اور ہوازن کے چھ ہزار
مرد عورت گرفتار کئے تھے۔ دوسرے دن حضورؐ کا منشا یہاں چھ ہزار کے
چھ ہزار کو آزاد کر دیا گیا۔

یہودیوں کے ساتھ بھی یہی رحم اور انصاف کا برتاؤ ہوتا تھا۔

ایک روز حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ مثنویؓ کا بیٹھ کر رہے تھے جو کسی یہودی نے آکر کہا کہ میں علیؓ کے خلاف یہ یہ شہادت دیا ہوں حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ انہوں نے حضرت علیؓ سے فرمایا ابو الحسن! سامنے کھڑے ہو جاؤ اور جواب دو۔ حضرت علیؓ اٹھ کر آپ کی پیشانی پر شکلیں پڑ گئیں۔ یہودی کا دعویٰ غلط تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے تارت کر دیا۔ یہودی حباب چب گیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ اس وقت ناخوش سے کیوں نظر آ رہے تھے۔ کیا یہودی کے برابر ٹھہرا ہونا ناگوار تھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ نہیں یہ بات نہیں تھی بلکہ آپ کا ابو الحسن کہہ کر مجھے غیاب آنا ایک نہیں معلوم دیا تھا۔ میاں یہودی خیال کرتا کہ اس کے مقابلے میں میرا نام عزت کے ساتھ لیا جا رہا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اسلامی عدالت کی شان معذرت کے خلاف ذرا سا برکات پیدا ہو۔

غیر مسلموں کی اسلام نے تقسیم کر دی ہے۔ ایک غیر مسلم وہ ہیں، جو اسلامی حکومت میں نہیں رہتے۔ کون دیکھتا ہے جو بیٹھے بیٹھے، خود بخود ان پر پل پڑے گا۔ وہ سرے غیر مسلم وہ ہیں جو اسلامی حکومت میں رہتے ہیں۔ انہیں جیسا کہ انہی کی تعمیل سے بتا چکا ہوں۔ ہرگز مجبور نہیں کیا جائے کہ اسلام قبول ہی کریں۔ بلکہ انہیں اسلامی حکومت کی طرف سے جنگ اور آخرت کے لئے بھی مجبور نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ مسلمان اسلامی حکومت کی طرف سے جنگ اور آخرت کے لئے بھی مجبور نہیں کیا، مگر انہیں۔ البتہ غیر مسلموں سے ٹیکس لیا جاتا ہے۔ سو ٹیکس مسلمان بھی دیتے ہیں ٹیکس کی ادائیگی مسلمانوں

کاویا اپنی فریضہ ہے، ایسیا حج ذرا زیادہ ہے۔ مسلمانوں کے ٹیکس کو زکوٰۃ
 کہتے ہیں اور غیر مسلموں کے ٹیکس کو ٹیکس نام جزیرہ ہے۔
 کیا آپ کو کئی حکایت موجودہ زمانے کی یا پرانی ایسی دکھا سکتے ہیں
 جو ٹیکس و وصول نہیں کرتی۔ ٹیکس جن کے بغیر حکومت کیسے چل سکتی ہے۔
 فوج، یہ پولیس، یہ جج، یہ مجسٹریٹ، یہ تعلیم و تربیت، یہ شہر کی
 یہ صفائی ستھرائی، یہ فلاں بات کا انتظام، اور یہ فلاں بات کا انتظام
 کیا یوں ہی ہو جاتا ہے۔ اس کے واسطے بہر حال روپیہ چاہئے۔
 آپ اتنا ذکر کر سکتے ہیں کہ ٹیکس بکا روپیہ زیادہ تر رعایا کے فلاح
 بہبود پر صرف ہونا چاہئے۔ لیکن نفس ٹیکس کے فلاح زبان پر نہیں کہوں گے۔
 ٹیکس کی زبرداری اور اغنیاء تک محدود رہے، غریب اور فلاح کو وہ
 ہیر پھیر سے (INDIRECTLY) بھی ٹیکس کی زد میں نہ آسکیں تو ٹیکس کو نعمت
 ہے۔ چنانچہ اسلام نے جس طرح زکوٰۃ کا ٹیکس فقط مسلمانان اغنیاء پر
 لگایا ہے۔ اسی طرح جزیرہ کا ٹیکس فقط غیر مسلم اغنیاء پر لگایا ہے۔
 زکوٰۃ اور جزیرہ دونوں اغنیاء سے لئے جاتے تھے اور عام ضرورتوں پر
 صرف کئے جاتے تھے۔ خصوصاً فلاح کو زکوٰۃ لوگوں کی ضرورتوں پر
 جزیرہ کو خواہ مخواہ ہوتا مشہور کر دیا ہے۔ غیہ مسلموں پر یہ اکیلا
 ٹیکس تھا یا زمینداروں سے کھوڑا سالگاں لیا جاتا تھا جو غیر مسلموں کے
 کے ساتھ مخصوص نہیں تھا۔ مسلمانوں پر زکوٰۃ کے علاوہ اور ٹیکس بھی
 تھے۔ مثلاً جنگ کے وقت انہیں اخراجات جنگ کا یا حسب حیثیت
 اٹھانا پڑتا تھا۔ غیر مسلم جنگ کے لئے کچھ نہیں دیتے تھے جزیرہ ہی
 جنگ کے وقت بھی ان کی حفاظت کا ضامن ہوتا تھا۔

جزیرہ کو تو شہرت دی گئی، لیکن ایک نقطہ ہے، ذمہ داری سے شہرت
 نہیں دی گئی۔ ذمہ داری سے بہت ہی جس کی جان، مال اور عزت، اہل
 حفاظت کا ذمہ لے لیا جائے۔ ہم اس سے اور پرہیز کر جب اللہ کا
 ہم سایہ قرار دیا گیا ہے۔ ”بِوَاللّٰهِ وَذَمَّتْ مُحَمَّدٌ رَّسُولَ
 اللّٰهِ“ اللہ کا ہم سایہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 اس کے ذمہ دار۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے: غیر مسلم جزیرہ اس غرض سے
 ادا کرتے ہیں کہ ان کے خون اور مال کی مسلمانوں کے خون اور مال جیسی
 حیثیت ہو جائے۔

بیس سال سے کم اور پچاس سال سے اوپر کے مرد سے جزیرہ نہیں لیا
 جاتا تھا۔ عورتیں بزرے سے مستثنیٰ تھیں۔ مردوں کے ساتھ بھی کم از کم
 اسی سو روپے آمدنی کی شرط تھی۔ ہر مرد اپنی خوشی سے جگہ خدمات بجالاتے تھے۔
 اہل جزیرہ سے مستثنیٰ کر دیا جاتا تھا۔ جزیرے کی مقدار یا راج سے اڑھائی
 روپے سالانہ ٹکد تھی، اور باہر قسطوں میں وصول کی جاتی تھی۔
 قرآن کا نامور مفسر خٹک کا گستاویز بیان لکھتا ہے۔

”مسلمانوں کے لئے متحمل اور روادار فاتح کبھی پیدا نہیں
 ہوئے اور نہ ایسا نرم اور مہربان مذہب وجود میں آیا۔“
 خٹک کہتا ہے۔ اے کانٹا کی اکھٹا ہے:

”مسلمان مفتوح قوموں سے جو شرائط کرتے تھے، وہ
 ایسی ہوتی تھیں کہ مفتوح اپنی پہلی زندگی پر ان شرائط کی
 زندگی کو ترجیح دیتے تھے اور اسے خوش قسمتی کہتے تھے۔“

عربوں کی بات کا بھرم تھا۔ اُن کے عہد و بیان کا اعتبار
کیا جاتا تھا؟

اطالوی مؤرخ ڈان لینوکٹیا نے لکھا ہے :
”مسلمان حاکموں نے ہر زمانے میں مسلمانوں اور غیر مسلموں
کے ساتھ یکساں سلوک رکھا۔ سولہویں صدی کا یہ
اسلامی حکم محفوظ رہا کہ دُعا کی وجہ سے جو
سے اخلاق برقرار رہیں اُن کی خاطر مدارات کرو۔“

سر تھامس آرنلڈ لکھتا ہے :
”عیسائی اور دیگر اقوام کے لوگ اگر ترکِ وطن کرتے تھے
تو اسلامی ممالک میں پناہ لیتے تھے اور جزیہ دے کر لپڑی
مذہبی آزادی سے زندگی گزارتے تھے۔“

ڈاکٹر الشیور ٹوپا لکھتے ہیں :
”جزیہ وصول کرنے کے بعد زمینوں کی حفاظت کرنا مسلمانوں
کا مذہبی فریضہ تھا۔ جزیہ گویا مسلمانوں کے اُس خون کی قیمت
تھی جسے مسلمان زمینوں کی مدافعت میں بہاتے تھے۔“
حضرت عمر کے زمانے میں ایک دفعہ مسلمانوں کو شہرِ حصص کسی وجہ
سے نالی کرنا پڑا تو حاکم شہر نے جتنی رقم اس سال جزیہ کی وصول کی تھی
وہ واپس کر دی کیونکہ جس کام کے لئے لی گئی تھی اسے انجام جب ہی دیا
جاسکتا تھا جب مسلمان وہاں رہتے۔

حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے : لَكُمْ
مَالٌ وَخَلِيقُكُمْ مَا تَشَاءُونَ۔ جیسے ہمارے حقوق ہیں ویسے ہی ذمہ داریاں

کے حقوق میں اور جس طرح ان پر ہمارے حقوق کی ادائیگی لازم ہے اسی طرح ہم پر ان کے حقوق کی ادائیگی لازم ہے۔

ایک اور موقع پر حضورؐ نے ارشاد کیا: **مَنْ اَذَى ذِمِّيًّا فَلْيَسِكْ** جتنا میں نے ذمی کو بے قصور اذیت پہنچائی وہ ہماری جہالت سے خارج ہے۔

ایک اور حدیث ہے: جو کسی ذمی کو قتل کرے گا اُسے جنت کی خوشبو بھی سونگھنی نصیب نہیں ہوگی۔

ذمی کی شراب اور ذمی کا سورتلف کر دیا جائے تو تادم دینا پڑتا ہے۔ ذمی کی عنیت کرنی حرام ہے۔

اسلامی تاریخ کے یہ شواہد اور اسلامی قانون کا غیر مسلموں کے ساتھ یہ سلوک اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اسلامی حکومت غیر مسلموں کے لئے ہر اعتبار سے امن و سلامتی کا گہوارہ ہوتی ہے اور اسلام غیر مسلموں کو صرف کاغذ پر نہیں بلکہ عمل و اقیقت کی دنیا میں حقوق دیتا ہے اور

اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ۔ (مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔
کی عملی تفسیر پیش کرتا ہے۔

سرورِ کائنات کا دربار

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر لمحہ لوگوں کو فیض پہنچانے کے واسطے وقف تھا، لیکن تمام لوگ ہر وقت جان بیکار نہ رہ سکتے تھے۔ کبھی ایک جماعت مستفیض ہوتی تھی، کبھی دوسری، اس لئے حضورؐ نے ایک مستقل اجلاس کا بھی اعلان کر رکھا تھا کہ جو آنا چاہیں اس وقت آجائیں۔

یہ اجلاس بیشتر مسجد نبوی میں منعقد کئے جاتے تھے اور ان کا وقت عموماً پنج وقتہ نمازوں کے بعد کا تھا خصوصاً صبح کی نماز کے بعد۔ مٹی کی چھوٹی سی چبوتری تھی جس پر حضورؐ نشست فرماتے تھے اور چبوتری کے سامنے اور دونوں جانب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

الچبوتری اس غرض سے بنادی گئی کہ اجنبی آنے والوں کو حضورؐ کی شناخت میں دشواری پیش نہ آئے، ورنہ ابتداءً حضورؐ سب کے ساتھ برسرِ علی بیٹھتے۔ حضورؐ نے اپنی کوئی خاص اور ممتاز جگہ مقرر نہیں فرمائی تھی۔

بیٹھے تھے۔

حضورؐ کا دربار بے حد سادہ تھا۔ حاضرین میں اگرچہ ایسے باادب حضرات ہوتے تھے کہ بغیر اجازت زبان نہیں کھولتے تھے اور مطلق جنبش نہیں کرتے تھے۔ ان کی بابت رادیوں کے الفاظ یہ ہیں کہ سرور پر گویا چڑیاں بٹھ جاتی تھیں کہ جنبش کی ادویہ اڑیں کجاں الطیر فوق رؤسہم مگر گنواروں (بدوؤں) کی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ آتے ہی پوچھتے ”محمد کون ہیں“ اور جب انہیں بتایا جاتا کہ ”وہ گورے رنگ والے جو ٹیک لگائے بیٹھے ہیں“ تو کہتے ”اے ابن عبدالمطلب! بغضامت ہونا۔ میں سختی سے سوال کروں گا“ اور عجیب عجیب سوال کرتے مثلاً ”بتائیے۔ میرے باپ کا نام کیا ہے“ یا ”میرا اونٹ کھو گیا ہے، بتائیے کہاں ہے“

حضرتؐ چاہتے تھے کہ سوالات صرف تزکیہ نفس کے متعلق کئے جائیں اور لغو اور فضول سوالات کو پسند نہیں فرماتے تھے مگر لغو اور فسنول سوالات کو برداشت ضرور کر لیتے تھے۔ ایک دفعہ البتہ حضورؐ نے بگڑ کر اتنا کہا تھا کہ ”پوچھو جو پوچھنا ہو۔ میں سب کا جواب دوں گا“ اور صحابہؓ نے محسوس کیا تھا کہ حضورؐ برہم ہیں۔

کوئی آداب مجلس سے ناواقف دودان تقریر میں یا دوسرے کا جواب دیتے میں سوال کرتا تھا تو حضورؐ تقریر جاری رکھتے تھے اور تقریر ختم کر کے سائل کی بات کی طرف توجہ فرماتے تھے حضورؐ سے ایک وقت میں ایک ہی شخص گفتگو کر سکتا تھا۔

ایک بار حضورؐ تقریر کر رہے تھے کہ ایک گنوار (بدو) آیا اور آتے ہی بولا ”قیامت کب آئے گی۔“ وہ حضورؐ تقریر کرتے رہے۔ تقریر

سے فارغ ہو کر دریافت فرمایا ”قیامت کی بابت کس نے سوال کیا تھا“
 بڑے نے کہا ”میں نے“ حضورؐ نے جواب دیا ”قیامت جب آئے
 گی جب لوگ امانت ضائع کرنے لگیں گے۔ بڑے نے پوچھا ”امانت
 کیونکر ضائع ہوگی“ فرمایا ”جب کام ناپلوں کے ہاتھ میں پہنچ جائے گا۔
 یہی بڑے حضورؐ کے پاس بیٹھتے بیٹھتے تیز سیکھ جاتے تھے۔

حضورؐ کے دربار میں نام و نسب یا دولت و ثروت کی وجہ سے کسی کو
 امتیاز نہیں دیا جاتا تھا۔ کچھ ایسا برتاؤ تھا کہ ایک شخص بھی یہ محسوس
 نہیں کرتا تھا کہ مجھے دوسروں کی نسبت کم عزت دی گئی ہے۔

اول حضورؐ اپنی حاجت کو اپنی حاجتیں پیش کرنے کا موقع بخشتے
 تھے۔ جب تک بولنے والا چپ نہ ہو جاتا تھا حضورؐ اس کی بات سنتے
 رہتے تھے۔ بعض اوقات بولنے والا بولے جاتا تو اسے اٹھ کر لیتے تھے۔
 قبیلوں کے سردار آجاتے تو حضورؐ ان کی تعظیم و تکریم فرماتے تھے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے: اَکْرَمُوا کَرِیْمَ عَلٰی قَوْمٍ۔ ہر قوم کے معززین
 کی عزت کرو۔ ویسے ازراہ شفقت بیٹی (حضرت فاطمہ زہرا) کے لئے بھی
 کبھی کبھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ اپنی انا (بی بی حلیمہ) کے لئے بھی اٹھ کر
 چادر سجھا دی تھی اور حضرت حلیمہ کے فرزند شریف لائے تو ان کے لئے بھی
 کھڑے ہو گئے تھے۔ مگر اس قسم کی تعظیم و تکریم جو بادشاہوں اور امراء
 و سلاکے ہاں رائج تھی اور رائج تک رائج ہے، اس کی حضورؐ نے
 شد و مد سے مذمت فرمائی ہے۔ مثلاً ایک شخص کے آنے پر تمام
 حاضرین کا کھڑا ہو جانا۔ یا ایک شخص بیٹھا ہو اور حاضرین اس کے سامنے دست
 بستہ کھڑے رہیں۔ گویا اللہ کے سامنے قیام کر رہے ہیں۔ حضورؐ نے

اس مسئلہ کی تعظیم و تکریم کو منع فرمایا ہے۔ حضور کا ارشاد ہے ”جیسے پسند ہو کہ لگ اس کے سامنے تعظیماً کھڑے رہیں اُسے اپنی جگہ جہنم میں تلاش کرنی چاہئے“۔ باقیں پوچھنے والے کو حکم تھا کہ بیٹھ کر پوچھو۔ کھڑے رہ کر مت پوچھو۔

حضور حاضرین کے ساتھ بے تکلف اور شگفتہ ہو کر بیٹھتے تھے۔ ہنسی اور ظرافت کی بات اگر ادب، ایوَاب اور تہذیب کے خلاف نہ ہوتی تو اُسے بھی جائز رکھتے تھے اور ہنسی و ظرافت میں حصہ لیتے تھے۔

ایک دفعہ حضور نے فرمایا ”اللہ سے کسی شخص نے خواہش کی کہ میں جنت میں کھیتی کروں گا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ پھر لوؤں اُدھر کاٹ لوں۔ چنانچہ دانہ ڈالتے ہی فصل تیار ہو گئی۔ کوئی بدو صاحب بھی حاضر دربار تھے، وہ بولے، یہ نعمت فقط مکہ مدینہ والوں کے حصّے میں آئے گی۔ کیونکہ مکہ اور مدینہ والے ہی اہل زراعت ہیں۔ ہم تو دعوت نہیں جانتے۔ حضور ہنسنے لگے۔

ایک دفعہ ایک صحابی آئے اور بولے۔ میں تیار ہو گیا۔ حضور نے پوچھا۔ کیوں۔ کیسے؟ صحابی نے عرض کیا۔ میں نے رمضان میں بچاوت صوم پیوی سے ہم بستی کر لی۔ حضور نے فرمایا ایک غلام آزاد کر دو۔ کفارہ ہو جائے گا۔ صحابی نے کہا۔ میں غریب آدمی ہوں۔ غلام کہاں سے لاؤں۔ حضور نے فرمایا۔ اچھا۔ دو عینے کے بونے رکھو صحابی نے کہا۔ یہ بھی ممکن نہیں۔ حضور نے فرمایا۔ اچھا۔ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔ صحابی نے کہا۔ اس کا بھی مقدور نہیں۔ اتفاق سے اسی وقت

کچھ یوں کا ڈھیر حضورؐ کی خدمت میں کہیں سے پہنچا۔ حضورؐ نے فرمایا۔
 لو۔ یہ ڈھیر سکیں میں بانٹ دو۔ صحابی نے کہا۔ اس اللہ کی قسم
 جس نے آپؐ کو رسول بنایا ہے۔ سارے مدینے میں مجھ سے بڑھ کر سکن
 دوسرے نہیں ہے۔ حضورؐ ہنس پڑے اور فرمایا۔ اچھا تم اپنے ہی لئے جاؤ۔
 ایک مرتبہ دو شخص حاضر ہوئے۔ ایک کو چھینک آئی۔ اس نے
 اَحْمَدُ یَا اَہْلَی نہیں کہا۔ حضورؐ نے بھی کَبْرَ حَمْدِ اللہ نہیں فرمایا۔
 دوسرے کو چھینک آئی تو اس نے اَحْمَدُ لِلّٰہ کہا اور حضورؐ نے یُوْحَمْدُ اللہ فرمایا۔
 اَحْمَدُ اللہ نہ کہتے والا اَحْمَدُ اللہ کہنے والے کی نسبت فی حقیقت تھا اسے اپنے لئے
 یُوْحَمْدُ اللہ نہ فرمانا اور دوسرے کے لئے یُوْحَمْدُ اللہ فرمانا اچھا، اس نے
 حضورؐ سے شکست کی، حضورؐ نے فرمایا۔ اس نے اللہ کو یاد رکھا۔ لہذا میں نے
 اسے دُعا دی۔ تم اللہ کو بھول گئے۔ میں نے تمہیں بھلا دیا۔

ایک دفعہ حضورؐ مسجد نبویؐ میں تشریف فرما تھے۔ مجمع زیادہ
 تھا۔ تین شخص آئے۔ ایک کو درمیان میں فوراً جگہ مل گئی۔ وہ وہاں
 گھس بیٹھا۔ دوسرے نے کنارے پر بیٹھ جانا غنیمت سمجھا۔ وہ کٹاکے
 پر بیٹھ گیا۔ تیسرا واپس چل دیا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ایک نے اللہ کی پناہ
 لی۔ اللہ نے اسے پناہ دی۔ دوسرے نے اللہ سے حیا کی۔ اللہ بھی اس
 سے شرمایا۔ تیسرے نے اللہ سے موہنہ پھیر لیا۔ اللہ نے بھی اس سے
 موہنہ پھیر لیا۔

اس مجمع میں چونکہ خواتین شریک نہیں ہو سکتی تھیں۔ خواتین
 نے درخواست کی کہ ہمارے واسطے الگ دن مقرر کر دیجئے۔ چنانچہ
 الگ دن مقرر کر دیا گیا۔ خواتین کی مجالس میں عام مسائل شرعیہ

پوچھنے کی اجازت تھی۔ لیکن عورتوں کے مخصوص مسائل پوچھنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ مسائل ازواجِ مطہراتؓ انہیں بتاتی رہتی تھیں۔ مخصوص مسائل خواہ عورتوں کے متعلق ہوتے خواہ مردوں کے متعلق، کوئی سب کے سامنے، بر ملا دریافت کرنے لگتا تھا تو حضورؐ کو ناگوار گذرتا تھا اور حضورؐ مکتدر ہو جاتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عاصم انصاریؓ نے مجمع عام میں سوال کیا کہ اگر انسان اپنی بیوی کو غیر مرد کے ساتھ دیکھ لے تو کیا کرے۔ حضورؐ نے انہیں جھڑک دیا۔

عام سوالات لوگ بے دھڑک کرتے تھے اور جواب باصواب پلاتے تھے۔

ایک طریقہ تعلیم کا یہ بھی تھا کہ حضورؐ بطور امتحان خود سوال کرتے تھے اور لوگوں سے فرماتے تھے کہ جواب دو۔ اس سے لوگوں کو دماغ پر زور ڈالنے کی عادت پڑتی تھی۔ مثلاً ایک دفعہ حضورؐ نے سوال کیا۔ اچھا بتاؤ وہ درخت کون سا ہے جس کے پتے جھڑتے نہیں اور جو مسلمانوں سے مشابہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں ”میرا ذہن کھجور کے درخت کی طرف گیا۔ لیکن میں کم سن تھا، اظہار کی جرأت نہیں ہوئی۔ دوسرے حضرات اور درختوں کے نام لیتے رہے۔ آخر حضورؐ نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے میں ہمیشہ افسوس کیا کرتا ہوں کہ میں نے اُس وقت کھجور کیوں نہ کہہ دیتا۔ ایک دفعہ حضورؐ نے پوچھا۔ تم لوگ جانتے ہو۔ مفلس کون ہے صحابہ نے عرض کیا۔ بے زر کو مفلس کہتے ہیں۔ فرمایا میری اُمت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ جلد و ثمن کی ٹکیاں لے کر

آئے گا۔ لیکن اُس نے کسی کو گالی بھی دی ہوگی۔ کسی پر تہمت بھی لگائی ہوگی کسی کا مال بھی کھایا ہوگا۔ کسی کا خون بہایا ہوگا۔ کسی کو مارا ہوگا تو اُس کی نیکیوں میں سے تھڑا تھڑا اُن کو دے دیا جائے گا جن کے ساتھ اُس نے زیادتی کی ہے، اور پھر اُس کے پاس کوئی رینگی نہیں بچے گی، بلکہ اوروں کا کچھ اُس کے ذمے رہ جائے گا۔ سو اوروں کی بدیاں اُس کے نام کھدی جائیں گی، اور وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

ایک دفعہ فرمایا کیا میں تمہیں بتاؤں کہ تم میں اچھا کون ہے اور بُرا کون ہے۔ فرمایا۔ اچھا وہ ہے جس سے لوگ اچھائی کی اُمید رکھیں اور جس کی بُرائی سے لوگ امن میں ہوں اور بُرا وہ ہے جس سے اچھائی کی توقع نہ کی جائے اور جس کی بُرائی سے کوئی مامون نہ ہو۔

دقیق مباحث جو علامہ اُن کی سمجھ میں عموماً نہیں آتے اُن کو حضورؐ نہیں سمجھنے دیتے تھے۔ ایک دفعہ صحابہ تقدیر پر بحث کر رہے تھے کہ تقدیر کیا شے ہے۔ حضورؐ کے کانوں میں آواز پہنچی تو حضورؐ جھڑے سے باہر نکل آئے اور بڑے غصے سے پوچھے کہ تمہیں اللہ نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ آپس میں دُعاؤں کو ٹکراؤ پھپھلیا متیں ایسی ہی باتوں سے برباد ہوتی رہتی تھیں۔

ایک دوسرے موقع پر حضورؐ نے تقدیر کی گرہ باتوں باتوں میں کھل دی۔

کسی میت کے ساتھ حضورؐ قبرستانِ شریف لے گئے تھے۔ وہاں حضورؐ نے فرمایا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا جنتی یا دوزخی ہونا نکھانہ جا چکا ہو۔ ایک صاحب نے کہا تو پھر عمل کس توقع پر کیا جائے۔ تقدیر پہ توکل کر کے

عمل کیوں نہ چھوڑ دیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تو کُل قوتِ عمل کو مصطل کر دینے کا نام ہے۔ اعمال ہی تشریں ہیں اللہ جسے جیسے اعمال کی توفیق بخشتا ہے۔ وہی اس کا نوسہ نہیں تشریں ہے۔ جو جنتی ہو گا وہ جنتیوں کے عمل ضرور کرے گا اور جس کی آفتاب میں دوزخ لکھی ہے وہ دوزخیوں کے عمل کرے گا۔ دقیق مباحث کے علاوہ عام بحثیں حضورؐ صحابہ کو کرنے دیتے تھے۔ مثلاً ایک دفعہ اس مضمون پر بحث ہو رہی تھی کہ شہرت طلبی اور تعناء خلد میں عمل کے منافی ہیں یا نہیں۔ ایک صحابی نے کہا۔ اگر اس نوع کے فقرے بہاؤ میں کہے جائیں کہ ”میں فلاں ہوں اور فلاں قبیلے سے ہوں“ خدا میرا روز کو تشریں؟“ تو ثواب نہیں ملے گا۔ دوسرے صحابی نے کہا ”میرے نزدیک تو اتنا دینا جائز ہے“ حضورؐ نے سنا تو فرمایا ”شہرت اور ثواب میں پیر نہیں ہے“

ایک دفعہ حضورؐ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ بعض صحابی قرآن خوانی اور ذکر و شغل میں مشغول ہیں اور بعض علمی باتیں کر رہے ہیں حضورؐ نے فرمایا۔ دونوں جماعتوں کا عمل ٹھیک ہے۔ لیکن مجھے اللہ نے معلم بنا کر بھیجا ہے (إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا) اور حضورؐ علمی باتیں کرنے والی جماعت میں بیٹھ گئے۔

حضورؐ کی مجالس کتنی با اثر ہوتی تھیں۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل دو روایتوں سے کیجئے :

ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! جب تک ہم حضورؐ کی خدمت میں رہتے ہیں۔ دنیا ہماری نظر میں ایسے ہو جاتی ہے لیکن بال بچوں میں جا کر حالت پھر بدل جاتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا

ایک ساحل رہتا تو فرشتے تمہاری زیارت کو آتے۔

ایک دفعہ حضرت حنظلہؓ کہنے لگے۔ یا رسول اللہ! میں منافق تو نہیں ہو گیا۔ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوتا ہوں تو جنت اور اور دوزخ دکھائی دینے لگتی ہیں۔ مگر گھر پہنچ کر جنت اور دوزخ کو بھول جاتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اگر ہر وقت وہی حالت رہتی تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے۔

ایک دفعہ ایک امیر خاتون چھری کے جرم میں پکڑی ہوئی آئین بعض صحابہ نے ان کی سفارش کی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تم سے پہلے کی قومیں اسی لئے تباہ ہو جایا کرتی تھیں کہ معمولی لوگ قصور کرتے تھے تو انہیں سزا ملتی تھی اور بڑے لوگ قصور کرتے تھے تو حکام ٹال دیتے تھے۔

ایک دفعہ ایک بدو آیا۔ اتفاق سے اُسے استنجہ کی حاجت ہوئی وہ مسجد کے صحن میں بیٹھ کر رفع حاجت کرنے لگا۔ صحابہ مارنے دوڑے حضورؐ نے فرمایا۔ تم استنجہ کے لئے کئے گئے۔ تمہارا ہے۔ اس کے بعد حضورؐ نے بدو کو بلا کر سمجھا دیا اور صحابہ کو حکم دیا کہ غلاظت پانی سے بہا دو۔

ایک دفعہ کسی صحابی نے پوچھا۔ یا رسول اللہ! کوئی اگر یہ کیش کرے کہ اس کے کپڑے اچھے اور سلیقے ہوں۔ اس کا جوتا اچھا ہو۔ تو کیا یہ بھی غور ہے۔ فرمایا نہیں اِنَّ اللہَ جَمِیْلٌ وَ یُحِبُّ الْجَمَالَ اللہ صاحب جمال ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ بندوں کو پسند ہے کہ اپنے طور و طریق اور لباس میں سلیقے اور جمال کا لحاظ رکھیں

کبھی کبھی حضرات کو اہمیت دینے کے لئے اُسے کئی بار دوہراتے تھے۔ مثلاً ایک دفعہ فرمایا: واللہ وہ صاحب ایمان نہیں۔ واللہ وہ صاحب ایمان نہیں۔ واللہ وہ صاحب ایمان نہیں۔ ————— حاضرین نے پوچھا۔ کون یا رسول اللہ! فرمایا: جس کے پڑوسی کو اُس کی برائیوں سے امن نہ ملا۔

ایک دفعہ فرمایا: دین داری اخلاص کا نام ہے۔ دین داری خُلاص کا نام ہے۔ دین داری اخلاص کا نام ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس کے ساتھ؟ فرمایا۔ اللہ کے ساتھ، اُس کی کتاب کے ساتھ، اُس کے رسول کے ساتھ، مسلمان کے سربراہوں کے ساتھ اور عام مسلمانوں کے ساتھ۔

سرور کائناتؐ بعدِ وفات

انسان اگر ڈوب کر مرتا ہے اور اُس کی لاش نکالی نہیں جاتی تو اُسے پانی کے جانور کھا لیتے ہیں۔ لاش مکتی بھی ہے تو مچھلیوں کی کتری کترائی مکتی ہے۔ مچھلیاں لاش کو فوراً کھانا شروع کر دیتی ہیں۔ انسان اگر خشکی پر مرتا ہے تو یا جلا ڈالا جاتا ہے یا دفن کر دیا جاتا ہے، جل کر بھی جسم باقی نہیں رہتا اور دفن ہو کر بھی کیڑوں مکوڑوں کی غذا بن جاتا ہے یا مٹی میں مل جاتا ہے۔ غرض عام اجسام کو کسی حال بقا نہیں ہے۔ بادشاہ اور گدا سب کے جسم حال سبے حال ہو جاتے ہیں۔

بدروازہ مرگ چوں در شوم
بریک ہفتہ باہم برابر شوم
جب موت کے دروازے پر پہنچیں گے تو بادشاہ و گدا ہفتہ بھر میں
ایک سے ہو جائیں گے۔
لیکن خاصانِ خدا کے اجسام کو کیڑے مکوڑے نہیں کھاتے اور

مٹی نہیں چھپرتی۔ تدفین کے سینکڑوں برس بعد کھدائی کرتے کرتے اُن کی لاشیں سامنے آتی ہیں تو بالکل ایسی جیسے ابھی کفن پہن کر لیٹے ہیں پھر انبیاء کا تو کیا کہنا۔ انبیاء کے متعلق حضورؐ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ زمین کے نئے نئے نبی کا جسم کھانا اللہ نے حرام کر دیا ہے لہذا بعد وفات حضورؐ کے جسم کا محفوظ ہونا یقینی امر ہے اور ابن تیمیہ و ابن قیم کے چند پیروگوں کے سوا تمام اہل سنت و جماعت اس کے قائل ہیں کہ حضورؐ اور جملہ انبیاء برزخ میں زندہ ہیں۔

روح کسی کو نہیں مرتی۔ البتہ انبیاء کی روحوں اور غیر انبیاء کی روحوں کا نہ مرنے والا ہونا ہے۔ خاصانِ خدا کی روحوں آرام سے سلا دی جاتی ہیں اور انبیاءؐ کی روحوں بیدار رکھی جاتی ہیں۔

آرام سے سونا اور آرام سے نہ سونا اور انبیاءؐ کی بیداری اور زندگی کس نوعیت کی ہے۔ یاقیامت کے بعد ہم سب کی زندگی کس نوعیت کی ہوگی۔ یہ کوئی نہیں جانتا۔ یہ مکرہ ہی جانا جائے گا لیکن اس کا تصور محال ہے، تاہم حضورؐ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور درود و سلام کا پہنچنا اور امت کے اعمال کا صبح شام پیش ہونا

یہ علامہ تقی الدین سبکی کی رائے میں محال نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انبیاء اور شہداء کی زندگی زندگی دینوی زندگی کی مانند ہے۔ اس کی دلیل اُن کے پاس حضورؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبر میں نہ اڑھنا ہے۔ نہ ازلی جسم کے نہیں بڑھی جاسکتی۔ لیکن قرآن مجید کے الفاظ صاف ہیں: **بَلْ أَحْيَاہُمْ وَلَکُمْ لَا تَشْعُرُونَ**۔ شہداء زندہ ہیں، مگر اُن کی زندگی تمہارے موجودہ شعور سے بالا ہے۔

مستم ہے۔ درود و سلام اور اعمال کی رپورٹ خفصۃ روح بھی سن سکتی
حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ درود
کے درود و سلام مجھے پہنچائے جائیں گے۔ اور میری قبر پر کوئی درود و
سلام پڑھے گا تو میں کانوں سے سن لوں گا اور جواب دوں گا (مشکوٰۃ)
علاوہ ازیں ایک حدیث ہے کہ حضورؐ نے وفات کے وقت حضوت
عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مجھے خیبر کے کھانے کی تکلیف برابر رہی
ہے اور اب میری رگ جان اُسی زہر (کے اثر) سے منقطع ہوتی ہے جس
کے معنی ہیں کہ حضورؐ نے شہادت پائی۔

اور حضورؐ شہادت نہ پاتے تو جن کے طفیل شہیدوں کو زندگی عطا
کی گئی ہے اُن کی معمولی وفات کیا شہیدوں کی شہادت سے کم تھی کہ شہید
تو اُردے قرآن زندہ ہیں اور شہیدوں کو زندگی دلونے والے شہیدوں
کے سردار اور آقا زندہ نہیں ہیں۔ بھلا اسے کون سی عقل باور کرے گی۔
طبعی اور عادی رحلت کی وجہ سے جو شخص حضورؐ کا جینا نہیں مانتا
اُسے شہیدوں کے جینے اور قیامت کے دن ہم سب کے جی اُٹھنے کا کیوں
یقین ہے۔ اللہ قیامت کے دن ہم سب کو جلا سکتا ہے تو کیا وہ حضورؐ کو
قبر میں دفن ہوتے ہی نہیں جلا سکتا۔ حضورؐ ہی نہیں جلا نہیں زندہ ہیں۔
ہر نبی کا مرتبہ شہداء سے بلند ہے، خواہ نبی نے شہادت پائی ہو یا نہ
پائی ہو۔

۱۵ فتح خیبر کے موقع پر یہودیوں نے مسلمانوں کی دھوت کی تہی اور کھانے
میں زہر ملا دیا تھا۔

معراج کے بیان میں ہے کہ حضورؐ نے انبیاء کے ساتھ نماز پڑھی اور اُن کی امامت کی اور حضرت آدمؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰ علیہم السلام وغیرہ خاص خاص پیغمبروں سے ملاقات فرمائی۔ انبیاء کا نماز پڑھنا اور ملاقات کرنا انبیاء کی زندگی ظاہر کرتا ہے۔

حضورؐ کا فرمان کہ زمین کے لئے نبی کا جسم کھانا اللہ نے حرام کیا ہے یوں صادر ہوا تھا کہ صحابہ سے کہا گیا کہ درود و سلام مجھے برزخ میں پہنچیں گے تو صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! بوسیدہ مٹیوں کو درود و سلام پہنچنے کا مطلب ہم نہیں سمجھتے تو حضورؐ نے فرمایا کہ زمین کے لئے نبی کا جسم کھانا اللہ نے حرام کر دیا ہے۔

حضورؐ زندہ ہیں اور ایک دوسری حدیث کے مطابق حضورؐ کو رزق دیا جاتا ہے۔ زندگی کی کیا نوعیت ہے اور رزق کیا دیا جاتا ہے۔ اس کا پتہ ہمیں شاید مرکز حل جائے۔ حضورؐ کا ارشاد فقط اتنا ہے کہ قَدْ جِئْتُ اللَّهَ حَيًّا يُزْزِقُ (ابن ماجہ) رزق کی ضرورت جسم کو پڑتی ہے۔ روح رزق کی محتاج نہیں ہے۔

علامہ سیوطی شرح الصدور میں لکھتے ہیں :

ابو یعلیٰ اور سیقی اور ابن منذر نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انبیاء زندہ ہیں اور اپنی اپنی قبروں میں نماز ادا کرتے ہیں۔

علامہ سیوطی نے متعدد حدیثیں اور اقوال صحیح نقل کئے ہیں ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب اور بیداری دونوں میں حضورؐ کی روایت ممکن ہے۔ حضورؐ جہاں چاہتے ہیں تصرف فرماتے ہیں، مگر جس طرح

نہشتے دکھائی نہیں دیتے اسی طرح حضورؐ بھی دکھائی نہیں دیتے۔
اللہ نیک بندوں کو زیارت کرا دیتا ہے۔

عکسی قرآن شریف

دو ترجمہ والا ہر سو تیرہ روپے
 سبز رنگ کی جٹا پر حروف اور مکہ معنی کی طرح صاف اور چمک دار
 ایک ترجمہ حکیم الامت حضرت اشرف علی تھانوی
 دوسرا ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی
 حاشیہ پر تفسیر موضح القرآن
 سفید چمکنا کاغذ ۲۲ x ۲۹
 بڑا سائز - مجلد ریگزین

سجانی عکسی معنی قرآن مجید

ہدیہ: آٹھ روپے
 بہترین سفید اور چمکنا کاغذ صاف روشن حروف
 ۲۰ x ۲۴ بڑا سائز
 تقریباً ساڑھے آٹھ سو سے زائد صفحات - مجلد ریگزین
 مکتبہ دینیات، آصف علی روڈ، نئی دہلی

